اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم

اِنّ الصّلوٰۃ کانت علی المُؤ منین کتاباً مّوقوُتاً (النساء:۱۰۳) بے شک نماز ”مُعیّن وقت“ پر مؤمنوں پر فرض ہے

برطانیہ میں عشاء کا صحیح وقت

تیسرا ایڈیشن انٹرنیٹ (ذی الحجہ ۱۴۳۰ھ)

ISHA TIME IN BRITAIN

3rd Edition

مرتّب؛ مولوی یعقوب احمد مفتاحی

ناشر

حزب العلماء یو کے

www.hizbululama.org.uk

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اقم الصلوٰۃ لدلوک الشمس الیٰ غسق اللّیل وقرآن الفجر (س ۱۷، آیت ۷۸)

برطانیہ میں عشاء کا صحیح وقت

ISHA TIME IN BRITAIN

(3rd Edition of Dhul Hajj 1430 / Nov 2009)

------- تیسرا ایڈیشن -------

تازہ نظرِ ثانی شدہ انٹرنیٹ ایڈیشن؛ ذی الحجہ ۱۴۳۰ھ، نومبر ۲۰۰۹ء

نوٹ؛۔ (۱) اس کتاب کے پیپر پرنٹ ایڈیشن دوم (محرم ۱۴۲۴ھ/ مارچ ۲۰۰۳ء) واوّل اَیڈیشن میں جو اغلاط یا جمود رہ گیا تھا یا کہیں کہیں مِس پرنٹ سے حروف کٹ گئے تھے ان سب کی تصحیح اس نظرِ ثانی شدہ ایڈیشن میں کرلی گئی ہے

(۲) یہ پہلی مرتبہ انٹرنیٹ ایڈیشن کے طور پر ہماری ویب سائٹ پر آپ کے سامنے ہے، جن حضرات کے پاس مذکورہ نام سے ہمارا پیپر ایڈیشن ہو تو وہ بھی دوبارہ اس تصحیح شدہ ایڈیشن کا ضرور مطالعہ فرمالیں، نیز یاد رہے کہ مذکورہ پیپر ایڈیشنز ختم ہو چکے ہیں، اِسی کو پرنٹ کرلیں، متلاشئ راہ نے اسے نہ پڑھا تو پچھتا وارہ جائے گا

(۳) اس میں صبح وشام کی شفقین کے زیرِ افق کے حوالہ سے مختلف حضرات بشمول پروفیسر عبدالطیف سلمہ و دیگر کی تحریرات کا بھی بھرپور جائزہ لیا گیا ہے

مرتّبہ؛۔ مولوی یعقوب احمد مفتاحی

دیگر ضروری نوٹس

اوقاتِ نماز، ثبوتِ ھلال تازہ مطبوعات مع بریلوی مکتب فتاویٰ؛ (۱۴۳۰ھ ایڈیشن)

(انگلش)۔۔ The Shari'ah Moon Sighting, Salat Times & Astronomical facts

Chapter 1, 2, 3: An annex to Shar'i thuboote Hilaal & time for Isha & Fajar

Chapter 2, 3: Moon Sighting & Salat Times Fatawa of Barelvi Schoolers

(اردو)۔۔ فلکیات وشرعی ثبوتِ ہلال (پانچ حصّے۔ مع فتاویٰ اہلِ سنت والجماعت، دیوبندی، بریلوی)

(اِن کے علاوہ)

ویب سائٹ کے ہوَم پیج پر ''اوقاتِ نماز اور ثبوتِ ہلال کے حوالہ سے'' بہت ہی اہم مضامین انگلش اور اردو میں رکھے گئے ہیں جو کتب میں شامل نہیں! انہیں بھی ضرور پڑھئے کہ مِس کرنے کا پچھتاوہ نہ رہے!

نیز

برطانوی مسلمانوں کی سہولت کیلئے انگلش زبان میں پانچوں نمازوں کے اوقات پر مستقل کتاب شائع ھوچکی ھے (بشمول عشاء وفجر مع مشاھداتی اوقات، طلوع آفتاب و قبلہ ڈائریکشن) جو ھماری ویب سائٹ پر بھی اردو سمیت تین حصوں میں ھے ؛۔

SALAT TIMES & QIBLAH GUIDE **(3 parts)**

FOR TOWNS AND CITIES IN THE UNITED KINGDOM

اور

اسلامی ماہ کا کیلنڈر! جس میں ہر ماہ کا کیلنڈر اور آپ ﷺ کے ثبوتِ ہلال کے طریقہ کو فلکیاتی مفروضات کے تناظر میں فتاوی مع مختصر مضمون بدلائل اردو انگلش اور گجراتی میں شائع کیا جاتا ہے

یہ سب دیکھیں ہماری ویب سائٹ میں؛۔

www.info@hizbululama.org.uk

اسلام میں وقتِ نماز کی ایک مثال

عن ابن مسعود قال کان قدر صلوٰۃ رسول اللہ ﷺ الظہر فی الصیف ثلٰثۃ اقدام الیٰ خمسۃ اقدام وفی الشتاء خمسۃ اقدام الیٰ سبعۃ اقدام (رواہ ابو دائود والنسائی)

کتاب کے پچھلے پیپر ایڈیشنز کی تفصیل

اسمِ کتاب :- برطانیہ میں عشاء کا صحیح وقت

مرتّب :- مولوی یعقوب احمد مفتاحی

بارِ اوّل :- ۲۹ محرّم الحرام ۱۴۲۳ھ مطابق ۱۲ اپریل ۲۰۰۲ء بروز جمعہ

تاریخ وسن اِشاعت طبع اوّل :- صفر ۱۴۲۳ھ مطابق اپریل ۲۰۰۲ء ۶۰ صفحات

بارِ دوم :- یکم رمضان المبارک ۱۴۲۳ھ مطابق ۶ نومبر ۲۰۰۲ء سہ شنبہ

طبع اشاعتِ دوم :- محرم الحرام ۱۴۲۴ھ / مارچ ۲۰۰۳ء

تعدادِ اشاعت :- پانچ ہزار (اب ختم ہو چکی ہے) تعدادِ صفحات ۱۲۸

ہدیہ :- اللہ ورسول ﷺ کے فرمان پر عمل

ناشر :- حزب العلماء یو کے

Our latast English books

(1) ***The Shara`ee Moon Sighting, Salat Times & Astronomical facts*** (3 Chapters about Moon Sighting & Salat Times). The Fatawa by Deobandi,Barelvi Mufti Scholers,

(2) ``***Hilal Judgment on Moon Sighting According to Sharia`h,***``(The History of Astronomy & The Latest Researh).

Both are avalable on our website

TEL. 07866464040 email: info@hizbululama.org.uk

www.hizbululama.org.uk

فہرست

تعداد	عنوانات	صفحہ
1	فہرست (بشمول مختلف فتاویٰ تا آخرِ کتاب)	D
2	انتساب	G
3	تمہید	۱
!	مقدّمہ	۲
5	ارشادِ باری تعالیٰ اور احادیثِ مبارکہ	۱۲
6	نمازوں کے اوقات کی بنیاد اور اس کی معلومات	۱۲
7	فلکیات اور چھٹی صدی عیسوی وخلفائے راشدین	۱۵
8	سائنس اور اسلام!	۱۹
9	اہلِ سنت والجماعت اور پاپائیت (پاپائیت، شیعہ وامامت)	۲۳
10	امی نبی، امی امت اور حساب وکتاب	۳۶
11	نمازوں کے اوقات جاننے کے لئے کیا سورج کا مشاہدہ ضروری ہے؟ ((ایضاً عمدۃ القاری شرحِ بخاری سے تبیّنِ فجر تحقیق، عربی)) ، مفروضہ فلکی حساب ثبوتِ ہلال کے برخلاف نمازوں کے اوقات میں کیوں معتبر؟	۴۰
12	کیا گھڑی بذاتِ خود وقت ہے یا چاند وسورج کی گردش وقت ہے؟	۴۹
13	بعد غروبِ آفتاب آسمان پر سرخی مائل گدلے دھبےّ اور شفقِ احمر	۵۳
14	قرآن، اُمیت اور سائنس	۵۵
15	دینِ کامل وقرآنی احکام	۵۸
16	شاہ ولی اللہ مُحدِّث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اور ہیئت وفلکیات	۶۲

17	قرآن! رہبرِ ہدایت یا رہبرِ سائنس؟	۶۵
18	آپ ﷺ اور اُمّت کی اُمیت اور قرآن کے فلکیاتی مضامین!	۷۱
19	دینِ اسلام میں فلسفہ وفلکیات کے دخل کی تاریخ (حضرت مطرف بن عبداللہ تابعیؒ)	۸۴
20	فلسفہ وفلکیات اور امام ابوحامد محمّد غزالی رحمۃ اللہ علیہ	۹۱
21	چند فقہی سوالات	۱۰۳
22	ہمارے سوال پر مفتیان کرام کے جوابی فتاویٰ	۱۰۵
23	کیا واقعی شفق کا غروب ایک گھنٹہ کے وقفہ پر ہند و برطانیہ میں نہیں ہوسکتا؟!	۱۱۳
24	حکیم الاُمّتؒ و مشاہدات سے اوقات کی اہمیت!	۱۱۷
25	زیرِ افق کے درجات، مشاہدات اور ماہرین میں اختلافات!	۱۲۱
26	مختلف کتب کی عربی عبارات سے بیرونی نظریہ کی عکاسی	۱۲۳
27	پروفیسر عبداللطیف سلمہ (صبح صادق و کاذب میں بیرونی کے حوالہ کی عبارات)	۱۲۸
28	بعد غروبِ آفتاب شفقِ بیاض کے اختتام میں اختلافات و مفروضہ حساب مشاہدہ کے حوالہ سے مزید تفصیل!	۱۳۳
29	شرعی حدودِ شہادت، مُحقّقین و ماہرین (ابن رشد، طوسی، بیرونی)	۱۳۸
30	اِستشرقین اسلام اور علومِ دینیہ	۱۴۳
31	نصیرالدین طوسی اور زیرِ افق کے درجات	۱۵۰
32	حکیم الامتؒ: اوقاتِ نماز مشاہدات، شفق کی ابتداء واختتام اور زیرِ افق درجات	۱۶۶
33	امدادالاحکام ج اول کے ص ۴۱۴ کے سوال نمبر ۱۵، اس کے جوابی فتوے پر تفصیلی نظر!	۱۶۹
34	حکیم الامتؒ کے فتاویٰ پر مزید روشنی	۱۷۳

35	کیا ما قبل طلوع و بعد غروب آفتاب، صبح و شفق کے فاصلے مساوی ہوتے ہیں! حقیقت کیا ہے؟	۱۷۹
36	مشاہدات کے لئے حکیم الامتؒ کی تاکید و تجربات (سایہ اصلی، مثل و مثلین!)	۱۸۲
37	شفقین کی معرفت میں کتنے مسلسل مشاہدات ہونے چاہیئے؟ مسلسل کی حد کیا ہے؟ (چار مثالی مشاہدات: مفتی شفیعؒ، پروفیسر، مفتی لدھیانویؒ اور حزب العلماء یوکے)	۱۸۵
38	دنیا کا نقشہ، ٹائم زون، مشرق و مغرب کے حدود ماہ و سال کی گنتی اور نظامِ قدرت و اسلام! تمام فتاویٰ اور بحث کا خلاصہ	۲۰۸
39	ہمارے سوال کے جوابات کے بقیّہ فتاویٰ (بشمول دیگر فتاویٰ)	۲۱۷
40	افتاویٰ مفتی اعظم شیخ عبداللہ بن عبدالعزیز بن بازؒ، دارالافتاء ریاض سعودیہ	۲۲۳
41	فتویٰ رابطہ عالمِ اسلامی، فقہ اکیڈمی جدّہ سعودی عربیہ	۲۲۵
42	فتاویٰ اور بحث کا خلاصہ	۲۲۵
43	معلوماتِ عامّہ بسلسلہ فتاویٰ	۲۲۶
44	حرج وسہولت کے ضمن میں وہی ادلّہ جن کی مفتیانِ کرام کو یاددہانی کرائی گئی	۲۲۸
45	آخری گذارش اور مرحومین، علماء وعوام	۲۳۰
46	ہدایت برائے اِنتظامیہ	۲۳۱
47	برطانیہ میں شفقِ احمر وابیض اور صبح کے مشاہداتی سال بھر کے فاصلوں کا اردو نقشہ	۲۳۲
48	" " " " " " " " " " انگلش نقشہ	۲۳۳
49	مشاہدات کے حوالہ سے ایک خاص تحریر	۲۳۴
50	انوارِ ہدایت	۲۳۶
51	ہماری ویب سائٹ پر کتاب "فلکیات و شرعی ثبوتِ ہلال" (بریلوی دیوبندی فتاویٰ) کی ایک جھلک	۲۳۸
52	امام غزالیؒ کی احیاء العلوم ج اول ص ۱۳ تا ۵۲، کل چالیس صفحات کے نچوڑ کا نقشہ	۲۳۹

قال اللّٰہ تَعَالیٰ

و مَن یُّطِعِ اللّٰہ و الرّسول فاولٰئک مع الذین انعم اللّٰہ علیھم من النّبیّن و الصّدّ قین
والشُّھداء و الصالحین وحسن اولٰئک رفیقاً ذٰلک الفضل من اللّٰہ (النّساء ۶۹)

البشارۃ من اللہ و الانتساب

اُن مئومنوں کے نام جو اپنی نماز وعبادات کو اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کے فرمان کے مطابق منصوص بنیاد پر شریعت کی حدود اور اس کے مقرّ رکردہ اوقات میں اداء کرنے کی کوشش کر کے اللہ تعالیٰ کو راضی کرتے ہیں، یہی وہ لوگ ہیں جن کے لئے اللہ کی طرف سے معافی کا وعدہ ہے

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم

نحمدہ ونصلی علیٰرسولہ الکریموعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین ومن تبعہ الیٰ یوم الدین

تمھید

قارئینِ کرام خواتین وحضرات   السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کے سامنے ''برطانیہ میں عشاء کا صحیح وقت'' کتاب کا یہ تیسرا ایڈیشن ہے اور یہ پہلا موقعہ ہے کہ آپ اسے انٹرنیٹ پر پڑھ رہے ہیں، اس سے قبل اس کا پہلا اور دوسرا پیپر ایڈیشن شائع ہو کر ختم ہو چکا ہے اس لئے اب پیپر کتاب کی مانگ نہ کی جائے بلکہ اسی کو پرنٹ کرلیا جائے۔

ظاہر بات ہے کہ کسی بھی کتاب کا ہر نیا ایڈیشن اس میں رہ جانے والی پچھلی خامیوں کے دور ہونے کا ضامن ہوتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ اس ایڈیشن پر کماحقہ نظرِ ثانی کا حق اداء کرتے ہوئے پچھلے پیپر ایڈیشن کی عبارات میں جہاں کہیں مغلق عبارات تھیں ان کے غیر ضروری زوائد کو ختم کر کے نہ صرف انہیں سہل کر دیا گیا بلکہ جہاں وضاحت میں کمی بیشی اور ترتیب کا نقص تھا اسے بھی دور کر دیا گیا ہے، نیز دوسرے ایڈیشن کی پرنٹنگ میں بعض جگہوں پر حروف کٹ گئے تھے یا کہیں پوری سطر تک غائب تھی اللہ کے فضل سے ان تمام بھی درست کرلیا گیا ہے۔

مذکورہ خصوصیات کی بناء پر ان خواتین وحضرات سے جنھوں نے پچھلے ایڈیشن کو پڑھا ہے ان سے بھی التجاء ہے کہ وہ اس تازہ ایڈیشن کو ضرور پڑھیں کیونکہ اس ایڈیشن کی مذکورہ خصوصیات کے علاوہ اس میں اور بھی بہت سی نئی باتوں کو شامل کیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ دینِ اسلام کا بول بالا فرمائے سب کو دین ودنیا میں کامیابی سے سرفراز فرمائے۔ آمین

مولوی یعقوب احمد مفتاحی

مورخہ ۱۷ ذی الحجہ ۱۴۳۰ھ / ۴ دسمبر ۲۰۰۹ء بروز جمعہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سُبۡحٰنَکَ لَا عِلۡمَ لَنَاۤ اِلَّا مَا عَلَّمۡتَنَا ؕ اِنَّکَ اَنۡتَ الۡعَلِیۡمُ الۡحَکِیۡمُ (البقرہ)

واقم الصلوٰۃ طرفی النھار وزلفا من اللیل (س ۱۱ آیت ۱۱۴)

مقدّمہ

برادران اسلام و دُختران ملّت

السّلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ

یہ بات ہر ایک کو معلوم ہی ہے کہ نمازوں کو ان کے اوقات ہی میں پڑھنے سے وہ اداء ہوں گی اور وقت سے پہلے پڑھنے سے وہ اداء نہ ہوں گی اور وقت میں اداء نہ کرنے پر ان کی قضاء لازم ہوگی بصورتِ دیگر سخت گناہ لازم آئے گا۔

۱۹۸۷ء سے پہلے کے برسوں میں گرمیوں کے لمبے دِنوں خصوصاً مئی، جون اور جولائی کے مہینوں میں عشاء و فجر کی نمازوں کے وقت کی ابتداء کے بارے میں کہا جاتا تھا کہ فلکیاتی حساب کے مدِّ نظر برطانیہ میں شفق کا غروب ان دِنوں میں نہیں ہوتا ہے اس لئے اِن نمازوں کو "تقدیری وقت" پر اداء کیا جائے، چنانچہ اسی فلکیاتی حساب کو سامنے رکھتے ہوئے ان ایام میں "اقرب الایّام، اقرب البلاد، اعدل الایّام، تنصیف اللّیل، سبع اللّیل وغیرہ تقدیری اوقات اور ایک گھنٹہ بعد غروب آفتاب عشاء کی ابتداء پر بحث و مباحثہ و فیصلے کئے گئے۔

پھر جب محرم الحرام ۱۴۰۸ھ تا محرم ۱۴۰۹ھ، ستمبر ۱۹۸۷ء تا اگست ۱۹۸۸ء ان دونوں نمازوں کے اوقات کو سال بھر کے لئے عینی مشاہدات سے معلوم کیا گیا تو ثابت ہوا کہ ان

ایاّم میں بھی سوائے چند دنوں کے، صبح و عشاء کی شفقِ ابیض کا طلوع و غروب سال بھر محقق ہے جبکہ شفقِ احمر تو پورا سال ہر روز غائب ہوتی ہے!

جب اوّلاً محرم ۱۴۰۸ھ کو مشاہدات شروع کئے گئے تو تین ماہ کے مسلسل مشاہدات سے ثابت ہوا کہ درجات و ڈگریوں والے اوقات ان مشاہدات کے مطابق نہیں ہیں! اس پر حزب العلماء یو کے کی طرف سے ہندو پاک کے مفتیانِ کرام کو ایک استفتاء روانہ کیا گیا، ساتھ ہی مشاہدات جاری رہے اور جوابی فتاویٰ بھی آ چکے تو کل سات مہینوں کے مشاہدات کے بعد حزب العلماء یو کے کی دعوت پر علمائے برطانیہ کا اجلاس مسجد انیس الاسلام ٹڑوئی اسٹیریٹ بلیکبرن (لنکا شائر یو کے) کے جنرل ہال میں منعقد ہوا۔

برطانوی علماء کا یہ اجلاس مورخہ ۱۵ شعبان ۱۴۰۸ھ مطابق ۲/ اپریل ۱۹۸۸ء بروز ہفتہ حضرت مولانا موسیٰ کرماڈی صاحب (رکنِ رکین حزب العلماء یو کے و مرکزی رویتِ ہلال کمیٹی برطانیہ) اور حضرت مولانا عبید الرّحمٰن صاحب کیمل پوری رحمۃ اللہ علیہ (رکن رکنِ رکین جمعیۃ العلماء برطانیہ و مرکزی رویتِ ہلال کمیٹی برطانیہ) کی مشترکہ زیر صدارت منعقد ہو کر جمعیۃ العلماء برطانیہ اور مرکزی جمعیۃ العلماء برطانیہ نے بھی بھرپور کردار اداء کیا۔

علماء کے اس نمائندہ اِجلاس نے فقہاء و مفتیانِ کرام کے فتاویٰ کی روشنی میں مشاہدین پر جرح و قدح و گھنٹوں کی بحث و مباحثہ و مشاہدات کی توثیق کرتے ہوئے فیصلہ کیا کہ مشاہدات اصل ہیں لہٰذا یہ نمازیں ڈگریوں کے اوقات کے بجائے مشاہدات کے اوقات کے مطابق اداء کی جائیں کیونکہ فلکی حسابات کے اوقات، مشاہدات کے مقابل شرعاً

معتبر نہیں، نیز بقیّہ پانچ ماہ کے مشاہدات کی ذمہ داری بھی مقامی مشاہدین ہی پوری کریں۔

اس اجلاس کے بعد بقیّہ مہینوں کے مشاہدات مکمل کر لینے کے بعد علماء کا دوسرا اجلاس مورخہ ۲۴ جمادی الاولٰی ۱۴۱۰ھ مطابق ۲ جنوری ۱۹۸۹ء پیر کو منعقد ہوا جس میں تینوں تنظیموں نے پہلے اجلاس کے فیصلہ کی توثیق کرتے ہوئے طے کیا کہ برطانیہ میں پورے سال کے لئے فجر وعشاء کی نمازوں کا ٹائم ٹیبل مشاہدات کے مطابق بنا کر مساجد کو روانہ کر دیا جائے ان کے لئے اب فلکیاتی ڈگریوں کے اوقات شرعاً معتبر نہ ہوں گے کیونکہ یہ فجر وعشاء کے سال بھر کے مشاہدات کے اوقات کے خلاف ثابت ہوئے!

اس طرح برطانیہ میں سال بھر کے اِن مشاہدات سے ماقبل اس حوالہ سے اِن نمازوں کے اوقات کے لئے کئے گئے تمام فلکیاتی حسابی فیصلے اب ان کے مشاہدات ہو جانے کی وجہ سے شرعاً کالعدم ہو گئے۔

یہ بات عیاں ہے کہ برطانیہ میں مئی، جون اور جولائی کے مہینوں میں دِن کے غیر معمولی طویل ہونے کی وجہَ سے عشاء کی نماز کا وقت چونکہ کافی دیر سے آتا ہے اسوجہَ سے اُسے وقت کے اندر اداء کرنے پر نیند اور سستی کا غلبہ یقینی اور نفس پر بوجھ پڑنا فطری امر ہے ،حالانکہ ان ایاّم میں غروبِ آفتاب کے بعد سے شفقِ احمر کے غروب تک کا وقفہ جو مشاہدات سے ثابت ہوا ہے وہ ایک گھنٹہ سے کچھ کم سے لیکر ایک گھنٹہ چوبیس منٹ کم وبیش ہی ہوتا ہے جو معتدل ایاّم میں غروب آفتاب کے بعد عشاء کے وقفہ کے ''مقابلۃً'' بہت زیادہ نہیں ہے لیکن چونکہ طلوع آفتاب سے اس کے غروب تک کا فاصلہ اللہ کی مشیت سے اِن ایام میں بڑھ جاتا ہے اس لئے دن طویل ہو جاتا ہے جو شرعی عذر میں داخل نہیں۔

دن کے طویل ہونے کی بناء پر سستی و نیند کے ہونے والے غلبہ وغیرہ مشکلات کو ''شرعی عذر و حیلہ'' سمجھنا جبکہ شریعتِ اسلامیہ، قرآن واحادیث اور فقہائے اُمّت کے علاوہ مفتیانِ کرام کے فتاویٰ کے مطابق شرعاً یہ حیلہ ناجائز و باطل ہے اسی کے ساتھ ان ایاّم میں شفقِ احمر کے غروب کا بھی یقین ہے نیز عشاء کو اس کے اصل وقت سے پہلے اپنی مرضیکے مطابق سہولتی وقت مقرّر کر لینے کی تلقین کرنا، پڑھنا اور پڑھانا جبکہ یہ بھی معلوم ہے کہ بے وقت نمازیں پڑھنے پر انہیں دوبارہ لوٹانا ضروری ہے ورنہ گناہ لازم آئے گا وغیرہ تو اس صورت میں اس صورت میں شرعاً یہی سمجھا جائے گا کہ اس طرح کرنا خود کو دین کے تابع کرنے کے بجائے دین کو نفس کے دھوکہ پر اپنے تابع کرنا ہی ہےجو ایمانی تقاضہ کے بالکل خلاف ہے!

اِسی طرح برسوں پہلے ان دنوں کی عشاء کی نماز کے لئے برطانیہ سے پوچھے گئے سوال کے جواب میں حضرت مفتی ظفر احمد تھانویؒ کے فتوے کے مدِّ نظر اسے سال بھر یا خصوصاً اِن ایاّم میں ''غروب آفتاب سے ایک گھنٹہ بعد اب بھی عشاء پڑھ لینے کو جائز سمجھنا'' یہ بھی ایک بہت بڑی غلطی ہے جس کی تفصیل آئندہ قارئین کے سامنے آجائے گی۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی حدیثِ قدسی ہے: **قال قال رسول اللہ ﷺ قال اللہ عز وجل العز ازاری والکبریاء رِدائی فمن ینازعنی فی واحدمنھما فقد عذّبتہ** (مسلم) ترجمہ: آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ عزت اور بڑائی صرف میری چادر ہے پس جو اس پر اترائے اسے میں عذاب دوں گا۔

یاد رہے کہ انسان کو جو کچھ اور جتنا دیا گیا وہ اللہ تعالیٰ کی دیَن ہے خاص کر رسول ﷺ کی اطاعت وہدایت پر عمل کرنے سے انکار کرتے ہوئے اس کا شکر اداء نہ کرنا اور نعمت پر اِ

ترا کر اللہ کی صفتِ متکبّر کا جامہ اوڑنا یہ ابلیسِ لعین کے کردار کے مماثل ہے جسے اپنے علمی رُتبہ کی بناء پر ایک وقت فرشتوں کے استاذ ہونے کا شرف حاصل تھا مگر اپنی ذات پر گھمنڈ اور حضرت آدم علیہ السّلام کی مٹیّ سے پیَدائش کے مقابل آگ سے اپنی پیدائش پر وہ اترایا اور آدم کو سجدہ کے حکم کی اطاعت کے بجائے اسے ٹھکڑا دیا جس پر وہ ہمیشہ کے لئے راندۂ درگاہِ باری تعالیٰ ہوا!

اپنی علمیت واہلیت کی کمی کے اعتراف کے ساتھ اللہ کا شکر واحسان ہے کہ اُس ذاتِ کبریاء نے اس کتاب کو تحریر میں لانے کی توفیق بخشی جس کی وجہ صرف اور صرف اسلام کے نام پر احکامِ اسلامیہ میں غیر شرعی تاویلات سے علماء اور متدیّن حضرات کو باخبر رکھ کر اس کا سدِّ باب کرنا ہے! نماز دینِ اسلام کا اہم رکن ہے جنہیں ان کے اوقات میں پڑھنا نصِ قطعی سے ثابت ہے پھر بھی انہیں جان بُجھ کر وقت سے پہلے کیوں کر پڑھ سکتے ہیں؟!

اسی بات کے مدِّ نظر اور دین کو اپنی مرضیاّت وخواہشات کے تابع کرنے سے باز رہنے کے لئے اِس کتابچہ میں توجّہ دلانے کی کوشش کی گئی ہے تا کہ وہ بِدعات سے پاک رہے جیسے ''یہود ونصریٰ نے اللہ کے کلام واحکامات کو اپنی مرضِیاّت اور خواہشات کی تکمیل کے لئے اُن میں قِسم قِسم کی تاویلات کر کے بدل دیا''، اللہ فرماتے ہیں فَبَدّلَ الّذِیـنَ ظَلَمُوا قولاً غیرَ اَلّذِی قِیلَ لَھُم (البقرہ ۵۹) ترجمہ: پس ظالموں نے بدل ڈالا قول کو اس کے خلاف جو بتلا دیا گیا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کو لفظِ ''حِـطَّۃ' (یعنی بخش دے) کہتے ہوئے شہر میں داخل ہونے کو فرمایا تھا انہوں نے اپنے دنیوی مفادات کے مدِّ نظر اسے بدل ڈالا اور اللہ تعالیٰ نے معافی

مانگنے کے لئے جو حکم فرمایا اِنہوں نے اس کی حاکمیتِ اعلیٰ وفیصلہ کو تسلیم نہ کیا اور اپنی طرف سے نفسانیت کا اِظہار کرتے ہوئے معافی مانگنے اور حِطّۃ کہنے بجائے، حِنطۃٌ کہتے ہوئے گیہوں کی مستیانہ مانگ کی! اس طرح اللہ کے فیصلہ کو رد کر دیا جس پر اللہ نے ان پر طاعون نازل کر کے ان کے ستّر ہزار کو افراد کو ختم کر دیا (قرطبی)

یہ بات مخفی نہیں کہ وقت سے پہلے یا وقت کے بعد نماز کو جو جائز کیا گیا وہ حاجیوں کے لئے عرفات اور مُزدلفہ میں ظہر وعصر اور مغرب وعشاء کو شارع علیہ السّلام نے بذاتِ خود مشروع کیا اور بعض ائمّہ مسافر کے لئے بھی اسطرح جمع کے قائل ہیں اگرچہ حنفیہ کے نزدیک یہ صرف جمع صوری ہی کی شکل ہوگی نہ کہ جمع حقیقی کی اور جنہوں نے اِسے تسلیم بھی کیا ہے وہ نبی کریم ﷺ نے جن ظاہری حالات پر جمع بین الصلوٰتین کا وقتی طور پر عملاً اظہار کیا تھا وہیں تک اسے محدود رکھتے ہوئے عمل کرتے ہیں یعنی خوف یا سفر کے حالات!

اس کے علاوہ ہمیشہ کے لئے تین وقتوں میں پانچ نمازوں کو مخصوص کرنے کو معمول بنانا ما سوائے شیعہ حضرات کے، اسے اہلِ سنت نے صحیح نہیں مانا اور نہ ہی کبھی تسلیم کیا نہ ہی اس پر عمل کیا! اسطرح کسی فرد یا تنظیم کا ایسا عمل اور کوشش وتحریک کرنا صاحبِ شرعؑ وصحابہؓ کے معمولات اور اجماعِ اُمت کے خلاف ہے البتّہ جہاں کئی ماہ کی رات اور دن ہوتے ہیں یا سرِے سے نماز کا وقت آتا ہی نہیں اَیسی جگہوں کے لئے فقہاء نے حدیثِ دجاّل کے پیشِ نظر ''بِلا وقت اندازے سے بالتّرتیب نمازوں کو اداء کرنے یا نصِّ قطعی کِتَـابـاً مّـوقُوتاً کے پیشِ نظر رُخصت'' سے بحث ضرور کی ہے ان کے علاوہ وقت سے پہلے نماز کے

اداء ہونے کو شریعت نے تسلیم نہیں کیا تو اب نصوصِ قطعیہ اور آپ ﷺ وسلفِ صالحین کی اطاعت کے علاوہ اور کس سے رہنمائی لی جائے؟!

نمازوں کو کب پڑھا جائے اس کا فیصلہ تو اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کی زبانِ وحی کے ذریعہ فرمادیا ہے۔ اوقاتِ نماز، اوقاتِ صوم وعیدین اور حج کو سورج وچاند کی گردش کے ساتھ موقّت کیا گیا جس کی حقیقت واصلیت آپ ﷺ کو بتلادی گئی جیسے قرآن گواہی دیتا ہے **یسئلونک عن الاھلّۃ**: سوال کیا گیا کہ چاند کی یہ شکلیں کیسے بن جاتی ہیں تو اصل جواب کو ٹالکر بتلایا گیا کہ یہ حج ولوگوں کے اوقات کی معلومات کا ذریعہ ہیں اور حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ نحن اُمّۃ اُمیۃ ہم امی امت ہیں۔

فلکیاتی حسابات کی حقیقی معلومات اللہ ہی کو ہے کیونکہ چاند سورج وافلاک کی حقیقی گردش کا حساب اسی نے مقرّر کیا ہے جیسے **والقمر قدّرناہ منازل** اور **والشمس تجری لمستقرّ لھا** میں مذکور ہے۔ مفروضہ حساب کی ڈگریاں چاہے نماز کے اوقات کی ہوں یا نئے چاند کی! ہم دیکھتے ہیں کہ شہادتوں اور فلکیاتی مفروضہ حسابی احوال الگ الگ ہیں، کوئی مطابقت نہیں!

روزنامہ جنگ لندن کا ۲۴ اور ۲۷ جنوری ۱۹۹۸ء کا تراشہ کتاب کے آخر میں ملاحظہ فرمائیں جس میں المناک آفس لندن کا حوالہ دیا گیا ہے جو دنیا کی نامی معتبر ترین برطانوی رصدگاہ وفلکیاتی جنتریوں کی پیش کنندہ ہے، اس میں پہلی خبر عید الفطر ۱۴۱۸ھ کی پیش گوئی ۲۹ رمضان ۱۴۱۸ھ (مطابق ۲۸ جنوری ۱۹۹۸ء) بدھ کی شام چاند کے امکانِ رویت کی ہے اور دوروز بعد اسی اپنی خبر کی اُنہوں نے تردید کرکے اِسی (۲۸ جنوری کی) شام عدم

اِمکانِ رویت کی خبر دی ہے اور اِس رجوع پر غلطی کا ذمّہ دار ''مسٹر یکوپ'' کو ٹھہرایا گیا ہے جو بقول اُن کے یہ ''غلط پروگرام کمپیوٹر میں فِڈ کرکے اسرائیل چلا گیا''۔

اگر واقعی وہ غلط تھا تو اوّلاً ہی تصحیح کیوں نہ کی گئی؟ حقیقت میں رصدگاہ والوں کی اپنے پہلے قول سے رجعت کی وجہ، فلکیاتی حساب سے چاند کی رویت کے امکان کے طریقوں میں مختلف اقوال کا ہونا ہے جسکے متعلق میری خود کی بات چیت مسٹر یلوپ سے بذریعہ فون کئی مرتبہ ہوئی ہے جس میں پروفیسر الیاس کے غروب شمس کے بعد غروبِ قمر تک کے وقفہ کے Lag کے قاعدہ کو وہ موصوف ترجیح دیتے ہیں چونکہ وہ یہاں نہ تھے اس لئے بعض نام نہاد فلکیوں کے اسرار پر ہی دوبارہ مسٹر یلوپ کے پروگرام کے خلاف رصدگاہ والے اِس کی تردید پر مجبور ہوئے تو اِنہوں نے اردو میڈیا سے اس کے غلط ہونے کا پروپیگنڈہ کیا! حالانکہ رصدگاہ ہی قاعدہ وموقف کوئی بھی ہو! حقیقت میں اس کی پیشگوئی نہ تو صحیح اور نہ ہی قطعی! یہ سب مفروضے ہیں اس میں اُنہوں نے اگر پروفیسر الیاس کے موقف پر مبنی مسٹر یلوپ کا پروگرام کمپیوٹر میں فِڈ کیا تھا تو صرف یہی غلط کیسے ہوگیا؟! بس یہ ہے وہ قطعیتِ تحقیق وریسرچ، ناٹیکل المناک پر ہمارے ایمان کی حقیقت!

رصدگاہ والوں کی اس تردید اور اپنے ہی اگلے اعلان وموقف سے مخالفت وتردید اور پیش گوئی سے یہ بات بہرحال اظہر من الشمس ہے کہ خود رصدگاہ والوں میں بھی مفروضہ تھیوریوں کے قواعد میں اتفاق کے بجائے اختلاف ہے! فلکی حساب دانوں کا مختلف حسابی نظریات کا حامل ہونا یہ فلکی قواعد کے قطعی ویقینی نہ ہونے کی دلیل ہے کہ یہ حسابات صرف مفروضہ وتھیوری پر منحصر موقف وفارمولہ ہونے کے قطعیت سے اس کا تعلق نہیں جس کا وہ خود بھی اقرار

کرتے رہتے ہیں، البتہ رصدگاہ والوں کی اس تردید کے باوجود حرمین شریفین کی مرکزی ہلال کمیٹی نے نبوی موقف وفارمولہ کے مطابق رویت کی شہادتوں پر شوال کی یکم کا اعلان کیا اور ۲۹ جنوری کو سعودیہ سمیت اہل برطانیہ ویورپ نے عیدالفطر منائی ، بہرحال ہمیں احکامات کے نصوص کو اپنی مرضی کے مطابق بنانے کی کوشش نہیں کرنی چاہئے اسلام میں جو فتنے برپا ہوئے وہ اسی آزادی کی بنیاد پر اُٹھائے گئے ہیں ہمیں اپنی ذات ونفس کو اسلام اور آپ ﷺ کے حوالہ کردینا چاہئے۔

حضرت مولانا یوسف بنوریؒ ''اپنی عقل ورائے پر اعتماد اور اسکا نتیجہ'' کے عنوان کے ماتحت فرماتے ہیں؛ علومِ نبوت کی غرض وغایت ہدایت وارشاد اور مخلوقِ خدا کی رہنمائی ہے اس لئے شیطانِ لعین کی عداوت کا سخت خطرہ ہوتا ہے۔۔وہ اپنی شرارت کے لئے بے تاب ہوتا ہے مختلف وسائل سے اپنی پوری طاقت صرف کرتا ہے کہ کس طرح یہ رشدوہدایت ضلالت میں تبدیل ہوجائے! اس کا سب سے بڑا کارنامہ تلبیس ہوتا ہے۔۔انسانی فطرت میں کبروعجب ہے ریاکاری وحُبِّ شُہرت ہے، دنیا کی علمی تاریخ کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ حقیقت بالکل واضح ہوجاتی ہے کہ ''جتنے فتنے پیدا ہوئے ہیں سب **اذکیاء** اور **عُقلاء** حضرات کے ذریعہ سے وجود میں آئے اور علمی دور میں اکثر فتنے علم کے راستہ سے آئے ہیں۔۔بہت سے اپنی **شِدّتِ ذکاوت** کی وجہ سے جمہورامت سے شذوذ اختیار کرکے غلط افکار ونظریات کا شکار ہوگئے اور وہاں زیادہ تر یہی حقیقت کارفرما رہی کہ **اپنے تبحّرِ علمی وذکاوت پر اعتماد** سے علمی کبر اور اعجاب بالرّائے کے مرض میں مبتلاء ہوئے الخ (دورِحاضر کے فتنے اور انکا علاج ص ۶۳)

اسی قسم کی ذہنیت سے مجبور، سوءِ عاقبت سے بے نیاز، بعض کو علمائے برطانیہ کا یہ اجلاسِ عام اور اس کے متفقہ فیصلے راس نہ آئے اور جھوٹے پروپیگنڈہ سے اکسائے ہوئے خالی اذہان کی غلط بیانی پر مبنی جھوٹے اشتہار سے انا کو تسکین پہونچائی گئی! اللہ مجھے اور علمائے اُمت وتمام کو اس قسم کی آزمائش وابتلا سے محفوظ رکھے۔آمین

سورہ نساء کی آیت ۶۵ فَلاوَرَبِّکَ لایُؤمِنُونَ حَتّٰی یُحَکِّمُوکَ فِیمَا شَجَرَ بَینَھُم ثُمّ لایجدوا فی انفُسھم حرجاً ممّا قضیت ویسلّموا تسلیما میں خاص انداز میں تنبیہ کی گئی ہے۔جب آپ ﷺ کے ذریعہ ایک حکم نازل ہوچکا تو اب اس میں اپنی مرضی سے اعذار بنا کر اطاعت کے بجائے اس کی نافرمانی کرنا اس آیت کے مصداق کیوں نہیں؟!۔

جنرل نوٹ؛ (۱) کتاب میں اس( ) بریکیٹ کی عبارات مرتّب کی ہیں (۲) فتاویٰ کی عبارات بعینہٖ مفتی حضرات کی ہیں (۳) فتاویٰ کی تعداد نمبرات میں وہ فتاویٰ بھی شامل ہیں جو ہمارے مسئولہ نہیں ہیں البتہ ایسے فتاویٰ کی بریکیٹ نمبر علامت یہ ((۔)) ہے (۴) ہمارے مسئولہ سوال کے جوابی فتاویٰ کا نمبر بریکیٹ نشان یہ ﴿ ﴾ ہے

وما علینا الاّ البلاغ وآخرُ دعوینا اَنِ الحمد للہ ربِ العٰلمین وصلیّ اللہ علی النبی الکریم الامی وعلیٰ آلہٖ وصحبہٖ ومن تبعہ الیٰ یوم الدّین

مولوی یعقوب احمد مفتاحی

ناظم حزب العلماء یوکے ومرکزی رویت ہلال کمیٹی برطانیہ

مورخہ یکم رمضان المبارک ۱۴۲۳ھ مطابق ۶ نومبر ۲۰۰۲ء بروز سہ شنبہ

نوٹ؛۔ کتاب کے اخیر میں ہمارے سال بھر کے مشاہداتی فاصلوں کا نقشہ موجود ہے

بسم اللّٰہ الرّحمٰن الرّحیم

نحمدہ ونُصلّی علیٰ رسولہ الکریم وعلیٰ آلہ واصحابہ ومن تَبعہ اِلیٰ یوم الدّین

ارشادِ باری تعالیٰ

قال اللّٰہ عزوجل؛ وکلوا واشربوا حتیی یتبیّن لکم الخیط الابیض من الخیط الاسود من الفجر (س ۲/۱۸۷) اِنّ الصّلوٰۃ کانت علی المُؤمنین کتاباً مّوقُوتا (النّساء ۱۰۳) بے شک نماز ”مُعیّن وقت“ پر مؤمنوں پر فرض ہے

وقال النبی ﷺ؛ عن عثمان بن ابی روّادٍ اخی عبد العزیز قال سمعت الزُّھری یقول دخلت علیٰ انس ابن مالک بدمشق وھو یبکی فقلت ما یبکیک فقال لا اعرف شیئاً مماّ ادرکت الاّ ھٰذہ الصّلوٰۃ وھٰذہ الصّلوٰۃ قد ضُیِّعت (رواہ البخاری فی باب تضییع الصّلوٰۃ عن وقتھا)

ترجمہ: عثمان ابن ابی روّاد نے زُہری سے سنا وہ فرما رہے ہیں کہ میں حضرت انس ابن مالکؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اُسوقت آپ رو رہے تھے میں نے عرض کیا کہ آپ کیوں رو رہے ہیں؟ فرمایا کہ نبی اکرم ﷺ کے زمانہ کی کوئی چیز اس نماز کے علاوہ اب نہیں پاتا اور اس کو بھی ضائع کیا جا رہا ہے!

فائدہ: مذکورہ حدیث میں حضرت انسؓ کا نماز کے ضائع ہونے سے مراد اس کو بے وقت پڑھنا تھا جیسے کہ امام بخاریؒ نے اس حدیث کا باب بھی یہی باندھا ہے نیز دوسری روایات سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ ظہر کی نماز کو بے وقت پڑھی

برطانیہ میں عشاء

جانے پر حضرت انس ابن مالکؓ نے یہ بات فرمائی تھی۔

نماز کا نام ہمارے سامنے آتا ہے تو فوراً ہمارا ذہن نبی کریم ﷺ وصحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی طرف چلا جاتا ہے کہ آپ ﷺ اور صحابہؓ کو نمازوں کے اوقاتِ مُعیّنہ کس طرح معلوم ہوتے تھے؟!

احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے نزدیک اِن اوقاتِ نماز کی تعیین کے لئے جو ذرائعِ معمولات تھے (جیسے کہ حدیثِ جبرئیل واحادیث میں وضاحت ہے) وہ اس طرح سے تھے، مثلاً: سورج کے زوال سے ظہر کا وقت پھر عصر کے وقت کی تعیین سورج کی روشنی سے پڑنے والے کسی چیز کے سایہ کو انسانی قدم وغیرہ کے پیمائشی انداز کے مشاہدہ سے ہوتی تھی اور فجر وعشاء کی نمازوں کے اوقات افق پر صبحِ صادق کی روشنی کی ابتداء اور شفق کی روشنی کی انتہاء کے مشاہدہ واندازہ سے معلوم ہوتے تھے جبکہ مغرب کی نماز کا وقت سورج کے غروب ہو جانے کے مشاہدہ واندازہ سے معلوم ہوتا تھا۔

نمازوں کے اوقات کی بنیاد اور اس کی معلومات

نمازوں کے اوقات کا مدار سورج کی گردش پر ہے جیسے اسلامی مہینہ کی ابتداء کا مدار چاند کی گردش پر ہے، فقہائے اُمّت نے اِنہی حسابِ منقولہ مرویہ سے یہ مسئلہ

بتلایا ہے کہ نمازوں کے اوقات کی تعیین کے لئے بعینہ سورج کو ہر نماز کے وقتِ معیّن پر اُسے اس کی موجودگی کی جگہ دیکھنا ضروری نہیں برخلاف اسلامی تاریخ کے تعیّن کے کیونکہ اس کے لئے ہلال کو بعینہ ۲۹ قمری کی شام دیکھنے کی کوشش کرنا ضروری ہے اوراس کی رُویتِ عینی نہ ہونے پر ہی ۳۰ دن کی مُدّت کے اُختام پر نیا مہینہ شروع ہوگا۔

پھر یہ بھی ظاہر ہے کہ دن میں سورج کو دیکھنا تو ممکن مگر صرف اس کے مشاہدہ سے یہ اوقات معلوم نہ ہوں گے بلکہ ظہر وعصر کے لئے زوال اور مثل ومثلین کی تعیین کو سورج کا آسمان میں اِن معیّن جگہوں کی حد پر (بتکلُّف) دِکھائی دینے کے باوجود اس کی روشنی سے کسی چیز کے سایہ کے انداز و پیمائیش کے مشاہدے کے بغیر ان اوقات کی تعیین ممکن نہیں!،

مستزاد یہ کہ رات کو تو عشاء وفجر کے اوقات کی معلومات کے لئے سورج کو اِن نمازوں کے اوقاتِ معیّن پر اس کی موجودگی کی جگہ پر دیکھے جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا (کیونکہ سورج کو تو رات نے دھانپ لیا ہے) اس لئے سورج کے بجائے اس سے منعکس ہونے والی فجرین وشفقین کی روشنیوں کی ابتداء وانتہاء (کے مشاہدہ کے اندازہ) سے ہی رات کی اِن نمازوں کے مشروع اوقات معلوم ہوں گے۔

مطلب یہ ہے کہ نمازوں کیا وقاتِ معیّنہ پر سورج کے وہاں ہونے پر دلالت کرنے والے ذرائع ہی سے سورج کا ان نمازوں کے اوقات کی جگہ میں موجود

ہونا ثابت ہوگا مثلاً سورج کے طلوع وغروب ہوکر درمیانی وقت میں اس کی گردِش سے زمین پر پڑنے والے چیزوں کے سایوں اور آسمان کے زمین سے ملے ہوئے مشرقی ومغربی کناروں واُفق پر روشنی کے اثرات وغیرہ حالات ہی کی معلومات (مشاہدات واندازہ) سے اور سورج کے غروب ہونے پر دلالت کرنے والی حالت و روشنی سے نمازوں کے ان اوقات کی معیّن جگہ میں اور غروب وطلوع ہونے کے وقت کی معیّن جگہ میں اس کی موجودگی کا فیصلہ ہوگا کہ وہ اِس وقت غروب ہوا اور اب مغرب کی نماز کا وقت ہوگیا (یا طلوع ہوا)!

مطلب یہ ضروری نہیں کہ اوقاتِ نماز کے معیّن وقت پر اور سورج کے طلوع وغروب ہوتے وقت بعینہ سورج کو دیکھے تو یہ اوقات ثابت ہوں ورنہ نہیں! ہاں یہ الگ بات ہے کہ ناظِر کو دن کے وقت سورج بذاتِ خود دکھائی دیوے اور اس کا طلوع وغروب بھی نظر آئے!

فلکیات اور چھٹی صدی عیسوی وخلفائے راشدین

تاریخ کا طالب علم اس بات سے واقف ہے کہ آپ ﷺ سے بھی ڈیڑھ ہزار سال سے زیادہ عرصہ پہلے سے انسانی کاوِشیں اس پر جاری تھیں حتیٰ کہ آپ ﷺ کے زمانہ میں بھی شام یونان چین فارس اور ہند اِس علم کے گھوارے تھے اور خود یہودِ مدینہ بھی اس سے واقف تھے مگر آپ ﷺ نے اِسے اہمیت نہ دی!

جس قسم کی باتیں اس علم کے حوالہ سے کہی جارہی ہیں اگر یہ علم اتنا ہی ضروری ہوتا تو یقیناً آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ اِس سے اُمی نہ رکھتا، نہ ہی آپ ﷺ بذاتِ خود اُس کے حصول کے اسباب مہیاّ ہونے کے باوجود دُر کے رہتے اور نہ ہی صحابہؓ کو اس سے حدیثِ امی سے روکتے! نہ ہی اللہ تبارک وتعالیٰ سبحٰنہ وتعالیٰ صحابہ کے سوال کے توجیہی جواب سے اعراض فرماتے! حالانکہ غیر مسلموں سے علمی واقفیت و تعلیم کے حصول کے لئے شرعاً کوئی چیز مانع بھی نہ تھی بلکہ بدر کے پڑھے لکھے مشرِک قیدیوں کی رہائی ہی اَنپڑھ مسلموں کو لکھنا پڑھنا سکھانے پر موقوف تھی۔

پھر صحابہؓ کے زمانہ کو دیکھتے ہیں تو خاص کر ملکِ فارس تو حضرت عمر فاروقؓ کے ہاتھوں تابع ہو چکا تھا جہاں شام کے جُندی صابور (یا جندی شاپور) ''نسطوری عیسائیوں'' کی رصدگاہ اور یونیورسیٹی جو تاریخ کا حصّہ ہے موجود تھی، اور خود سابور شہر بھی حضرت عثمان غنیؓ کی خلافت میں فتح ہو چکا تھا۔ (یاد رہے کہ **جندی سابور** ایران کے صوبے خوزیستان کا ایک شہر ہے، یونانی میں اِسے Beth Lapat 'بیتھ لاپات' کہا جاتا تھا جو بدل کر ایرانی زبان میں ''بیل آباد'' کے نام سے بدل گیا ہے اور جسے حضرت موسیٰ اشعریؓ نے ۶۳۸ء میں دیکھا بھی ہے۔

نیز آپ ﷺ کے زمانہ کا مشہور طبیب حارث بن قلدہ (جو مدینہ آبسا تھا) اسی کالیج کا فارغ التحصیل تھا، اس کا ایک واقعہ ہے کہ جب حضرت سعد بن ابی وقاصؓ بیمار ہوئے اور آپ ﷺ بیمار پرسی کو تشریف لائے تو اپنا ہاتھ حضرت سعدؓ کے سینہ پر رکھا تو ہارٹ اٹیک ہونے کا بتلا کر فرمایا کہ سعد کو حارث بن قلدہ کے پاس لے جاؤ کیونکہ وہ ایک حاذق حکیم ہے! اسے چاہیئے کہ وہ سعد کو مدینہ کی سات عدد کھجور کوٹ پیس کر کھلائے (ابوداؤد)

فارس کی طرح مصر کا اِسکندریہ اور اس کے کتب خانہ پر بھی آپؓ کے ہاتھوں قبضہ ہو چُکا تھا جہاں یونانی کتب کا بہت بڑا ذخیرہ تھا مگر نہ تو آپنے اس پر

کوئی توجّہ دی اور نہ ہی یہاں کے اِن فلکیاتی ماہرین کو مدینہ میں جمع کیا تا کہ آپؓ مسلمانوں کی کم از کم نماز روزوں کے اوقات کی تعیین کی ضرورت کا مسئلہ ہی حل فرماتے اور اُمت کی اُمیت ختم فرمادیتے! بلکہ اس کے برخلاف آپؓ کی طرف سے حضرات عمرو بن العاصؓ و سعد ابن ابی وقاّصؓ کے استفسار کے جواب پر فرمایا کہ ''ہمارے پاس اس سے زیادہ ہدایت والی کتاب قرآنِ عزیز موجود ہے اور اگر اسمیں گمراہی ہے تو اس سے ہمیں نجات ہوگی'' اِن کتب کے ذخیرہ کو مدینہ بھیجنے کے بجائے تلف کر دیا گیا، البتّہ اہلِ روم وقسطنطنیہ والوں کا ذخیرہ بچ گیا۔

مزید دیکھئے کہ عباسی خلیفہ مامون رشید جو علمائے دین سے سخت نفرت کرتا تھا اور جس کے ہاتھ امام احمد بن حنبلؒ کی تذلیل اور ان کو کوڑے مروانے سے رنگے ہوئے ہیں جیسے کہ اِسی نے آپؒ کو جیل میں ڈالا تھا! اس نے یونانی کتب کے عربی میں تراجم کروائے جس میں مصری فلسفی بطلیموس مصری (پ، ۱۰۹ء) کی مشہور کتاب ''مجیسطی'' بھی شامل تھی، بطلیموس نے ۱۲۷ء سے ۱۵۱ء تک اس کی تیرہ جلدیں اسکندریہ میں رہتے ہوئے لکھیں۔

بہر حال یہ تاریخی حقیقت اس بات پر کھلی دلیل ہے کہ یہ اور اس قسم کی کتابیں آپ ﷺ سے پہلے والوں کی لکھی ہوئی تھیں! تاریخ سے ناواقف ہی ان حقیقتوں کا اِنکار کرے گا کہ آپ ﷺ کے زمانہ میں یا اس سے پہلے یہ علم نہیں تھا!۔

مفتی شفیع صاحبؒ فرماتے ہیں؛۔دنیا کی تاریخ پر نظر رکھنے والوں سے یہ بات مخفی نہیں کہ ریاضی کے یہ فنون آنحضرتﷺ کے عہدِ مبارک سے بہت پہلے دنیا میں رائج تھے اور خود آنحضرتﷺ کے عہدِ مبارک میں مصروشام اور ہندوستان میں رصدگاہیں قائم تھیں ان چیزوں کے معاملہ میں نہایت صحیح پیمانے پر پیش گوئیاں کیجاسکتی تھیں اور خلافتِ راشدہ کے دوسرے دور یعنی فاروق اعظم کے زمانہ میں تو مصروشام اسلام کے زیرِ نگیں آچکے تھے،

ہرفن کے ماہرین موجود تھے (رویتِ ہلال ص ۲۱) مزید فرمایا؛اگر بالفرض عہدِ رسالت میں ایسے آلات کی کمیابی اس حکم کا سبب ہوتی تو فاروق جیسا دانشمند امام کب اس کو گوارا کرتا کہ مجبوری اور نایابی کے سبب جو حکم دیا گیا تھا اس کو آج بھی باقی رکھے! مگر تاریخِ اسلام شاہد ہے کہ پورے خلافتِ راشدہ اور اس کے مابعد تمام عالمِ اسلام میں ہی اصول مانا گیا اور اسی پر عمل پیہم رہا (ایضاً ۲۰) اھ

بہرحال نماز روزوں کے اوقات کے نام سے جو باتیں فلکیاتی مفروضہ حسابات کے مدِّ نظر لوگوں میں جس طرح دین میں فساد کے لئے پھیلائی جارہی ہیں جب اسے اور مذکورہ تفصیل کو سامنے رکھا جائے تو نعوذ باللہ اس تنقید و الزام کی زَد تو براہِ راست صاحبِ شریعتﷺ اور مابعد خلفائے راشدین کے اوپر ہی پڑتی ہے کہ نعوذ باللہ آپﷺ وصحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اُمّت کو اِس علم سے باز رکھا!

نیز یہ الزام بھی لازم آتا ہے کہ نعوذ باللہ آپﷺ کا حدیثِ اُمی والا قول قرآنی وحی وما ینطق عن الھویٰ اِن ھو اِلاّ وحی یوحی (النجم ۳،۴) کی نص کے بھی نہ صرف متعارض وخلاف ہوا بلکہ مذکورہ الزام آپﷺ کی طرح نعوذ باللہ بذاتِ خود اللہ تعالیٰ پر بھی ضمناً آگیا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فرمان یسئلونک عن الاھلّۃ قل ھی مواقیت للنّاس والحج میں (اس کے شانِ نزول کے حوالہ سے صحابہؓ کے سوال کا) بعینہٖ جواب سوال کے مطابق نہ دیا! (تفصیل آگے آرہی ہے) کیا اسطرح کے غیر شرعی کردار سے ہماری آخرت کی بربادی نہیں ہوتی؟! نعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیّئاتِ اعمالنا

سائنس اور اسلام

اسلام نے سائنس سے انسانی بھلائی کے فوائد حاصل کرنے سے قطعاً منع نہیں کیا اور نہ ہی علمائے دین نے کبھی منع کیا، اگر ایسا ہوتا تو پچھلی صدیوں میں مسلمان ماہرین نے انسان کی دنیوی بہبود اور مفادات کے لئے جو کام کئے انہیں ہرگز نہ ہونے دیتے! کیونکہ علمائے دین نے منع نہیں کیا تھا!

افسوس صد افسوس! پچھلی تین صدیوں کے عیّاش سلاطین نے اس قیمتی سرمایہ کو پسِ پشت ڈالا اور آج یورپین طاقتیں علماء وسائنسدانوں کی انہی محنتوں کے بل بوطے پر انسان کی دنیوی بہبود کی ترقی سے مسلمانوں سمیت دنیا پر اپنی دھاک بٹھائے ہوئے ہیں۔

علمائے دین کے خلاف اَیسی باتیں دینی نصوص اس کے احکام میں تبدیلی کی سوچ رکھنے والے اور دین میں بگاڑ پیدا کرنے والے ہی اپنے مذموم مقاصد کی تکمیل کے لئے علماء کی طرف منسوب کرتے ہیں تاکہ وہ اُن پر اس طرح دباؤ ڈال کر دین کو اپنی مرضیات کے تابع کرائے! دراصل دین کے یہ وہ بدخواہ ہیں جو اپنے اندر پیغمبر ﷺ پر نازل شدہ وحی اور فرامینِ الٰہی کے برخلاف ''**عقل و فلسفیوں کی تقلید**'' کی سوچ اور ان سے گہری وابستگی رکھتے ہیں مگر بظاہر خود کو آپ ﷺ وصحابہؓ کی تقلید کے جھوٹے دعویٰ بھی کرتے ہیں!

اس طرح نصوص ودین کو ''عقل کے ترازو پر تولنے والے'' یہ عوام کو اپنی طرف متوجہ کر کے دین میں بگاڑ پیدا کرنے کے مشن کا کام کرتے ہیں! مسلمانوں کو ایسوں سے ہوشیار رہنا چاہیئے جو اس طرح علماءِ دین کے خلاف بدگمانیاں پھیلاتے ہیں تاکہ ان کا اپنا شیطانی مِشن پورا ہو!

اسلام نے انسان کو ''دینی احکامات ومعاملات'' چھوڑ کر اس کی دنیوی مصلحتوں کو اسی کے تابع رکھا ہے جس کی مثال انسان کی نہ صرف دینی بہبود بلکہ دنیوی بہبود دونوں کے لئے رحمۃ للعلمین بن کر آنے والے اللہ کے آخری پیغمبر ﷺ نے خود اپنے زندگی بھر کے اپنے قوال واعمال ہیں، مثلاً:۔

''ایک مرتبہ کھجور کے پَودے جنھیں صحابہ کرامؓ اپنے مجرب اور ''مئوبّر'' طریقہ

کے مطابق بو رہے تھے تو آپ ﷺ نے ایسا کرنے سے منع کر دیا تو انہوں نے اپنے مجرّب طریقہ کے برخلاف کاشت کیے مگر اس وجہ سے پھل نہ آئے! جب آپ ﷺ کو پتہ چلا تو آپ نے صحابہؓ کو اپنے تجربات پر بونے کا کہتے ہوئے یہ فرمایا:۔ ''تم اپنی دنیوی ضروریات مجھ سے بہتر طور پر جانتے ہو، جب میں اپنی رائے سے کوئی بات (دنیوی بہبود کے حوالہ سے) کہوں اور اس میں نقصان ہو تو یہ ایک انسانی چُوک ہے کہ میں بھی انسان ہوں (لہٰذا تم اسی طرح کرو جیسا تمہارا تجربہ وتحقیق ہے، انسان جب اپنی سوچ وتحقیق کے مطابق کوئی کام کرتا ہے تو اس میں فائدہ بھی ہوتا ہے اور نقصان بھی مگر یاد رہے کہ) جب میں کسی ''دینی کام'' کا حکم کروں تو اُس پر ضرور عمل کرو (**چاہے یہ کام عقل، سائنس اور فلسفیوں کی سوچ وتحقیق کے خلاف ہی کیوں ہو**)۔

یہی وجہ ہے کہ انسان کی دنیوی بہبود کے لئے سائنسی تحقیقات کی دین میں ممانعت نہیں مگر سائنسی تحقیق کی بنیاد پر دینی احکام میں سائنس کی مداخلت کا علمائے دین وفقہاء نے بھرپور رد کیا جیسے آپ ﷺ نے فرمایا اور آج بھی کر رہے ہیں (اور قیامت تک یہ سلسلہ چلتا رہے گا کہ اللہ نے خود دین کی حفاظت کا اعلان کیا ہے وانّا لہ لحفظون) مگر اس سے نادانوں اور خاص کر دین کے دشمنوں نے ''علمائے دین پر'' سائنس سے دشمنی کا الزام لگا دیا'' اور یہ بھی نہ دیکھا کہ اس طرح تو وہ علمائے دین کے بجائے خود شارع علیہ السلام پر وار کر رہے ہیں!

اسلام دوست نما جاہلوں نے علمائے دن کو پاپائے روم اور عیسائی پادریوں سے مشابہ گردانا! نعوذ باللہ، کیا وہ اس طرح تجاہلِ عارفانہ کا مظاہرہ نہیں کر رہے؟ اور خود بھی اپنے ہی پاؤں پر کلہاڑی کا وار نہیں کرنے کے مصداق نہیں جبکہ وہ خود بھی تو مبلغِ دین کی ٹوپی پہنے اس کی چادر اوڑھے ہوئے ہیں؟!

کیا ان کے سامنے یہ حقیقت نہیں کہ مطلقاً علمائے دین سے بیزاری کی ہوائیں چلانے والوں کے لئے ہمارے اِن بھائیوں کی غلط روش ان کے لئے تائید نہیں؟ جو ایک طرف تو وہ ہمارے اسلاف و پیچھے گزرے دینی علمائے حقّہ پر خیر القرون کے بعد کی مسلم حکومتوں کے مظالم میں شریک ہونے کا طعنہ والزام لگائے گالیاں دئے چلے جاتے ہیں اور دوسری طرف یہی دین بیزار مطلقاً علمائے دین کو ''پاپائیت'' کے نام پر گالیاں دینے کو کارِ ثواب سمجھے ہوئے ہیں! یہ کون ہیں اور ان کا مِشن کیا ہے ہمارے ان بھائیوں نے گہری نظر کبھی سوچا؟!

اگر واقعی علمائے دین پاپا بنے ہوئے تھے یا ہیں تو اسلامی تاریخ میں ہمیں تو کہیں بھی اہلِ سنت والجماعت علماء کی پاپائیت نظر نہیں آتی بلکہ تاریخ گواہ ہے کہ حق اور دین کی بات کرنے والے علماء تب سے اب تک نہ صرف حکومتوں کے بلکہ ان کی اسلام دشمن مشنری کے پروپیگنڈے سے یہ اپنوں ہی کے نشانہ بنے ہوئے صاف دِکھائی دیتے ہیں تو پھر ہم منصبوں کا اپنے بھائیوں ہی کے خلاف محاذ بنا کر دین بیزاروں کے ہاتھ پیر بننا سمجھ سے بالاتر ہے!

اہلِ سنت والجماعت اور پاپائیت

جو بات حق ہو اسے ہرگز جھٹلایا نہیں جا سکتا! پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی خود اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان عیسائی پادریوں اور بشپس کے متعلق ببانگِ دہل اپنے کلام میں ان کی بھرپور تعریف کرتے ہوئے فرمایا؛. لتجدن اقربھم مودۃ للذین آمنوا الذین قالوا انا نصاری ،ذٰلک بان منھم قسیسین ورھبانا وھم لایستکبرون واذاسمعوا ماانزل الی الرسول تریٰ اعینھم تفیض من الدمع مما عرفوا من الحق (س۵،آیت۸۲۔۸۳) پہلی آیت میں خود اللہ تبارک وتعالیٰ بعض عیسائی علماء و پادریوں کو نیک کہتے ہیں اور ان کی عبادت، گوشہ نشینی، ان کی بردباری اور تکبّر کے برخلاف انکساری کی خصوصیات کی گواہی دیرہے ہیں اور دوسری آیت میں حبشہ کے مہاجرین کو نجاشی بادشاہ اصحمہ نے دربار میں بلا کر اپنے تمام پادریوں کے روبرو قریشِ مکہ کے وفد کے مقابل کھڑا کیا اور ابوطالب کے مہاجر بیٹے حضرت جعفرؓ سے قرآن سنانے کو جو کہا تھا جس پر آپؓ نے سورہ مریم کی تلاوت کی تو خود بادشاہ اور وہاں موجود عیسائی علماء کی آنکھوں سے آنسوں جاری ہوگئے جس کا بیان دوسری آیت میں ہے، البتہ ذیل میں ہم جن کا حوالہ دیرہے ہیں وہ ان آیات کے مصداق نہیں کہ انہوں نے اسلام و مسلم دشمنی میں کوئی کسر باقی نہ چھوڑی اور یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ دوسری جگہ یہود ونصاریٰ سے دلی دوستی کا منع کرتے ہوئے فرماتے ہیں؛۔یٰایّھا الذین آمنوا لاتتّخِذوا الیھود والنّصاریٰ اولیاء بعضھم اولیاء بعض (س۵،آیت۵۱) کہ دونوں ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہیں جیسے آج بھی ہمارے سامنے قرآنی یہ حقیقت واضح طور پر القدس وغیرہ میں کھلے عام موجود ہے۔

قرآن کی اس گواہی کی بنیاد پر دیکھئے کہ یہ وہی پاپا ہیں جن کے چنگل سے یورپ نے آزاد ہو کر سائنسی ترقی میں اپنا لوہا منوایا جبکہ ان پاپاؤں کی بہ نسبت علمائے دینِ اسلام نے نہ تو دنیائے انسانیت کی بہبود پر سائنسی تحقیقات و کاموں سے روکا اور ان پاپاؤں کی طرح انہوں نے نہ ہی حکومت کی !اس کے برعکس پاپائے روم کے حاکمانہ مظالم اور جبر و استبداد سے نہ صرف یورپین اقوام کی بلکہ مجموعی طور پر انسانیت کی جو تذلیل کی جاتی رہی اس کا اثر بالآخر پچھلی تین صدیوں سے اہلِ یورپ کی ''مذہبی بغاوت'' پر منتج ہوا جو ان کی ''نجات'' کا ذریعہ بنا!،

اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسان کو مخلوقات میں اشرف بنا کر دوسروں کے مقابل اس کی بزرگی کو ''انّ اکرمکم عنداللہ اتقاکم (اللہ کے نزدیک انسانوں میں افضل وہ ہے جو سب سے زیادہ ''اس سے'' ڈرنے والا ہے۔س۴۹،آیت۱۳) البتہ **معصومیت** کے ناطے آسمانی تقدّس اگر کسی کو حاصل ہے تو وہ صرف انبیاء و ختم المرسلین علیہم الصلوٰۃ والسلام ہی کو حاصل ہے، مگر اہلِ کتاب نے اپنے تئیں اس میں اضافہ کیا اور انبیاء کے علاوہ اپنے بزرگوں کو بھی معصومیت و تقدیس کا تاج پہنا دیا!

یاد رہے کہ انبیاء کو یہ مرتبہ حاصل ہونے کے باوجود خالق اور مخلوق ہونے کے ناطے انبیاء تک بھی اللہ کی احکام کی پابندی سے فارغ نہیں کئے گئے بلکہ عام انسانوں کی بہ نسبت ان پر مزید ذمہ داری مالک کی طرف سے عائد کی گئی مگر انبیاء

کو ماننے والوں نے اللہ اور ان کے درمیان تقدیس کے پردہ کو چاق کر دیا جس کی واضح مثال یہود و نصاریٰ کے اعمال ہیں جو اللہ کی مقرّر کردہ حدود کو تجاوز کر کے اپنے بزرگوں و پادریوں کو بھی انبیاء کے مرتبہ پر لے گئے !اسی ضمن میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں یاایّھاالذین آمنوا لاتغلوا فی دینکم غیر الحق و لاتتّبعوا اھواء قوم قد ضلوّا من قبل و اضلوّا کثیراً و اضلّوا عن سواء السبیل (س ۵ آیت ۷۷)

اس آیت میں اللہ تبارک وتعالیٰ مسلمانوں کو بھی متوجہ کرتے ہوئے اپنے حبیب ﷺ کی زبانِ وحی سے تعلیم دی کہ تم بھی اہلِ کتاب نے جو غلو کیا ویسا نہ کرنا کہ اس طرح کر کے وہ خود بھی گمراہ ہوئے اور بہت سوں کو گمراہ کیا اور صحیح راستہ سے بھٹک گئے جیسے یہود و نصاریٰ نے تقدیس و بزرگی کے نام پر الوہیت کی صفات کی تقدیس سے انبیاء کو متّصف کر دیا تھا اور انہیں اللہ کا بیٹا، اللہ یا اس کا اوتار بنا دیا تھا!

پیغمبر عذیر و موسیٰ و عیسیٰ علیہم الصلوٰۃ والسلام کے امتیوں نے خاص کر ان کے عالموں اور پادریوں نے نہ صرف اللہ پر بلکہ خود اپنے انبیاء پر الوہیت اور اللہ کی نسل و بیٹا ہونے کا جھوٹ باندھا یہاں تک کہ وہ خود کو بھی معصوم و انبیاء کے مثل مقدّس ظاہر کرنے لگے اور اپنی قوم کو بھی باطل و گمراہ عقیدہ پر لے گئے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ '' وہ اپنے دین کے خود مالک بن گئے'' کہ جو تبدیلی اس میں کرنی ہو

!کریں جیسے کہ انہوں نے کیا اور گمراہ ہوئے! یہی بات مذکورہ آیت سے واضح کر کے مسلمانوں کو بھی اس سے باز رہنے کی تاکید کی گئی!

افسوس کہ اہلِ تشیّع نے وہی راستہ اختیار کیا جس پر چلنے سے اللہ نے اپنے آخری نبی کی زبان سے مسلمانوں کو روکا تھا! انہوں نے یہود و نصاریٰ کی طرح انبیائی مراتب خاص کر آپ ﷺ کے وحیانہ مرتبہ کو اپنے مذہبی پیشواؤں و اماموں کو بھی دیدیا (جیسے یہود و نصاریٰ کے ائمہ نے اپنے حق میں کیا تھا) اور امامت کے رتبہ کی علوِّیت اور اس کے فتوے کو کلام اللہ اور خاتم الانبیاء کے اقوال و اعمال و احادیث سے بھی برتر قرار دیدیا! جس کا سبق نہ تو حضرت علی نے نہ ہی بی بی فاطمہ اور حسنین رضوان اللہ علیہم اجمعین نے دیا تھا اور نہ ہی شارع علیہ السلام نے دیا تھا! اہلِ تشیّع کے مثل اگر کوئی اسلام میں بھی اس طرح کی ''پاپائیت'' کے جواز کا کہتا ہے تو یہ منکرینِ ختمِ نبوّت کی طرح کذّاب و جھوٹا ہے، ساتھ ہی بڑے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ اسلام اور آلِ رسول کے نام پر یہود و نصاریٰ کے مانند اہلِ تشیّع کی عقیدت کا اثر مسلمانوں میں بھی سرایت کر گیا جس سے بعض اہلِ سنت بھی اپنے بزرگوں کے لئے ایسی ''کفریہ'' عقیدت میں شریک ہو گئے! اس طرح سلام کے نام لیواؤں کی آنکھوں نے آپ ﷺ کی روشنی و نورِ نبوّت سے کلام اللہ کو سمجھنے کی کوشش ہی نہ کی! انا اللہ و انا الیہ راجعون،

بہر حال پاپاؤں نے انبیائی مراتب کو اپنی جھولی میں ڈالکر قوم کو جس گمراہی میں ڈالا تھا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ''وہ قوم کی قسمت اور ان کے دین و دنیا کے مالک بن گئے!''، ہم جب چرچ و پاپائیت کے نام پر جو مظالم ڈھائے گئے اس کی تاریخ اٹھا کر دیکھتے ہیں تو رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں خاص کر جب ۱۰۹۵ء میں پوپ اربن دوم نے فرانس کے کلرمونٹ (Calermont) سے ''صلیب'' کی تقدیس

کے نام پر ''بیت المقدّس'' پر سے مسلمانوں کے قبضہ کو چھڑانے کے حوالہ سے مقدّس جنگ کے نام پر اس کا اعلان کرتے ہوئے دو سو سال تک جاری رہے! خاص کر جب وہ ایک صدی بعد القدس پر قابض ہوئے تو نہ صرف مسلمانوں بلکہ یہودیوں سمیت مرد، عورتیں بچوں تک کو دردناک عذاب دے کر قتل کیا اس طرح القدس کی گلیوں میں وہ اپنے ہی خون کے تالاب میں ڈبو دئے گئے!

صرف یہی نہیں بلکہ انہوں نے یورپ سے القدس تک کی راہ میں آنے والے خود اپنے ہی مذہبی بھائیوں بہنوں کو بھی بے دردی سے تہِ تیغ کیا حتّیٰ کہ ان کے بیوی بچے خاص کر نوجوان بیٹے بیٹیاں حوس کا نشانہ بنائے گئے اور اپنے اس گناہ کو چھپانے کے لئے وہ قتل کر دئے گئے!

چرچ و صلیب کی تقدیس کے نام پر اب تک تو پاپا اور بادشاہ ایک دوسرے کے پاؤں مضبوط کر کے دونوں اپنی ملی بھگت سے یہ مظالم جاری رکھے ہوئے تھے (انہی کی دیکھا دیکھی مسلم بادشاہوں نے بھی یہ طریقہ اپنایا تھا اور مذہب کے نام پر ایسے لوگ پال رکھے تھے جو بادشاہ کی مرضی کے خلاف فتویٰ دینے والوں کے خلاف فتویٰ دیکر انہیں جلّاد کے سپرد کرواتے تھے تاکہ یا تو وہ اس کی تائید کر دے یا پھر موت کے منہ میں چلا جائے)،

مگر اب یہ پاپا بادشاہوں پر بھی بھاری ہو گئے اور مذہب کے نام پر حکمرانی کو قانونی جواز کا درجہ دینے کے لئے ۱۲۳۱ء میں ''پوپ گریگری نہم'' نے خود چرچ

عدالتوں کے قیام کا باقاعدہ اعلان کردیا! اگر واقعی یہ اپنے مذہب میں مخلص ہوتے اور اس سے تورات کے قوانین پر خالصۃً عمل کرتے تب تک تو بات ٹھیک ہوتی مگر مذہب تو صرف نام کی ایک چادر تھی جسے یہ اوڑھے ہوئے تھے جبکہ اس مقدّس چادر کے نیچے شیطانی چہرے ''بزرگی اور باپ'' کے نام پر چھپے ہوئے تھے!

انہوں نے مقدّس قانون توڑتے ہوئے پوری عیسائی قوم کو اپنے ظلم کی لپیٹ میں لے لیا اور صلیبی جنگوں کی ابتداء سے لیکر انیسویں صدی کے پہلے دہے تک تین لاکھ سے زیادہ لوگوں کو صلیب کی تقدیس کے نام پر دردناک مظالم سے گذار کر ذبح کردیا!

ان مظلومین میں خالص مذہبی سمجھدار لوگ اور غریب عوام شامل تھے، خاص کر سائنسداں تھے جن کو ایسی دردناک سزادے کر مارا گیا کہ قلم لکھنے سے بھی قاصر ہے! بالآخر یورپ نے ''مذہب کے نام پر بغاوت'' کرتے ہوئے خود کو ان کے چنگل سے آزاد ہونے کا اعلان کردیا اور علامۃً ''پاپائی حکومت'' چرچ کے سایہ تلے اطالوی حکومت کے پایہ تخت کے شہر ''روم'' میں سینٹ پیٹر کے مخصوص چرچ کے احاطہ ہی میں 'ویٹی کن سیٹی'' کے نام سے باقی رہنے دی گئی!،

پاپائیت کے نام پر جن مظالم کا ذکر ہوا مسلمان تو اوّل روز سے ان کے اس روّیہ کے قائل تھے ہی مگر مسیح کے نام لیواؤں کے دلوں میں ان کی یہ آواز اثر پذیر

نہ ہوسکی تھی اب جبکہ خود یورپ کے اپنے ہم مذہبوں نے بھی اسے تسلیم کر کے نہ صرف مذہب سے خود بیزار ہوگئے بلکہ چرچ اور اہالیانِ چرچ و پوپ کو بھی مذہب کی جائز حد سے نکال باہر کردیا!،

دیر آید درست آید کے مصداق صدیوں بعد کے ان حالات میں کیتھولک چرچ نے اپنے پچھلے گناہ و مظالم کا کھلے عام اقرار کیا جس کی مثال مذکورہ ویٹی کن سیٹی کے پوپ جوَن پوَل دوم کا ۱۱ مارچ ۲۰۰۰ء کو ایک مخصوص مذہبی تقریب کے انعقاد سے عام دنیا کے سامنے توبہ کرنا تھا اور ''پچھلے دو ہزار سالہ عرصہ میں ''خاص کر صلیبی جنگوں کے حوالہ سے جو مظالم ڈھائے گئے وہ اور سارے گناہوں اور غلطیوں کا موصوف نے اقرار کیا اور اللہ تعالیٰ کے حضور سب کے سامنے ان کی معافی چاہی! جو واقعی قابلِ تعریف سبق آموز ایک تاریخی واقعہ ہے۔

پاپائیت جس کے برخلاف اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام میں اور اس کے حبیب و انسانیت کے اعلیٰ ترین دوست نے (ﷺ) اپنے اقوال وافعال سے بانگِ دہل ''مرد و زن کی بحیثیتِ انسانیت آزادی'' کا جو سبق دیا تھا بھلا علمائے دین اسے کیسے اختیار کرسکتے تھے! تاریخ شاہد ہے کہ ''علمائے دین نے تو اسلامی سبق کے خلاف عمل کرنے والے ظالم و جابر عیاّش حکمرانوں کی انسانیت سوز پاپائیت جیسی چالوں کے خلاف ہمیشہ آواز بلند کی جس کی پاداش میں ہمیشہ یہ حق کو معتوبِ

زماں رہے اورانہیں نہ صرف اپنوں ہی کے ہاتھوں بلکہ دشمنانِ اسلام کے تعاون
سے ذلیل ورسواء کرکے خاموش وقتل کرادیا گیا اور آج اسلام دشمنی کا جومشن
جاری ہے اس میں اسلام کے بدخواہوں نے آپ ﷺ کے بعد اسلام دشمنی کا جو
سلسلہ شروع کیا تھا آج بھی (بشمول نامی ''سائنس مخالفت'') کئی طریقوں سے ''اسلام
وعلمائے دین'' کومورد طعن وتشنیع کرنے کا سلسلہ جاری ہے!

تعجب کی بات تو یہ ہے کہ علمائے دین کے خلاف ''سائنس مخالفت'' کا جوحربہ
استعمال کیا جاتا ہے یہ جاننے کے باوجود کہ اس کا پاپاؤں کے ''مطلقاً سائنس
مخالف فتووں'' سے دورکا بھی واسطہ نہیں پھربھی علمائے دین کوان سے تشبیہ
دیکرعلماءواسلام دشمنی کا وہ مظاہرہ کرتے رہتے ہیں اورافسوس کہ اسلام وعلماء دشمنی
کی ان کی اس چال میں اچھے خاصے سمجھداراوردینی علم رکھنے والے بھی پھنس کر
انہی کی بولی بولنے لگتے ہیں حالانکہ انہیں معلوم ہے کہ دنیوی امورکوچھوڑکرعلماء
نے جس سائنس کا انکارکیا وہ اپنی طرف سے نہیں بلکہ دینی امور کے ضمن
میں آپ ﷺ نے جس کا انکارکیا اسی کا وہ انکار کرتے ہیں!

اگرکوئی شخص اِسے بھی براجانتا ہے تو مسلمان ہونے کے ناطے نعوذباللہ وہ
آپ ﷺ ونصوص میں عیب جوئی کررہا ہے جوایمان کو برباد کردینے والی چیز ہے
اس طرح یہ جانے انجانے میں خودہی اپنے اوپراسلام بیزاری کا ٹھپّہ لگارہا ہے

ہیں! اگرعلماء کی مطلقاً سائنسی مخالفت واقعۃً صحیح ہوتی تو پھرآپ ﷺ اورآپ کے
بعدصحابہ کرام علمائے اسلام وفقہائے دینِ متین انسانی بہبود کی سائنس کو مسلم حکمرانی
کے پچھلے ہردور میں ہرگز پنپنے نہ دیتے اوریہی وجہ ہے کہ مسلم سائنسدانوں نے
ہردور میں اطمینان سے منہمک ہوکرسائنس میں اپنے جوہر دکھائے!

بہرحال پاپاؤں کی مطلقاً سائنسی مخالفت کے ساتھ مقابلۃً اسلام وعلمائے
اسلام کی کوئی مطابقت نہیں، پھراہلِ یورپ نے اپنے پاپاؤں کی اجارہ داری سے
جوچھٹکارہ حاصل کیا وہ محض دنیوی نہ تھا بلکہ یہ توکل کا کل دین بیزاری تھا جس
کے نتیجہ میں ''دہریت ولادینیت'' کواپنا رہنماء مان کراسے کلی آزادی کی سند
بنالیا! اوراسی راہ پرعلمائے دین کو''سائنس'' کے نام پرطعنے دینے والے بھی
گامزن ہیں جسے مخلصین کوسمجھ لینا چاہیئے اگرعلمائے اسلام بھی پاپاؤں کی طرح
مطلقاً سائنس مخالفت پرکمربستہ ہوتے توکوئی وجہ نہیں کہ ان کا نام ونشان مٹ
چکا ہوتا یا پھراہلِ یورپ کی طرح اہلِ اسلام بھی مذہب بیزاری کا اعلان کردیتے!

لہٰذا اسلام نامیوں کو یہ راہ بدل لینی چاہیئے کہ علمائے دین کی اسلامی
احکامات پرعمل کی رٹ سے نوجوان طبقہ اسلام سے بغاوت کردے گا! نئی نسل
کے نام پرنصوص ودینی احکامات میں تبدیلی واجتہاد کی ان کی نعرہ بازی کی وجہ
نادانی یادل میں حقیقتاً اسلام دشمنی یاجہالت کوئی بھی ہو! یادرہے کہ وہ اپنے ساتھ

امتیوں کو بھی مغرب کی آزاد سوچ کے نتیجہ کی دہریت ولادینیت کی دلدل میں پھنسانے کا کہیں ذریعہ نہ بن جائیں!

اگر انہیں سائنس سے اتنا ہی لگاؤ ہے تو وہ کیوں اپنی ذات، مال واوقات کو اس کے لئے قربان نہیں کرتے! اگر یہ وہ لوگ ہیں جو نعوذ باللہ دوالی وارثوں کی وجہ سے سرپر مولوی ملّائیت کا تاج لگا چکے اور اب ایسے سمجھدار ہو چکے تو اسلام بیزاری ومنافقت اسی تاج کے پردہ میں تجاہلِ عارفانہ سے کیوں کی جائے؟! مخلصین کو توہرگز یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ ''انجانے'' میں ان حرکتوں کے ''دین بیزار انجام'' کے سامنے ہوتے ہوئے بھی علماء طبقہ کو بدنام وذلیل کرنے کی اسلام مخالفت ودشمنی میں کسی کے ہاتھ پیر بنیں!

بہرحال دین کے بجائے دنیوی سائنس پرعمل کی دین میں اجازت ہونے کا کسی کو ہرگز انکار نہیں البتہ علمائے دین نے جس چیز وسائنس سے روکا ہے وہ ''دین میں سائنس'' کو دخیل بنانے اور دخیل بننے والی سائنس کے حوالے سے ہے جس کا سبق شارع اسلامؐ ہی کی زبانی مالکِ کائنات نے خود دیا ہے اور پہلے جیسے عرض کیا گیا اس پر ذیل کی احادیث مسلم شریف کتاب الفضائل کے اس باب سے ملاحظہ ہوں:۔ **باب وجوب امتثال ما قاله شرعاً،دون ماذكره ﷺ من معايش الدنيا ،علىٰ سبيل الرئى :۔**

احادیث :(۱)عن موسیٰ بن طلحة،عن ابیه قال:مررت مع رسول اللهﷺبقوم علی رئوس النّخل،فقال:مایصنع هئولاء؟)قالوا:یُلقّحونه،یجعلون الذکرفی الاُنثیٰ فتلقح ،فقال رسول اللهﷺ ماظنّ یُغنی ذٰلک شیئاًقال:فاُخبروابذٰلک فترکوه،فاُخبررسول اللهﷺبذٰلک فقال:ان کان ینفعهم ذٰلک فلیصنعوه، **فاِنی انماظننت ظناً،فلاتئواخِذونی بالظّنِ،ولٰکن اذاحدّثتکم عن اللهشیئاًفخُذوابه** ،فاِنیّ لن اُکذِّب علی اللهعزّوجلّ(مسلم)

حدیث:(۲)عن رافع بن خُدیج قال قدم النبیﷺالمدینةوهم یائبّرون النّخل،یقولون یلقّحون النّخل،فقال:ماتصنعون؟قالو کنانصنعه،قال:لعلّکم لولم تفعلواکان خیرًا فترکوه فنقضت اوقال فنقصت،قال:فذکرواذٰلک له فقال:؛انماانابشر،**اذاامرتکم بشیء من دینکم فخذوابه،واذاامرتکم بشیء من رئیی،فانماانا بشر** قال عکرمة اونحوهٰذاقال المعقری:فنفضت،ولم یُشکَّ.،

حدیث :(۳) عن انس ان النبی ﷺ مرّبقوم یلقّحون فقال (لولم تفعلو لصلح)قال فخرج شیصاً فمرَّبهم فقال:ما لنخلکم ؟قالواکذاو کذا **قال انتم اعلم بامر دنیاکم** ، مسلم.. صاحبِ مشکوٰۃؒ نے بھی تھوڑے الفاظ کے ردوبدل سے اسے ج اول میں باب الاعتصام بالکتاب و السنۃ میں ذکر کیا ہے)۔

خلاصہ؛۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کونسلوں کا تجربہ تھا کہ اسباباً کھجوروں کی پیداوار کا مدار کھجور کے مادہ پودے میں نر خوشہ کو ملانے میں تھا مگر انہیں اپنا یقینی تجربہ ہونے کے باوجود اس کا خلاف کیا اور اسے ایک دینی حکم جان کر بغیر کسی حُجّت بازی اور شک وشبہ سے بالاتر ہو کر یقینِ کامل کی حد پر آپ ﷺ کی بات کو عملاً اختیار کر لیا جبکہ مدینہ والوں کو آپ ﷺ کا ذریعہ معاش بھی معلوم تھا کہ آپ ﷺ مکّہ سے وارد ہوئے تھے جہاں آپ کا واسطہ کھیتی باڑی کے بجائے زیادہ تر تجارت سے رہا تھا۔

مدت گذرنے پر جب پھل نہ آئے تب بھی ان کے ایمان میں ذرّہ بھر فرق نہ آیا بلکہ اوپر کی ایک روایت کے الفاظ سے تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے اُنہیں شروع ہی میں بتلا دیا تھا کہ یہ کوئی دینی حکم نہیں ہے بلکہ میرا خیال ہے، اگر یہ نفع دے تو ٹھیک ہے ورنہ میرے ظن پر یقین نہ کرنا! اب دیکھو وہاں صحابہ کرامؓ کا اسلام اور آپ ﷺ کے احکامات کی پیروی کا یہ حال اور اِدھر ہم ہیں کہ نفس وعقل کے باکمال مقلِد پھر بھی آپ ﷺ کی تقلید کرنے کے کامل جھوٹے مدّعی!

بہرحال دینی معاملات میں جب ہم نظر دوڑاتے ہیں تو آپ ﷺ نے مذہبی معاملات وعبادات میں ان کے اوقات کی معلومات میں مشکلات ہونے کے باوجود ان کے لئے فلکی حسابات کے استعمال سے امت کو بشمولِ خود اُمّی قرار دیا

اور فلکیاتی اندازوں پر عمل کے بجائے عینی مشاہدات کے لئے فرمایا۔

فوائد؛۔ (۱) معلوم ہوا کہ اگر دین میں ''**دینی احکامات**'' کے بجائے سائنس کے استعمال کی اجازت ہوتی جیسے مذکورہ کھجوروں کی کاشت کے واقعہ میں آپ ﷺ نے کھیتی باڑی اور انسان کی دنیوی بھلائی میں اجازت دی تب تو کچھ بعید نہ تھا کہ آپ ﷺ مدینہ کے یہود اور ان کے ماہرین سے ضرور استفادہ کرتے کرواتے اور فلکیاتی علم کو سکھنے سکھانے کی تلقین کرنے کے ساتھ ساتھ صحابہؓ واُمتِ مسلمہ کو ان کے علماء وماہرین (جیسے کہ مدینہ منورہ میں یہود موجود تھے ان) سے استفادہ کا حکم بھی فرماتے! مگر آپ ﷺ نے قطعاً ایسا نہ کیا!

(۲) مذکورہ احادیث میں آپ ﷺ نے وہ امور واحکام جو دین سے متعلق ہیں اُنہیں کرنے کا حکم فرمایا اور دُنیوی امور کا حال لوگوں پر چھوڑا کہ وہ نفع بخش ہو تو کریں مگر عبادات ودینی احکامات کیمعاملہ میں اس کے برعکس مفروضہ حسابات وڈگریوں سے اُمت کی اُمیت بتلا کر اسکا جو حکم بتلایا وہ دینی امور میں سے ہونے کی بناء پر خود آپ ﷺ وصحابہؓ اس پر مضبوطی سے عمل پیَرا ں رہے اور آج تک اُمت اِسی پر عمل کرتی ہوئی چلی آرہی ہے (۳) اگر فلکیات ومفروضہ حسابات پر عمل کرنا، اسکا سکھنا سکھانا دینی امر ہوتا تو پھر آپ ﷺ ضرور اس سے بے اعتنائی نہ برتتے اور صحیح حدیث میں اُمت کو بشمول خود اُمی قرار دیکر اُس کو دین کے

احکام سے ہونے کا فرماتے ہوئے خود کے ساتھ اپنے اصحابؓ واُمتیوں کو بھی اس پر عمل کرنے سے باز نہ رکھتے! اگر بفرضِ محال مان لیا جائے کہ آپ ﷺ کے وقت میں یہ علم نہ تھا! تو پھر اِن کتب کے ذخائر پر ۱۵ھ میں حضرت عمرؓ نے قبضہ کے باوجود اس سے بے اعتنائی کیوں برتی ؟! (قارئین کو آپ ﷺ کے زمانہ کے حالات پیچھے ''فلکیات ،خلفائے راشدین اور چھٹی صدی ہجری'' کے عنوان سے ص ؟؟؟ معلوم ہو چکے ہیں)

(۴) ان حسابات کی ایسی ہی اہمیت مانی جائے تب تو حقیقت میں ہونا تو یہ چاہیئے تھا کہ احادیث میں ''دینی امور'' پر عمل کی تاکید کے حوالہ سے آپ اُس کے سکھنے سکھانے اور عبادات میں اُن پر عمل کرنے کے لئے ضرور احکام صادر فرماتے! مگر ایسا نہیں کیا تو معلوم ہوا کہ اِن کی حیثیت اصولاً امورِ دین سے نہیں ہے جیسے کہ مذکورہ احادیث سے بھی مترشح ہوتا ہے اسی لئے فلسفہ وکلام کے امام ابو حامد محمّد غزالیؒ نے اُسے علوم میں تو شمار کیا ہے مگر بُرے علوم سے تعبیر کیا! (احیاء العلوم ص ۵۰)

اُمّی نبی ، اُمّی امّت اور حساب وکتاب

معلوم ہونا چاہیئے کہ درجات وڈگریاں ہماری آنکھوں سے دیکھا جانے والا مشاہدات والا سادہ حساب نہیں ہے بلکہ یہ روشنی کے سفر کے مفروضہ حساب پر موقوف ظنّی حساب ہے اسی لئے فُقہاء نے فلکیاتی مفروضہ اوقات اور ڈگریوں کو بعینہ مشاہدات کے مثل نہیں مانا ہے اور یہی وجہ ہے کہ مشاہدات اور ڈگریوں کے

اوقات بعینہ مشاہدات کے مثل نہیں ہیں، بلکہ مشاہدات کے اوقات اصل ہیں اور رصدگاہی ڈگریوں کے حساب محض تقریبی اوقات ہیں، اِسلام آسان اور عام فہم دین ہے جو دقیق حساب داں شہری اور عام دیہاتی وجنگل کی زندگی گذارنے والوں کے درمیان کسی قسم کی تفریق کے خلاف ہے۔

یہی وجہ ہے کہ ایک دیہاتی وجنگل کی زندگی گذارنے والا فلکیاتی حساب کے بغیر ہی فطری مشاہدہ وسادہ حساب سے نمازوں کے اوقات معلوم کر لیتا ہے اور اِسی فطرتی حوالہ کی طرف آپ ﷺ نے اس اُمّت کی توجّہ مبذول کرواتے ہوئے فرمایا **حدیث**: نَحن اُمّة اُمِّية لا نكتب ولا نحسب الشّهر هٰكذا وهٰكذا وعقد الابهام في الثّالثة والشّهر هٰكذا وهٰكذا يعني تمام ثلاثين (بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، ابنِ ماجہ، سننِ نسائی) ترجمہ: آپ ﷺ کا قول ہے کہ ہم اُمّی اُمّت ہیں اور ہاتھوں کی اُنگلیوں کے اشاروں سے بتلایا کہ مہینہ کبھی ۲۹، کبھی ۳۰ دن کا ہوتا ہے۔

فائدہ:۔ یہ بات مخفی نہیں کہ قرآن اور آپ ﷺ کی احادیث ومعمولات میں عبادات واوقات اور وراثت وغیرہ کے متعلق بار بار صدہا جگہوں پر حساب کا ذکر ہے اور خود مذکورہ حدیث شریف میں بھی اسکا ذکر ہے جس میں آپ

ﷺ نے فرمایا کہ مہینہ کے کبھی ''۲۹ دن اور کبھی ۳۰ دن'' ہوتے ہیں،

معلوم ہوا کلام اللہ اور آپ ﷺ سے حساب منقول ہے تو پھر وہ کونسا خاص مقصد اور **کیا بتلانا مقصود ھے جس پر آپ ﷺ نے حساب وکتاب سے اُمّی ہونے کا اسی حساب والی حدیث میں ذکر فرمایا** ؟ آپ ﷺ حساب کرتے اور بتلاتے بھی ہیں مگر ساتھ ہی حساب سے اُمت کو بشمول خود اُمی ہونے کا اعلان بھی فرماتے ہیں!

دراصل **آپ ﷺ کا حساب سے اُمّی ہونے سے مقصود** اُس خاص نظریاتی وفلسفیانہ مفروضہ حسابات ،اس کے درجات و ڈگریوں کی علمیت ''**کی غیر شرعی حیثیت کو اوجاگر کرنا مقصود ھے** جس سے اُس وقت بھی اہلِ عرب شام وفارس کے تجارتی اسفار سے مانوس تھے اور خود یہودِ مدینہ اس کے عالم تھے۔

یہی وجہ تھی کہ اسی حساب کی بنیاد پر یہودیوں نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی سُبکی کے لئے بار بار سوالات کیئے کہ یہ چاند گھٹتا بڑھتا کیوں ہے تب تنگ آ کر انصاری صحابہ حضرت معاذؓ بن جبل اور ثعلبہ بن غنم رضی اللہ عنھما نے آپ ﷺ سے سوال فرمایا (تفسیر مظہری وابنِ کثیر پ۲) جس کے جواب میں وحی کا نزول آیتِ شریفہ یسئلونک عن الاھلّہ قل ھی مواقیت للناس والحج (البقرہ۱۸۹) سے ہوا۔

اس آیت میں یہودیوں کی طرف سے صحابہ سے اصل سوال تو ''چاند کے جانبِ مغرب سے ہلال کی شکل میں نمودار ہو کر عروج کی مختلف اشکال سے گُذرتے ہوئے نقطۂ کمال پر پہونچکر مکمّل چاند ہو کر دوبارہ مختلف زوالی شکلوں سے مشرق کی طرف لوٹ کر زوالی ہلال کے نقطۂ انتہاء پر پہونچ کر بظاہر اس کے ختم ہو جانے کے اسباب کی معلومات کے متعلق تھا اور صحابہؓ نے جب آپ ﷺ سے اس کی معلومات کیلئے سوال کیا تو جواب میں اللہ تعالیٰ نے محض چاند کی اِن اشکال کے فوائد کا ذکر کیا کہ چاند کی اس حالت واشکال سے لوگوں کو حج اور کا اور دوسرے اوقات کی نشاندہی کرنا مقصود ہے، اِسکی شکلوں کی توجیہ کے بیان سے عاقبت کی کامیابی مقصود بالذّات نہیں اور نہ ہی اُس پر کامیابی کا دارومدار ہے اس لئے توجیہ کو بیان نہ کیا (تفاسیرِ قرآن)۔

معلوم ہوا قرآن وسنت اجماعِ صحابہؓ و اجماعِ امت کے مطابق اوقاتِ نماز اور اسلامی ماہ کی ابتداء کیلئے مفروضہ حسابات کا کوئی عمل دخل نہیں نیز نصوصِ قطعیہ سے یہ بھی ثابت ہوا کہ آپ ﷺ وصحابہؓ کے معمولات ومنقولہ عینی مشاہداتی سادہ حسابی ذرائع ہی اصل وقطعی ہیں اور مفروضہ حسابات کے درجات وڈگریاں اصل نہیں کیونکہ یہ عینی مشاہدہ کے بجائے حسابی اندازے ہیں جسے آپ ﷺ وصحابہؓ نے اپنے معمولات میں استعمال نہیں کیا ہے بلکہ اس کے خلاف حدیثِ امیّ سے اس کا انکار فرمایا ہے۔

نمازوں کے اوقات کے لئے کیا سورج کا بعینہ مشاہدہ ضروری ہے؟

ذہن نشین رہے کہ شریعت نے نمازوں کے اوقات کی معلومات کے لئے ثبوتِ ہلال کی طرح بعینہ سورج کے مشاہدہ کو ضروری قرار نہیں دیا ہے بلکہ نمازوں کے اوقات کے لئے سورج کی روشنی کے حالات پر نمازوں کے اوقات کا مدار رکھا جبکہ روزہ کی ابتداء کے لئے ۲۹ ویں کی شام ہلال کی بعینہ رویت کو ضروری قرار دیا اور نہ دِکھائی دے تب ۳۰ دن پورے کرنے کا کہا گیا۔

شرعاً نماز روزوں کے اوقات میں مشاہدات کے اصل ہونے کے باوجود شرع وفقہاء نے فلکیاتی مفروضہ حسابات کو نمازوں کے اوقات کیلئے تقریبی طور پر تسلیم اسی لئے کیا کہ اللہ تعالیٰ نمازوں کے اوقات معلوم کرنے کے لئے بعینہ سورج کو دیکھنے کے بجائے اس کی اس وقت کی موجودگی پر دال ذرائع یعنی وقتِ نماز کی روشنی کے'' حالات کی کمّیت وکیفیّت'' کے معلوماتی اندازہ کے'' نتیجہ وخلاصۂ تحری'' کو جو کہ' وقت کے قائم مقام' ہے ہر نماز کیلئے اسے موجبِ نماز قرار دیا اور چاند کی طرح نماز کے اوقات کیلئے بعینہ سورج دیکھنے کا نہیں فرمایا حالانکہ نماز اور روزہ دونوں ہی عبادات ہیں مگر روزہ میں بعینہ'' چاند'' کو دیکھنا اس کا وقت قرار دیا گیا بخلاف نماز کے کہ اس میں سورج کو بعینہ دیکھنے کے بجائے دین یا رات میں اس کی روشنی کے حالات کو اس کے لئے وقت قرار دیا گیا!،

مثلاً (۱) روزہ کی ابتداء کیلئے ارشادِ باری تعالیٰ ہے **وکُلوا واشربوا حتیّٰ یتبیّن لکم الخیطُ الابیض من الخیط الاسودِ من الفجر** (س۲، آیت ۱۸۷)،

ترجمہ:۔ کھاؤ پیو (روزہ کے لئے) یہاں تک کہ (اس کے بعد طلوع ہونے والے سورج کی روشنی

کی) سفید دھاری رات کی تاریکی سے نمایاں ہو جائے یعنی فجر ہو جائے (البقرۃ ۱۸۷)،

مطلب یہ ہے کہ (روزے کے لئے) کھاؤ پیو یہاں تک کہ ہماری آنکھ کے اندازہ ومشاہدہ سے ہم پر رات کا ختم ہونا اور شرعی دن کا شروع ہو جانا ظاہر ہو جائے، یہ وہ لمحہ وروشنی ہے جو سورج کی روشنی کی انتہاء (یعنی شفقِ ابیض کے اختتام) پر ہونے والی تاریکی کے بعد آنے والی صبح کے وقت سورج کی روشنی کا ہے، یہ روشنی طلوعِ آفتاب ہونے سے پہلے دوبارہ شروع ہونے والی اس کی روشنی کی ابتداء (یعنی فجرِ صادق) کی ہوتی ہے، اب یہاں سے فجر کی نماز کے وقت کی طرح روزہ کی ابتداء کا وقت بھی شروع ہو چکا! معلوم ہوا کہ اللہ نے یہ نہیں فرمایا کہ اِس وقت سورج کو بعینہ ڈھونڈھو کہ وہ کہاں چھُپا ہے؟! (۲) اسی طرح حدیثِ دجاّل میں اوقاتِ نماز کے ذکر میں ہے کہ وہاں (اوقات کا) اندازہ کر کے (پانچ نمازیں) پڑھو، کیونکہ سورج تو اسوقت ہر آن آسمان پر موجود رہے گا، تو اس وقت اندازے سے نمازیں پڑھنے کا یہ عمل یقیناً سورج کے بجائے اس کی روشنی کے مدِّ نظر ہی تو ہے اسی لئے شرع وفقہاء نے کئی دنوں کے اس ایک دجالی دن میں عام معتدل دن کے فاصلہ کے انداز وتقدیر سے نمازیں پڑھنے کا کہا تو اس سے بھی ثابت ہوا کہ نمازوں کے اوقات میں بعینہ سورج کا دیدار ضروی نہیں بلکہ اس کی روشنی کا مدار ہے ورنہ بغیر روشنی کے سورج کی کیا حیثیت ہے؟!،

بہرحال حدیثِ جبرئیل اور مذکورہ دونوں نصوص سے معلوم ہوا کہ اوقاتِ نماز کے لئے بعینہٖ سورج کو دیکھنے کا حکم نہیں ہے جو تکلیف مالایُطاق کے مصداق ہے اور ویسے بھی یہ ہر وقت ممکن بھی نہیں اور دن میں بتکلُّف امکان کی صورت میں بھی صرف اُسکا دیکھنا تو کافی نہیں بلکہ'' اس کی روشنی کے حالات اور اس سے چیزوں کا جو سایہ ہوگا'' ان کی پیمائش واندازہ سے ہی ان نمازوں کے اوقات معلوم ہوں گے! لہٰذا نمازوں کے اوقات کے لئے نہ تو سورج کی بعینہ رویت ممکن

وضروری بلکہ بتکلف صرف سورج دیکھنے سے ان کے اوقات معلوم ہونا بھی ناممکن (سوائے مغرب کی نماز کے اور وہ بھی صاف موسم میں) مگر روزہ کے معاملہ میں اس کی ابتداء کے لئے تو ۲۹ ویں کی شام نہ صرف چاند کا بعینہ دیکھنا ضروری بلکہ ممکن بھی! **(البتہ نہ دکھائی دینے کی صورت ہی میں ۳۰ کی گنتی پوری کر کےنئے مہینہ کی کی ابتداء کرنا لازم)۔**

بہر حال عینی مشاہدہ کے علاوہ جس ذریعہ سے بھی اوقاتِ نماز کی معلومات ہوں کہ اِسوقت سورج فلاں وقت کی نماز کیلئے مخصوص جگہ موجود ہے تو وہ ذریعہ نماز کے وقت کی تقریبی تحرِّی کی بناء پر مشروط طور پر معتبَر ہوگا، نیز چونکہ حدیثِ دجاّل والے زمانہ میں عام دنوں کی طرح سورج کے طلوع وغروب ہونے والے حالات نہ ہوں گے جس پر پانچوں نمازوں کے لئے تقدیر کرنے کا جو حکم پیچھے گزرا اُس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ تحرّی واندازہ کا جو بھی تقریبی طریقہ (مثلاً قریبی علاقہ وغیرہ جو بھی) دستیاب ہو اصل کی دستیابی سے مشروط ہر وقت ہر جگہ معتبَر ہوگا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم وصحابہ بھی اندازاً ہی تو نمازوں کے اوقات پر عمل کرتے تھے ایسا تو نہ ہوتا تھا کہ اس کے لئے رویتِ ہلال کی طرح مستقل تیاّری کرتے تھے اور نہ ہی لکڑی گھاڑ کر ہر روز سایہ اصلی اور مثل ومثلین یا قدم سے ناپتے تھے بلکہ سورج کی روشنی کے حالات کو دیکھتے اور اس کا مشاہدہ کرتے ہوئے اندازاً وقت کی تحرّی کرتے اور سایہ اصلی اور مثل ومثلین ناپتے تھے بلکہ سورج کی روشنی کے حالات کو دیکھتے ہوئے عینی اندازہ سے وقت کی تحرّی کرتے اور قدم وغیرہ کے پیَمانہ پر سایۂ مثل ومثلین کے اندازہ سے ظہر وعصر پڑھتے اسی طرح روشنی کے عینی انداز ومشاہدہ پر مغرب اور عشاء وفجر پڑھتے!

آپ صلی اللہ علیہ وسلم وصحابہ کرامؓ نمازوں کے اوقات کے لئے مشاہدہ وعینی اندازہ کی ایک مثال" روزہ وفجر کی ابتداء کے مسئلہ میں ان کی مختلف رائے واندازہ کا ہونا اور خَیــطاسود سے خیــطِ

ابیــــض کے تبیُّن کی حد بندی میں اُس کی "عملی تشریح" پر ان میں اختلاف کا پایا جانا ہے اور یہ اختلاف ابتدائے صوم وفجر کے لئے ایک مستقل موضوع بن گیا کہ "روزوں کا مبداء فجر کی ابتداء پر ہے یا اس کے تبیّن پر؟" اور اوّلِ فجر پر "احوط" اور اس کے تبیّن پر "اوسع" کی یہ فقہی بحث صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اندازہ ومشاہدہ کے نتیجہ کی تعبیر بن گئی! (اور اسی ابتدائی وتبیّن کی روشنی ہی کی تعبیر کا نتیجہ واندازہ کا اختلاف ہے جس سے بعض صحابہؓ نہ صرف فجر کی اوّل کِرن کے بعد بلکہ اس کے تبیّن حتیٰ کہ فجر کی نماز کے ہوجانے کے بعد بھی کھاتے پیتے رہے)،

ملاحظہ ہو عمدۃ القاری شرحِ بخاری، بــاب قــول اللہ تــعــالــیٰ وکــلــوا واشربوا :۔(وبمایستفاد ان ھٰذالباب ان الصائم له ان یاکل ویشرب الی طلوع الفجر الصادق کف وھٰذا قول الجمهور من الصحابة والتابعین و ذهب معمر وسلیمان الاعمش وابومجلز والحکم بن عتیبة الیٰ جواز التسحّر مالم تطلع الشمس واحتجوافی ذٰلک بحدیث حذیفة رواه الطحاوی من روایة زربن حبیش قال"تسحّرت ثم انطلقت الی المسجد فمررت بمنزل حذیفه فدخلت علیه ومربلقحة فحلبت وبقدرفسخنت ثم قال کل فقلت انی ارید الصوم فقال وانااریدالصوم قال فاکلناوشربنا ثم اتیناالمسجد فاقیمت الصلوٰہ قال ھٰکذا فعل بی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اوصنعت مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قلت بعد الصبح قال بعد الصبیح غیران الشمس لم تطلع "واخرجه النسائی واحمد فی مسنده وقال ابن حزم عن الحسن کل ماامتریت وعن ابن جریج (قلت)لعطاء ایکره ان اشرب وانافی البیت لاادری لعلی اصبحت قال لاباس بذٰلک هوشک وقال ابن شیبةحدثنا ابومعاویة عن الاعمش عن مسلم قال لم یکونوا یعدون الفجر فجرکم انماکانوا یعدون الفجر الذی یملء البیوت والطرق وعن معمر انه کان یوئخر السحور جداحتیٰ یقول الجاهل لاصوم له وروی سعیدبن منصور وابن شیبة وابن المنذر من طرق عن ابی

بکر انه امر بغلق الباب حتیٰ لایری الفجر وروی ابن المنذر باسناد صحیح عن علی رضی اللہ عنہ انه صلی الصبح ثم قال الآن حین یتبیّن الخیط الابیض من الخیط الاسود وقال ابن المنذر ذهب بعضهم الی ان المراد بتبیّن بیاض النهار من سواد اللیل ان ینتشر البیاض من الطرق و السکّان والبیوت وروی باسناد صحیح عن سالم بن عبید الاشجعی وله صحبة ان ابابکر رضی اللہ عنه قاله اخرج فانظر هل طلع الفجر قال فنظرت ثم اتیته فقلت قدابیض وسطع ثم قال اخرج فانظر هل طلع فنظرت فقلت قداعترض فقال الآن ابلغنی شرابی وروی من طریق وکیع عن الاعمش انه قال لولا الشهرة لصلیت الغداة ثم تسحرت وروی الترمذی وقال حدثنا هناد حدثنا ملازم بن عمرو حدثنی عبدالله بن النعمان عن قیس بن طلق بن علی حدثنی ابی طلق بن علی ''ان رسول الله ﷺ قال وکلوا واشربوا ولا یهیدنکم ''ای لا یمنعکم الاکل من هادیهید واصل الهید الزجر .قوله ''الساطع المصعد'' قال الخطابی سطوعه ارتفاعه مصعد اقبل ان یعترض قال ومعنیٰ الاحمر ههنا ان یستبطن البیاض المعترض اوائل حمرة واللہ اعلم بالصواب

(عمدة القاری شرح بُخاری ..ص۲۹۲)

سمجھ سکنے والوں کے لئے اسی سے یہ بات قابلِ حیرت بھی نہیں رہی کہ ''فجر کی پہلی کِرن کے بعد ''تبیُّنِ فجر'' کا فوری طور پر مشاہدہ میں آ جانا ضروری نہیں! کیونکہ فجر کی پہلی کرن اور اس کے تبیّن کی کِرنوں کے درمیان کچھ نہ کچھ غیر محسوس فاصلہ تو ضرور و یقینی ہوتا ہے جس کا تعلق صرف حساب کی گردان کرتے رہنے کے بجائے تجربہ و مشاہدہ سے ہے اور غیر معتدل مقامات کے مخصوص گرمائی ایاّم میں تو یہ فرق کچھ زیادہ ہی ہو گا جیسے کہ ہمارے سال بھر کے مسلسل تاریخی مشاہدات سے بھی ثابت ہوا!

اگر عینی مشاہدات ہر ایک کی اپنی نظر کے اندازے تسلیم نہ کئے جائیں تو پھر صحابہ کرام کا تبیُّن کی ''عینی تعبیر'' میں اختلاف اور فقہاء میں احوط و اوسع والی یہ بحث ہی کیوں ہوتی جن کے حوالے احادیث و فقہی کتب میں بشمول معارف السنن، الکوکب الدرّی، تفسیر ابن کثیر، تفسیر مظہری، فتاویٰ ہندی اور فتح الباری شرح بخاری و احادیث کے تقریباً ہر مجمعہ میں اور مفتیانِ کرام نے بھی اپنے فتاویٰ میں نہ صرف ذکر کئے بلکہ اس پر مفصل لمبی بحثیں کی ہیں جن سے دیکھنے والی آنکھوں پر پٹی نہیں باندھی جاسکتی!

((**فتویٰ۔۱**)) مفتی محمّد شفیع صاحبؒ نے اس اشکال کے جواب میں کہ ؛۔نماز کے اوقات میں جنتریوں اور گھڑیوں کے حساب پر عمل کیا جاتا ہے تو چاند کے مسئلہ میں کیوں نہیں؟، کیونکہ طلوع و غروب وغیرہ میں **جنتریوں اور گھڑیوں پر اعتماد کرنے سے** (نصی) **اصول** (مشاہدہ) **نہیں بدلتا** (بلکہ) **ایک سہولت حاصل ہو جاتی ہے** (رویتِ ہلال از مفتی شفیعؒ، ص ۲۸) مطلب یہ کہ کوئی بھی شخص مشاہدہ سے ڈگریوں والے اوقات کے صحیح یا غلط ہونے کو بغیر آلاتِ رصدیہ اور اس کے فلکی حساب) کے اپنی آنکھوں کے مشاہدہ سے جانچ سکتا ہے!

یہی وجہ ہے کہ **فقہاء کے نزدیک** جنتری و رصدگاہی حساب پر عمل کا جواز

اس شرط سے مشروط ہے کہ مشاہدات سے ڈگری والا وقت غلط ثابت نہ ہو!

((**فتویٰ۔۲**)) حکیم الاُمت حضرت مولانا شاہ اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ نے "بوادر النوادر" میں اوقاتِ نماز کا جو نقشہ شائع کیا ہے اور جنتری و نقشہ بنانے کے لئے جو تعلیم دی وہاں بھی اس کا طریقہ آپ نے لفظِ "اندازہ" سے بتلایا اور پھر اسے کرنے کا طریقہ بتلا کر یہاں تک فرمایا کہ آفتاب کا طلوع یا غروب! ان میں سے کسی ایک کا وقت معلوم ہونے سے دوسری نمازوں کے اوقات بھی "اندازاً" معلوم کئے جاسکتے ہیں! جیسے آپؒ فرماتے ہیں "ان میں سے ایک کا بھی مشاہدہ ہوجاوے تو دوسرے کا علم "بدونِ مشاہدہ" بھی ایک قاعدہ سے معلوم کرسکتے ہیں، پھر آگے وہ قاعدہ بتلا کر ایک نقشہ بنایا ہے جس میں مہینہ کی ہر ایک تاریخ کے بجائے اس کی صرف دو ہی الگ الگ تاریخوں میں اوقاتِ فجر، طلوع وغروبِ آفتاب اور مثلین کے اوقات بتلائے ہیں اور یہ لکھا کہ "بقیہ تواریخ کا وقت بھی منٹوں کے کہیں گھٹانے کہیں بڑھانے سے "انداز" سے معلوم ہوسکتے ہیں الخ (بوادر النوادر ص ۴۲۹ اور ۴۳۰)۔

فقہائے کرام نے بہر حال مفروضہ ڈگریوں کے مطابق اوقاتِ نماز کو اس حد تک ہی مُعتبر مانا ہے کہ "مشاہدات والے اوقات سے اِن حسابات کے

اوقات میں مخالفت نہ ہو" ورنہ یہ غیر معتبَر ہوں گے! دوسرے لفظوں میں یہ مشاہدات کی تائید میں تو استعمال ہوسکتے ہیں مگر جب مشاہدات سے ثابت ہو جائے کہ دونوں میں فرق ہے تو عینی مشاہدات والے اوقات کو ترجیح ہوگی،

(کیونکہ نبی کریم ﷺ نے مشاہدات والا طریقہ اپنایا جو اوقاتِ نماز کی معلومات کے لئے ذرائع میں سے اولین درجہ رکھتا ہے مگر افسوس ہے کہ امرِ دین کے نام پر اس کے برخلاف فلکیاتی مفروضات کو تحریراً وعملاً اولیت دینے کی کوشش کیساتھ اُسے اصل قرار دینے کی سعی کی جارہی ہے)۔

رہا یہ سوال کہ مفروضہ حساب پر اِس طرح اعتبار کیوجہ کیا ہے؟ تو معلوم ہو کہ اِن مفروضہ حسابات کے ذریعہ نمازوں کے اوقات کا عینی مشاہدہ کے ذریعہ اوقاتِ نماز معلوم کرنے کے لئے کئی طرح سے اس سے مشابہت ہے مثلاً:۔

(۱) سورج کی گردش اور اس کی روشنی وفلکیاتی مفروضہ حسابات کے اعداد وشمار و اندازوں کا عینی مشاہدہ کے اوقات کے مطابق ہونا اور ان کے "تقریبی اوقات" کا حاصل ہونا ہے (۲) نیز اِن سے نمازوں کے اوقات کے اِخراج میں مشاہدہ والے عمل کی طرح سورج کی "عدمِ رویت" میں مشابہت ہے جیسے کہ نمازوں کے اوقات کے مشاہدات میں سورج کو بعینہٖ دیکھا نہیں جاتا اور نہ ہی یہ ضروری ہے ویسے ہی یہاں مفروضہ ڈگریوں میں بھی ہے کیونکہ ان میں صرف تھیوری

ومفروضہ کا ''اندازی حساب'' ہی اس کی بنیاد ہے (۳) نیز مشاہدات میں مثلاً کسی چیز کے سایہ کی پیائش زوالِ سایہ، قدم وغیرہ کے ''عینی اندازے'' سے ہوتی ہے یہاں بھی اندازہ ہے اگرچہ عینی نہیں بلکہ مفروضہ تھیوریوں کے ماتحت اندازہ ہے جیسے کہ نمازوں کے اوقات میں بھی غروبِ آفتاب کی روشنی و شفقین کے لئے اندھیرہ اُجالا، سایہ کا زوال، اوراس کے مثل و مثلین کے'' حالات'' پر'' وقت کا مشاہدہ واندازہ'' کرنا ہوتا ہے لہٰذا دونوں میں ''اندازہ کی مشابہت'' بھی ہے۔

بہر حال رصدگاہی ڈِگریوں سے حاصل شدہ اوقاتِ زوال مثل و مثلین، طلوع وغروبِ آفتاب، شفقین اور فجرین کے مشاہدات کے اوقات میں اندازہ کرنے میں دونوں میں مشابہت ہے اگرچہ مشاہدات میں جو اندازہ ہے اس کا ذریعہ آنکھ ہے جو عین سنت نبوی ﷺ کے مطابق ہے جبکہ ڈگریوں میں فکری و حسی اندازہ ہے جو مفروضہ فلکیاتی حسابات کے اندازہ کی بنیاد پر ہے جس پر آپ ﷺ نے عمل نہیں کیا ہے اس لئے اصول و نبوی عمل اور اجماعِ سلف کے مقابلہ پر یہ طریقہ عینی مشاہدات کے تابع ہوگا اور عینی مشاہدات متبوع !

نتیجہ: چونکہ برطانیہ میں عشاء وفجر کے سال بھر کے عینی مشاہدات سے ثابت ہو چکا کہ اِن نمازوں کے ڈگری والے اوقات صحیح نہیں اس لئے صبح وشام کی شفقین کیلئے ڈگری والے حسابات پر عمل جائز نہ ہوگا۔ اس وضاحت اور شروع

صفحات میں ذکر کردہ تفصیل سے واضح ہو گیا کہ عینی وتقریبی حسابات میں عینی حسابات قطعی کیوں ہیں اور تقریبی حسابات (ڈگریاں) اوقاتِ نماز کیلئے کس حد تک معتبَر اور قطعی کیوں نہیں! ساتھ یہ بھی معلوم ہوا کہ مشاہدہ بھی ایک اندازہ ہی ہے اگرچہ وہ ہر آنکھ کی دیکھنے کی صلاحیت وطاقت پر مُنحصر ایک کا اپنا اپنا اندازہ ہے!

کیا گھڑی بذاتِ خود وقت ہے یا چاند سورج کی گردش وقت ہے؟

آجکل سورج کی روشنی کے حالات یا اس کے طلوع وغروب کو دیکھے بغیر ہی مروّجہ گھڑیوں کے ٹائم پر نمازوں کے اوقات کی تعیین اور اس کے مطابق وقت پر نماز پڑھنے کو بعض اپنی کم علمی کی وجہ سے، نیز اچھے خاصے علم کے حاملین کو بھی دیکھا گیا کہ وہ تجاہلِ عارفانہ سے یا انجانے پن میں اسے'' فلکیات ورصدگاہی حسابات کی'' **حتمی قطعیت** '' کے ثبوت میں دلیلاً پیش کرتے ہیں! حالانکہ ایسا ہرگز نہیں اور یہ کوئی بہت بڑا معمّہ نہیں جو سمجھ سے بالاتر ہو، خاص کر وہ جو ان مسائل سے کسی نہ کسی طرح واقف بھی ہیں!

ظاہر ہے گھڑی تو ہمارے تابع ہے، گھڑی میں اس کا وقت دیکھ کر مخصوص اوقات پر ہم اپنی نمازیں وعبادات جو اداء کرتے ہیں اِس سے یہ کیسے ثابت

ہوگیا کہ ’’گھڑی خود ہی وقت ہے جیسے سورج‘‘! ،جبکہ نصوص اور سنتِ نبویہ سے ثابت نمازوں کے اوقات کا اصل سرچشمہ ’’سورج اور اس کی روشنی کے حالات ‘‘ہیں جسے قیامت تک اللہ کے سواء کوئی بھی تبدیل نہیں کرسکتا اقم الصلوٰۃ لدلوک الشمس الیٰ غسق اللیل وقرآن الفجر (س۱۷،آیت ۷۸) اس آیت میں سورج کے مدِنظر پانچوں نمازوں کے اوقات کا ذکر ہے جیسے حج ،رمضان اور عباداتی ایام کی گنتی میں چاندان کا وقت ہے یسئلونک عن الاھلّة قل ھی مواقیت للناس والحج (البقرہ)۔

جن اوقات پر ہم نمازیں پڑھتے ہیں وہ تو مشاہدہ یا رصدگاہوں کے فلکی حسابات پر مبنی تقویمات سے حاصل کردہ ’’صرف عینی یا فلکیات کے حسابی فاصلے ‘‘ہوتے ہیں جنہیں گھڑی کے وقت سے منطبق کیا ہوا ہوتا ہے اور اسی مشاہدہ وتقویمِ رصدگاہی کے مطابق اب گھڑی میں دیکھ کر وقتِ معیّن پر ان نمازوں کو پڑھا جاتا ہے اس لئے گھڑی اصلاً بذاتِ خود وقت نہیں!

لٰہذا صرف گھڑی بذاتِ خود نمازوں کے اوقات میں کوئی اصل نہیں بلکہ گھڑی تو صرف وقت بتانے والا ایک آلہ ہے جو انسانی ایجاد ہے اور اسباب کے تحت ہماری مرضی کے مطابق وہ چلتا رہتا ہے اور وقت بتلاتا ہے،ہم نے خود گھنٹے ،سیکنڈ اس پر چسپاں کرکے ہماری ضرورت کے مقرّر کردہ طریق کے مطابق اسے بنادیا

جیسے کہ اسکی مشین پہیوں کو گھماتی ہے اور بالآخرِ سوئیوں والا چکّر بھی چلتا ہے گویا سوئیاں ہی چلتی ہیں اور اب تو اس ضرورت کو کنٹرولڈ الیکٹرونِک طریقہ میں بدل دیا گیا ہے اس کے باوجود گھڑی کی اصلیت اور اس کا حکم پہلے کی طرح اب بھی باقی ہے اس کے بالمقابل چاند سورج کی گردش اور ان کا چکّر اللہ کے مقرّر کردہ حساب کے مطابق معیّن وقت پر طلوع وغروب وغیرہ کے مراحل سے گُذر کر ہماری مرضی شاملِ حال ہوئے بغیر اللہ ہی کی مرضی سے چلتے ہیں اور قیامت تک چلتے رہیں گے،مزید تشریح ملاحظہ ہو؛

((**فتویٰ۔۳**)) حکیم الاُمت رحمۃ اللہ علیہ گھڑی کے وقت کی شرعی حیثیت کے بارے میں سوالات کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: گھنٹہ گھڑی یعنی انضباطِ وقت سے کام لینا سو وہ خود مقصود نہیں بلکہ مقصود اوقاتِ مخصوصہ ہیں اور وہ محض شناختِ اوقات کا ایک آلہ ہے جو سہولت کیلئے معتبَر سمجھا جاتا ہے جیسا کہ بعض اوقات تحرّیئے قلب کو (وقتِ مخصوص یا سمتِ قبلہ کے تعیُّن کا) معیار قرار دیا جاتا ہے ’’اصل تو علاماتِ سماویہ ہی ہیں جسکا تعلق **مشاھدہ** سے ہے لیکن گھڑی کا تطابق اس (علاماتِ سماویہ) کے ساتھ (مشاہدہ کے انداز سے) متیقّن یا (رصدگاہی اوقات وغیرہ کے) مظنون (اندازہ سے) ہو تو گھڑی پر بھی عمل جائز ہے **کطبل السّحور** (یعنی جسطرح روزہ میں سحری کے اختتام وصبحِ صادق ہوجانیکے وقت دف ودھول بجایا جاتا ہے تو

اِن کی آواز کو وقت جان کر اسپر کھانا پینا یہ سمجھ کر بندھ کر دیا جاتا ہے کہ اب صبح صادق ہوگئی اَیسے ہی گھڑی کی مثال ہے، نہ تو دف و دھول وقت ہے اور نہ ہی گھڑی اس کے باوجود اِنہیں وقت کے قائم مقام سمجھا جاتا ہے)، امدادلفتاوی نئی اشاعت ج ا ص ۱۰۱ اور ۱۰۲۔

نیز آپ نے فرمایا کہ **گھڑی بھی مشاہدہ کئے بغیر کام نہ دے گی** (امدادالفتاویٰ پرانی اشاعت ج ا ص ۱۵۲، نئی اشاعت ج ا ص ۹۸) یعنی جب تک مشاہدات سے اوقات کی تعیین نہ ہوگی تب تک اوقاتِ نماز کے لئے صرف گھڑی سے کوئی فائدہ نہیں! ہاں جب مشاہدات سے اوقاتِ نماز کا تعیّن ہوجائے گا تو پھر گھڑی ان اوقات کو بتلانے کے لئے کار آمد ہوگی،

معلوم ہوا کہ گھڑی بذاتِ خود وقت نہیں اور نہ ہی اس کا تعلق فلکیات سے ہے بلکہ یہ تو ایک مشین ہے جسے ہم ہی نے بنائی ہے جس میں چکّروں کو گھُمانے کی صلاحیت سے اس کی سوئیاں گھُم رہی ہیں اور ہم نے ہی ڈائل پر حسابی نمبر لگا دئے ہیں جن پر سوئیوں کے پہونچنے سے نئے دن کے شروع ہو کر گھنٹوں کے حساب کی گنتی، غروب آفتاب سے (شرعاً) شروع ہوتی ہے جیسے کہ اسلامی نقطۂ نظر ہے (جس سے دن کی ابتداء ہوتی ہے، جو سعودیہ میں بھی مروّج ہے اور حرمین شریفین میں اس طرح کے اوقات کی گھڑیاں وہاں یہ وقت بتلاتی ہیں) یا پھر مغربی نظریہ کے سِولین ٹائم پر عالمی وقت کیلئے آدھی رات کو بارہ بجے AM سے دن کی ابتداء کی گنتی شروع ہو کر اگلی رات

میں (۲۴ گھنٹوں کے بعد) عین بارہ PM بجنے پر پوری ہوگی۔

اگر ہم گھڑی کی سوئیوں کو شرعی یا انٹرنیشنل سِوِل ٹائم کے بجائے اپنی مرضی پر گھمادیں گے تو وہ اسطرح بھی چلتی رہے گی مگر چاند سورج کی گردش جو کہ یہی حقیقی وقت ہے یہ اللہ کے مقرّر کردہ حساب سے ٹس سے مس نہ ہوں گے، چاہے ہم اپنے فلکیاتی مفروضوں کے لئے اوقات کی تعیین ہی کیوں نہ کرلیں مگر اللہ کی طرف سے مقرّر کردہ قمری یا شمسی گردش و وقت میں ذرّہ بھر کوئی فرق نہیں آئے گا!

لہٰذا ہماری گھڑی اور چاند سورج میں اس کے نفساً وقت ہونے کی نسبت سے مطلقاً تو کوئی مناسبت نہیں ویسے اسے سورج چاند کی گردش کے ساتھ وقت پر دلالت کے لئے ہی مقیّد کیا جاتا ہے جس کا فائدہ وہ دیرہی ہے کیونکہ اُسے بنانے کا مقصد ہی یہی ہے کہ وہ ہماری مرضی کا وقت بتائے! اس لئے جو ناسمجھ گھڑی کی مثال دیکر مشاہدات کے اوقات پر مفروضہ حسابات کو ترجیح دینے کا کہہ رہے ہیں انہیں یا تو گھڑی کی اصلیت ومعنویّت بمقابلہ سورج کی گردش پر دال شرعاً عینی مشاہدات کی حقیقت کا علم نہیں یا پھر وہ تجاہلِ عارفانہ کی عیب سے الرجک ہیں!

غروبِ آفتاب کے بعد آسمان پر گدلے دھبّے اور شفقِ احمر

ذہن نشین رہے کہ آفتاب کے غروب ہونے کے بعد افق (Horizon) یعنی آسمان و زمین سے ملے ہوئے کناروں سے شفق کی سرخی و سفیدی سِمٹ کر غروبِ

آفتاب کی جگہ کے قریب آ کر ختم ہوجاتی ہے اوراندھیرہ چھاجاتا ہے، کبھی جانبِ مغرب سروں پر دیر تک سرخی مائل گدلے دھبوں کی موجودگی سے اصطلاحی شفقِ احمر کا شائبہ نہ ہونا چاہیئے اسلئے کہ وہ توسمیٹ کر افقِ شرعی سے غائب ہوچکی اور جس طرح شفقِ احمر ہرروز برطانیہ میں غائب ہوتی ہے گرمیوں کے ایام میں بھی اِسطرح وہ سمیٹ کر ختم ہوجاتی ہے کیونکہ یہ سورج ہی کی روشنی ہے،

جب سورج غروب ہوکر افق سے نیچے چلاگیا تو یہ بھی سورج کے نیچے چلے جانے پر افق سے غائب ہوگئی اب اگلی صبح قبل طلوعِ آفتاب اورشام کو بعد غروب آفتاب یہ شفق دوبارہ ظاہر ہوگی، حکیم الاُمت ؒ نے بہشتی زیور میں مغرب کا آخری وقت ’سورج کے غروب کی جگہ کے قریب (زمین سے ملے ہوئے) ’’آسمان کے کناروں‘‘ پر سرخی کے بقاء تک کے وقت‘ کو بتلایا ہے!

معلوم ہوا کہ ’شفقِ احمر سے یہی سرخی مراد ہوگی نہ کہ غروبِ آفتاب کی جگہ سے دور ہمارے سروں کے اوپر کی سرخی جو زمین وآسمان کے ملے ہوئے کناروں سے دور ہوتی ہے! اگر موسمِ گرما میں افق سے اوپر ہمارے سروں تک کے سرخی مائل دھبوں کو شفقِ احمر کی سرخی ماناجائے تب تو اس کی بقاء تک (جو کبھی کبھار تو آدھی رات تک معلوم ہوتے ہیں) مغرب کا وقت ہونا چاہیئے تھا اوراس کے بعد ہی عشاء کا وقت ماناجانا چاہیئے تھا! جبکہ اسے کوئی بھی تسلیم نہیں کرتا جبکہ اس کے

برخلاف موسمِ گرما کے بعض دنوں والی اس قسم کی سرخی کے غائب ہوئے بغیر ہی عشاء کی نماز کو زمین وآسمان کے ملے ہوئے کناروں کے قریب کی سرخی (شفقِ احمر) کے غروب ہونے پر ہی پڑھتے ہیں جیسے کہ مسئلہ بھی یہی ہے۔

قرآن، اُمّیت اورسائنس!

پچھلے صفحات میں یہ بات معلوم ہوئی تھی کہ سائنس پر تحقیقات آپ ﷺ کی دنیا میں تشریف آوری کے ڈیڑھ ہزار سال پہلے سے شروع ہوچکی تھی بلکہ یہ کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ اس کی ابتداء تو اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم اورحضرت حواء علیہما السلام کو جب دنیا میں بھیجا تب سے ہوچکی تھی کیونکہ خالقِ کائنات نے آدمؑ (انسان) میں تحقیق کرنے کا جذبہ ودیعت رکھا تاکہ وہ اپنی ضروریات کو اسباباً پوری کرسکے اور کُلفت سے محفوظ رہے!

مالکِ کائنات کے فرمان لایکلّف اللہ نفساً اِلّا وسعھا، البقرہ آیت ۲۸۶ (کہ وہ رحیم وکریم کسی جان کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا!) کی صداقت ظاہر وباہر ہوجائے اورانسان کی تمام ضروریات و مشکلات کی آسانی کا وعدہ پورا ہو، جس کی غیر محدود مثالیں آسمانی کتابوں صحیفوں اورخود انسانی کاوشوں میں موجود ہے، قرآن مجید میں دنیا کے پہلے قتل کے واقعہ کا ذکر ہے کہ آدمؑ کے دو

لڑکوں میں سے ایک، ہابل کی قربانی کی قبولیت پر قابل نے اپنی پسندیدہ لڑکی سے نکاح کرنے کے لئے اللہ کی مرضی کے خلاف ہابل کو قتل کردیا مگر اس کی نعش قابل کیلئے پریشانی کا سبب بن گئی ! ایک قول کے مطابق چالیس روز تک وہ اپنے مقتول بھائی کی نعش کو کندھے پر اُٹھائے ہوئے مارے مارے پھرتا رہا کہ اب اسکا کیا کرے؟ یہاں تک کہ نعش سڑنے لگی اور اُس سے بدبو آنے لگی !۔

اس مصیبت کے حل سے وہ ناواقف تھا کہ اللہ کی حکمت کے ماتحت واقعہ رونما ہوا اور کوّوں کی لڑائی میں ایک مارا گیا تو دوسرے نے زمین کھود کر مقتول کوّے کو گڑھے میں دفن کردیا تب جا کر قابل کو اندازہ ہوا کہ زمین کا مادّہ نہ صرف چھپاتا ہے بلکہ وہ مردے کے مُضرّات سے محفوظ بھی کردیتا ہے، الق وما لکِ کل فرماتے ہیں فَبَعَثَ اللّٰہُ غرابًا یَّبحَثُ فِی الاَرض لِیُرِیَہ کَیفَ یُوَارِی سَوء ۃ اَخیہِ (المائدہ آیت ۳۱) پس اللہ تعالیٰ نے ایک کوّے کو بھیجا جو زمین میں گڑھا کھود رہا تھا تاکہ وہ اسے دِکھادے کہ کسطرح وہ اپنے بھائی کی نعش کو چُھپا رہا ہے!۔

کُلفت سے بچاؤ کے ضمن میں خالق کائنات کا یہ فرمان بھی ملاحظہ ہو وعلّم آدم الاسماء کُلّھا (البقرہ ۳۱) فلمّا انبأھم باسمائھم (ایضاً ۳۳) اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو اجمالی طور پر تمام اسماء ان کی تفصیل وعلوم کے ساتھ سِکھلادئے اور آدمؑ نے فرشتوں کے سامنے انہیں بتلا بھی دیا ، اسی طرح

اللہ کا فرمان ہے اِنّ عِدّۃ الشھور عند اللہ اثنیٰ عشر شھراً فی کتٰب اللہ یوم خلق السّمٰوات والارض (توبہ آیت ۳۶) زمین وآسمان کی پیدائش سے ہی اللہ کی کتاب میں بارہ مہینوں کی گنتی ہے،

فائدہ: مفتی شفیع صاحبؒ فرماتے ہیں مہینوں کی گنتی چاند وسورج کی گردش پر مبنی ہیں آیتِ شریفہ ہے وکل فی فلک یسبحون (یعنی) دونوں اپنے اپنے مدار میں تیرتے (گردش) رہتے ہیں ۔ چاند کی منزلیں مشاہدہ سے اور سورج کی منزلیں ریاضی (شماریات) کے حساب سے معلوم ہوئی ہیں، (نیز فرمایا کہ) فلک ہر دائرے اور گول چیز کو کہا جاتا ہے یہاں مراد شمش وقمر کی وہ مداریں ہیں جن پر یہ حرکت کرتے ہیں ۔ (معارف القرآن ج ۷ ص ۳۹۳ وج ۶ ص ۱۸۲)۔

(۲) اور اسماء کُلّھا میں اِن کے علوم بھی داخل تھے مطلب یہ کہ اجمالی طور پر یہ علوم پہلے سے حضرتِ انسان کو بتلادئے گئے تھے (۳) اس کے بعد اللہ کا فرمان جو حضرت ادریس علیہ السّلام کے بارے میں ہے اسے نقل کرتے ہوئے فرمایا واذکر فی الکتاب اِدریس (مریم آیت ۵۶) میرے حبیب، آپ ادریس کو کتاب میں یاد کرو کہ وہ سچےّ نبی تھے۔ حضرت ادریس علیہ السلام کو اللہ نے علم فلکیات کے فن کا معجزہ عطاء فرمایا تھا اسرائیلیات میں آپ کو ہرمُسِ اوّل (اوّلین ماہرِ فلکیات ونجوم)

اورحضرت نوح علیہ السّلام کے جدِّ امجد کے طور پر بتلایا گیا ہے آپ کی پیدائش مصر میں قریہ ''مَنف'' میں اہرامِ مصر کے علاقہ میں ہوئی یا پھر بابل (عراق میں بغداد کے علاقہ) میں ہوئی اور وہاں سے آپ نے مصر کو ہجرت فرمائی، جو بھی ہو!

آپ کی پیدائش حضرت آدمؑ کی دنیا میں آمد سے ۸۹۲ ویں سال میں بتلائی گئی ہے اور آپ کا نام (عبرانی میں) خنوخ یا ارنوخ اور ادریس لقب بتلایا ہے اور آپؑ نے حضرت شیث بن آدم علیہ السلام سے تعلیم لی اوَر بھی مختلف اقوال مفسّرین نے نقل کئے ہیں، آپ کو یوحنّا اور اَیلیا بھی کہا گیا ہے جنہیں آسمان پر اٹھا لیا گیا ہے (جلالین، موضح القرآن وغیرہ) معلوم ہوا کہ انسان کلفت سے بچنے کے لئے پہلے سے کوشاں رہا ہے یہ الگ بات ہے کہ وہ اپنی ضرورت کی حدود کے دائرہ سے تجاوز کرنے کی فضول محنت کر رہا ہے۔

دینِ کامل وقرآنی احکام

خالقِ کائنات قادر مطلق، کامل واکمل ذاتِ باری تعالیٰ نے تمام ادیان ونبیوں کے بعد دینِ اسلام کو خاتم الانبیا صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ کامل طور پر اُتارا اور دینی احکام تمام کے تمام مکمّل طور پر نازل ہو چکے اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نہ تو کوئی نبی ہے اور نہ ہی کوئی نئی شریعت ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قُربِ قیامت جو

ورود ہوگا اس وقت آپؑ شریعتِ محمّدی صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی پیروی کریں گے اور لوگوں کو اِسی کی دعوت دیں گے!

مگر آپؑ سے قبل کئی کذّاب نبوت کا دعوہ کریں گے جیسے مرزا غلام قادیانی ملعون نے بھی مسیحِ موعود اور نبی ہونے کا دعویٰ کیا اور مردود ہوا، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:۔ **الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دیناً** ترجمہ: آج میں پورا کر چُکا ہوں تمہارے لئے تمہارا دین اور پورا کیا میں نے تم پر اپنا احسان (المائدہ آیت ۳)۔

فوائد: (۱) حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ آیت تقریباً احکامِ قرآن کی آخرِی آیت ہے اس کے بعد کوئی آیت احکامِ الٰہیہ سے متعلق نازل نہیں ہوئی صرف ترغیب وترہیب کی چند آیتیں ہیں جن کا نزول اس آیت کے بعد بتلایا گیا ہے (۲) یہ آیت حجّۃ الوداع کے موقعہ پر عرفہ کے روز جس دن جمعہ تھا، جبلِ رحمت کے قریب عصر کے بعد نازل ہوئی درانحالیکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اونٹنی '' عضباءٗ'' پر سوار تھے جو وحی کے بوجھ سے دبی جا رہی تھی یہاں تک کہ بیٹھ گئی (۳) اِس آیت میں یہ بتلایا گیا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر آپ صلی اللہ علیہ وسلم تک نعمتِ الٰہی اور دینِ حق کا نزول درجہ بدرجہ جو شروع ہوا تھا اس دینِ حق ونعمتِ الٰہی کا انتہائی معیار آج آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر مکمل کر دیا، اِکمالِ دین

کا مطلب بقول صحابی رسول حضرت عبداللہ ابن عبّاس رضی اللہ عنہما یہ ہے کہ دین کے تمام احکام کو مکمل نازل کردیا گیا اب اس میں نہ تو زیادتی کی ضرورت ہے اور نہ ہی منسوخ ہوکر کمی کا احتمال!

(۴) تفسیر بحرِ مُحیط میں بحوالہ قفال مروزی نقل کیا گیا ہے کہ ''پچھلے انبیاء کو جو شریعت دی گئی تھی وہ اگرچہ ان کے زمانہ کے لئے کامل تھی مگر ایک کے بعد دوسرے نبی کے لئے اُن کی پچھلی شریعت و دین منسوخ کر کے نئی شریعت و دین دیا گیا یہاں تک کہ تمام شریعتوں کو ختم کر کے آپ ﷺ کو اَیسا دین دیا گیا جو پچھلے انبیاء کو دیئے گئے تمام ادیان کا خُلاصہ و کامل دین ہے اور پچھلے ادیان و انبیاء کی بہ نسبت ہر خِطّہ و ہر زمانہ اور ہر قوم کیلئے اب یہی ایک نبی اور ایک دین ہے اب نہ تو اس میں کوئی تبدیلی ہوگی اور نہ ہی اس کی ضرورت پڑے گی یہ ہر جہت و حیثیت سے کامل و مکمل ہے۔

(۵) اس آیت کے نزول پر صحابہ رضی اللہ عنہم تو خوش ہو رہے تھے مگر حضرت عمر رو رہے تھے وجہ پوچھی گئی تو جواب دیا کہ معلوم ہوتا ہے کہ اب آپ ﷺ کا وصال ہو جائے گا کیونکہ دین کی تکمیل کے ساتھ اب رسول کی موجودگی کی ضرورت بھی پوری ہوچکی آپنے حضرت عمرؓ کے اِس اندازہ کی تصدیق بھی فرمائی (تفسیر ابن کثیرؒ پ۶ ص۴۹) (۶) آپ ﷺ اس آیت کے نزول کے بعد صرف اکیاسی

روز زندہ رہے (۷) اس آیت میں تمام انبیاء و رُسُل میں سید الانبیاء ﷺ کی سعادت و امتیازی شان کے اظہار کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ کی اُمّت کی امتیازی شان کا بھی واضح اشارہ موجود ہے۔

یہی وجہ ہے کہ یہودیوں کے علماء، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ قرآن میں ایک آیت اَیسی ہے کہ اگر ہم پر نازل ہوتی تو ہم اس کے نزول کا جشنِ عید مناتے تو فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ ہاں ہم جانتے ہیں کہ یہ آیت کس جگہ اور کس دن نازل ہوئی! حضرت عمرؓ کا مطلب یہ تھا کہ واقعی ہم بھی اس کی اہمیت کے قائل ہیں اور اس آیت کے نزول کا دن جو جمعہ اور عرفہ کا روز ہے وہ دونوں پہلے ہی ہماری دوہری عید (خوشی) کے دن تھے اس لئے اس کے جشن کی ضرورت نہیں (معارف القرآن ج۳ ص۷۹)۔

معلوم ہوا کہ دین آپ ﷺ پر مکمّل ہو چکا ہے اب اس میں آپ کے بتلائے ہوئے اصول و طریقہ کے خلاف تبدیلی نہیں ہوسکتی! جب دین مکمّل ہو چکا اور اصول و نصوص موجود ہیں تو اس صورت میں فلکیات کو نصوص پر ترجیح دینے کا مطلب ''دین کی تکمیل کا انکار، ختمِ نبوّت کے عقیدہ کے انکار کا مترادف''! لہٰذا اصلاً یہ ہرگز قابلِ قبول نہیں۔

شاہ ولی اللہ مُحدِّث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

اور ہیئت وفلکیات اور

((**فتویٰ** ۱-۴)) آپؒ نے آں حضرت ﷺ کے حوالہ سے فرمایا؛ بنی اسرائیل میں اعتدال رہا کیا یہاں تک کہ ان میں ''مخلوط النسل لوگ اور قیدیوں کی اولاد پیدا ہوئی'' تب اُنہوں نے ''اپنی رائے کو مذہب میں دخل دیا'' وہ خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا''، اَیسے ہی ہمارے مذہبِ اسلام میں بھی (جہاد میں گرفتار یا مفتوح علاقوں کے باسیوں سے) بنی اسرائیل کے علوم، خطبائی جاہلیت کے تذکرے، یونانیوں کا فلسفہ ، بابلیوں کی دعوات، پارسیوں کی تاریخ اور علمِ نجوم ورمل اور علمِ کلام مخلوط ہوگیا ہے (حجۃ اللہ البالغہ ص ۱۹۷)، نیز فرمایا ''شارع نے استقبالِ قبلہ اور نمازِ عیدین کے اوقات معلوم کرنے کیلئے لوگوں کو علمِ ہیئت یا ہندسہ کے مسائل حفظ کرنے کی تکلیف نہیں دی'' (ایضاً ص ۱۸۲)۔

اِسی طرح (فلکیاتی حساب سے غیر مشروط) ۲۹ ویں قمری کی شام کو چاند کی رویت یا تیس دن مکمّل ہونے پر ہی رمضان شروع کرنے پر زور دیتے ہوئے آگے آپؒ فرماتے ہیں'' اِشباہ کی صورت میں اُس اصل (یعنی قرآن وسنت) کی طرف رجوع کرنا ہوگا، نیز منشاء ان امور پر ہے کہ جن کو بے پڑھے لوگ بھی

جانتے ہوں'' **تعمّق اور محاسباتِ نجومیہ پر اُنکا مبنیٰ نہیں ہے بلکہ شریعت تو ان چیزوں کے مٹانے کیلئے آئی ہے** ''، چنانچہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے انّا نحن اُمۃٌ اُمیۃٌ لانکتب ولا نحسب ہم بے پڑھی اُمت ہیں نہ لکھتے ہیں نہ حساب کرتے ہیں'' (ایضاً ص ۳۷۶)۔

مطلب یہ کہ آپ ﷺ کے قول وعمل پر عمل کرنا ہوگا اور فلکیات کو اس میں دخیل نہیں بنایا جائے گا کہ آپ ﷺ نے فلکیاتی مفروضات کی تردید فرمائی گئی ہے کیونکہ دینِ اسلام '' دینِ فطرت'' ہے جس کے احکام خصوصاً اوقاتِ نماز وثبوتِ ہلال کی بنیاد فطرتی ہوگی! یعنی عام انسان مثلاً شہری، دیہاتی، جنگلی سب اوقاتِ نماز کی علامات اور چاند دیکھنے کے سادہ عمل سے مہینہ کی ابتداء اور نمازوں کے اوقات پر عمل کرلیں۔

قاری محمّد طیب صاحبؒ۔ آپ فرماتے ہیں: جو شخص سائنس کو دینِ اسلام کا وسیلہ بنا کر استعمال کرے گا وہ اسلام کو قوّت پہونچائے گا اور جو اسے مُستقلاً مقصود بنا کر عمل میں لائے گا (تو وہ) اپنے نفس کو ضعف اور ضرر پہونچائے گا مگر اسلام کا اِس سے کچھ نہ بگڑے گا (سائنس اور اسلام ص ۶۴۲)، آپؒ کے اس پورے مقالہ سے ثابت ہوتا ہے کہ سائنس کو دین کی لونڈی تسلیم کیا جائے اور سائنسی ترقّی کو دینِ اسلام کی اصلیت کے بالمقابل اصل ومقصود نہ مانا جائے۔

حکیم الامتؒ جنہوں نے **علامہ حسین آفندی**ؒ کی کتاب کی اِفادیت
کے مدِّ نظر اسے عربی سے اردو میں ترجمہ کروایا اس میں علامہ نے ایک جگہ
سائنس کا اسلام سے تقابل کرتے ہوئے ''اسلامی نظریات کی اصلیت'' کو ثابت
کیا ہے اور اپنی اسی کتاب میں ایک جگہ علاّمہ ابن الحاجؒ کے قول کو نقل فرمایا ہے
جس میں انہوں نے مدخل (کتاب) کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ ''**رہتی
دنیا تک اسلامی اصول واحکامات خیر القرون ھی میں
مُنحصِر رھیں گے**''، ملاحظہ ہو:

((**فتویٰ۔۵**)) ''(قرونِ ثلاثہ کے بعد) جتنے لوگ ان کے بعد آتے گئے وہ
باعتبار غالب اُنہی کے مقلِد اور تابع رہے، اگر ان کے بعد والے لوگوں کیلئے کوئی
''فقہی امر'' یا کوئی ''فائدہ'' ان کے خلاف ظاہر ہوا تو وہ ''قابلِ ردّ'' ہے اس سے
**میری مراد یہ ھے کہ جو احکام پہلے مقرّر ھو چکے ھیں اُنمیں سے
کسی میں کمی بیشی کریں تو وہ بالاجماع قابلِ رد ھے۔**

(فرماتے ہیں:) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: امتی مثل المطر لایدری ایہ انفع
اولہ او آخرہ، **ترجمہ**: میری اُمت بارش کے مثل ہے یہ نہیں معلوم ہوسکتا کہ
اس میں سے کون زیادہ نافع ہے پہلی یا پچھلی (امت)! یعنی خیر و برکت دعوت الی
اللہ اور احکام کے بیان کرنے کے اعتبار سے'' نہ یہ کہ وہ احکام میں سے کوئی نیا حکم
نکالیں گے'' (مطلب یہ کہ اگلوں اور پچھلوں میں ایک دوسرے پر سنن پر عملاً مسابقت ہوسکتی ہے مگر

اس کا یہ مطلب نہیں کہ پچھلوں کے انفع ہونے کی وجہ دین میں وہ نئے نئے کام وبدعات نکالیں گے!)

(**مزید فرمایا**'' قرونِ ثلاثہ کے لوگ اپنے بعد والوں سے بہتر ٹھہرے اور
''بعد والوں کو دینی بھلائی اور بہتری اُس وقت تک کبھی حاصل نہیں ہوسکتی جب
تک وہ اِنہی قرونِ ثلاثہ کا اتباع نہ کریں''، جن کی رسول اللہ ﷺ نے بہتری کی
شہادت دی ہے'' (سائنس اور اسلام ص ۵۳۱)

خلاصہ: امت کے بحارِ علوم محدِّث ومجدِّدِ وقت حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ، علاّمہ
آفندی، اور ابن الحاج رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کے اقوال سے ثابت ہوا کہ دینی امور
میں اسی بات کی اتبّاع ہوگی جو ''منصوص اور قرونِ ثلاثہ میں معمول بہا ہو''
اور انہیں چھوڑ کر ''نیا کام وتاویل اور نظریہ'' امورِ دین میں سے نہ ہوگا بلکہ وہ باطل
ہوگا لہٰذا ''ہیئت وفلکیاتی نظریات پر مُنحصِر امور میں مثلاً اسلامی تاریخ کے تعین میں
اور نمازوں کے اوقات میں ''مفروضہ فلکیاتی حسابات کا عمل دخل'' جائز نہ ہوگا اور
حکماً وہ ردو باطل ہوں گے!

قرآن! رہبرِ ہدایت یا سائنس کی کتاب؟

پچھلی تفصیلات سے معلو ہوا کہ دین اسلام کامل ومکمّل جب آپ ﷺ پر
نازل ہوگیا تو آپ ﷺ کے وصال کے بعد اب اس میں کمی بیشی کا ذرّہ برابر
امکان نہیں کیونکہ سلسلۂ وحی منقطع ہو چکا!

اب ہم کلام اللہ کی اُن آیات کی طرف متوجّہ ہوتے ہیں جن میں بظاہر سائنسی بحثیں ہیں اور اُن آیات پر ہم نظر دوڑاتے ہیں جن کے حوالہ جات سے استدلال کرتے ہوئے ہر مؤمن و مسلمان کا سر کلام اللہ کی صداقت اور نبی اُمیّ ﷺ کی پیغمبری کی سچّائی کے ثبوت پر فخر سے بلند ہوجاتا ہے کہ چودہ سو سال پہلے نازل شدہ کتاب اللہ میں جو باتیں نبی اُمیّ پر اُتریں کل تک تو اُن پر صرف ایمان بالغیب کا یقین تھا مگر اب جیسے جیسے راز ظاہر ہورہے ہیں ایمان بالغیب عین الیقین کا مرتبہ پاچکا، مثلاً اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔ **ولقد خلقنا الانسان من سلالۃ من طین ثم جعلنٰہ نطفۃً فی قرار مکین ثُمّ خلقنا النطفۃ علقۃً فخلقنا العلقۃ مضغۃ فخلقنا المضغۃ عظاماً فکسونا العظام لحما ثم انشائنٰہ خلقاً آخر فتبارک اللہ احسن الخالقین** (المؤمنون آیت ۱۲،۱۳اور ۱۴)۔ اِس آیت میں قادرِ مطلق نے انسان کی پیدائش کے مراحل نبی اُمیّ ﷺ کی زبانِ مبارک سے تفصیلاً بیان فرمائے ہیں اِس پر غیر مسلم سائنسدانوں نے حالیہ زمانہ کے سائنسی ترقیاتی ذرائع کے تجربات کے حوالوں سے حیرانگی کا اظہار کرتے ہوئے قرآن کی سچائی پر اپنی مہرِ تصدیق ثبت کی ہے کہ اِن آیات کا حرف بحرف سچّا اور ''مشاہدَ'' ہے مثالاً ایک واقعہ درج کیا جاتا ہے!

''**ڈاکٹر کیتھ ایل** نے ۱۹۸۱ء میں دمام سعودیہ میں ساتویں سائنسی

کانفرنس میں ایک تقریر کی اور اُن سے سوالات و جوابات بھی ہوئے جس میں وہ فرماتے ہیں کہ میں محمّد ﷺ کو پیغمبر مانتا ہوں اس لئے کہ (مذکورہ آیات کی) یہ معلومات چندانکہ صدیوں پہلے تک منکشف ہی نہیں ہوئی تھیں اور تسلیم کرتا ہوں کہ قرآن اللہ کا کلام ہے چارسال پر مشتمل قرآن واحادیث کے محدود مگر پرزور مطالعہ نے مجھ پر ''انسانی جنین'' کی ترتیب و درجہ بندی کے طریقہ کار کو منکشف کردیا ہے جو کہ واقعی تعجّب خیز ہے، حالانکہ ''یہ (قرآن) ساتویں صدی عیسوی میں نازل ہوا ہے تاہم 'ارسطو' جو چوتھی صدی قبل مسیح میں ہوا اور جسے جینیات کی سائنس کا موجِد کہا جاتا ہے کہ اس نے مرغی کے انڈہ کے مطالعہ کے بعد لکھا کہ چوزہ کا جنین کئی مراحل سے گذرتا ہے'' لیکن درجہ بندی کی تفصیلات کو وہ نہیں بتا سکا'' (سائنسی انکشافات ص ۷۵)۔

نیز **ڈاکٹر ٹی وی این پرشاد** فرماتے ہیں کہ ''مجھ پر یہ بات بالکل عیاں ہے کہ محمّد رسول اللہ ایک عام آدمی تھے نہ تو لکھنا جانتے تھے اور نہ (ہی لکھا ہوا) پڑھ سکتے تھے درحقیقت وہ اُمیّ تھے، ہم آج سے چودہ سو سال پہلے کی بات کرتے ہیں کہ اَیسا شخص جو اُمیّ تھا (وہ قرآن واپنے بیان میں مذکور آیتِ جنین قسم کے) اَیسے عمیق اور ہمہ گیر معانی کے حامل بیانات اور اعلانات کررہا ہے!

اور حیرت کی بات یہ ہے کہ یہ بیانات سائنسی فطرت کے معیار پر پورے

اُترتے ہیں، میں ذاتی طور پر نہیں سمجھتا کہ یہ نرا اِتفاق کے طور پر ہو سکتا ہے کیونکہ وہاں اور بہت سی باتیں بھی بالکل صحیح ہیں اور جیسا کہ **ڈاکٹر مُور** نے بھی کہا ہے کہ میرے ذہن میں اس بارے میں کوئی اُلجھن نہیں کہ یہ ''قرآن الہامِ ربّانی ہے یا نزولِ آسمانی ہے جو اِن بیانات کی رہنمائی کرتی ہیں'' (ایضاً ص ۲۲۰)۔

معلوم ہوا کہ قرآن ہدایت کے لئے ہے نہ کہ سائنس کے ثبوت کے لئے کیونکہ یہ تحقیقات تو ابھی ہوئیں جبکہ کلام اللہ نے چودہ سو سال پہلے ان کی خبر دیدی تھی! اور مُحقّق وہ ہے جو چودہ سو سال پہلے بیان ہو چُکا! لہٰذا سائنسی تحقیق پر قرآن کو منطبق ہرگز نہیں کیا جائے گا بلکہ اگر سائنس کا قرآن سے اختلاف ہو تو اس صورت میں سائنسی تحقیق میں کمی و نقص ہونے کو تسلیم کرنا پڑے گا! اور ویسے بھی قرآن چونکہ سائنس کی کتاب نہیں بلکہ یہ مخلوقات و اشرف المخلوقات (انسان) کا ان کے خالق سے تعلّق و آداب پر مشتمل کلام ہے اگرچہ اس میں بیان کردہ باتوں کا ضمناً سائنسی تحقیقات سے مرتبط ہونا ثابت ہو جائے جیسے کہ ''انسانی جنین'' کے حوالہ سے گزرا اور اس کے علاوہ بھی بہت سی باتیں ہیں جنہیں لوگوں نے اپنے تئیں سائنس سے منطبق ثابت کی ہے جیسے کہ **ڈاکٹر ھارون یحی** نے اپنے و دیگر حوالہجات سے دل لگتی بڑی زبردست اس کی وکالت فرمائی ہے مگر اس کے باوجود یہ نہیں کہا جائے گا کہ ''کلام اللہ میں بیان کردہ ہر بات تب

صحیح ہو گی اگر وہ سائنس کی بنیاد پر صحیح ثابت ہو!''

اس ''سائنسی نتیجہ و مقولہ کی بنیاد'' کی وجہ یہ ظاہر کی جا رہی ہے کہ اب تک جتنا کچھ سائنس سے ثابت ہوا ہے اس سے قرآن کی سچائی ہی ثابت ہوئی ہے لہٰذا وہ باقی باتیں جو ہزار محنت کے باوجود سائنسی تحقیقات سے میل نہیں کھاتیں اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ و خیر القرون سے منسوب ''قرآنی احوال، احادیث و تفاسیر'' میں جو کچھ مذکور ہے ان میں ''قرآنی آیات'' کے ایسے معانی و مطالب بیان ہوئے کہ جن کی وجہ سے وہ سائنسی بنیاد سے مرتبط نہیں ہو پا رہے ہیں'' اس لئے ان میں تاویل کر دی جائے! (لاحول ولاقوۃ الا باللہ)

در اصل اس سوچ کی بنیادی خرابی ہی یہ ہے کہ اس میں ''سائنس کو اللہ تبارک و تعالیٰ اور اس کے کلام پر فوقیّت دی جا رہی ہے'' یعنی پیغمبرانہ کلام اقوال و اعمال جو قرآن کی تفسیر کے زمرے میں آتے ہیں اور جس کے متعلق صاحبِ قرآن خود اپنے اسی کلام میں فرماتا ہے ''وما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحیٰ (النجم، آیت ۳،۴) کہ آپ اپنی خواہش کے بجائے ہماری طرف سے وحی کی گئی بات ہی کہتے ہیں''، تو صاحبِ قرآن کے کلام کی وہ تعبیر جو وما ینطق عن الھویٰ کے ماتحت ہو اور جس کی گواہی خود صاحبِ قرآن اپنے حبیب، خاتم الانبیاء والمرسلین کی اسی زبان سے کہلوائیں جس سے خود اس

کا کلام یعنی قرآن مجید کہلوایا کسی بھی طرح ''سائنسی بنیاد'' پر پرکھا نہیں جاسکتا!

قرآن کے ''وحیانہ معانی'' کی تاویل کرکے ''سائنسی معانی'' کا جامہ ہرگز اسے نہیں پہنایا جاسکتا! کیونکہ (۱) قرآن اصلاً خالقِ مخلوقات کا کلام ہے جس کی تعبیر خالق کے بجائے مخلوق (یعنی سائنس اور سائنسداں) کرے یہ وہ غیرفطری دلیل ہے جو ان کا رتبہ وحی سے بالاتر کرتا ہے (۲) نیز اس سے نہ صرف وحی پر بلکہ صاحبِ قرآن و وحی ﷺ پر بھی اس کی برتری کو لازم کرتی ہے (۳) نیز سائنس تو ''ہر موجود کے لئے مادّہ کی قائل ہے'' جبکہ اللہ تبارک وتعالیٰ اور اس کا کلام تو مادّہ سے پاک ہے کیونکہ مادّہ تو مخلوق کی بنیاد ہے ورنہ تو یہ خالق ہی نہیں! نعوذباللہ

معلوم ہوا کہ اہلِ سائنس قرآن کی سچائی کے ثبوت میں کتنے ہی دلائل کیوں نہ پیش کردے سائنس نہ تو اس سے برتر ہے اور نہ ہی سائنس قرآن کی تفسیر ہے اور نہ ہی قرآن سائنس کی کتاب ہے! اس قسم کے دلائل وہ خطرات ہیں جو ایمان باللہ اور ایمان بالغیب کی بنیادوں کو ہلا کر رکھ دیتا ہے۔ بہت سے خداداد عقل والے سائنس کی بنیاد پر اپنے ایمان سے ہاتھ جو دھو بیٹھے تو اس کی وجہ ہی یہ ہوئی کہ انھوں نے عقل وسائنس کو آسمانی کتب میں تاویل کرکے ان کی بنیادی تعلیمات کو بھلا دیا اور آج حقیقی کتب معدوم ہوگئیں جس کا اوّلین سبب ان کتب کے ماننے والے اور ان کے یہ نامی محافظ ہی تھے ویسے ہی اب یہی کچھ قرآن کے معانی کے

ساتھ ہونے جا رہا ہے جو کسی سے مخفی نہیں!

قرآن کا تبدیل ہونا یہ تو محال ہے کہ اس کی حفاظت کی قسم خود صاحبِ قرآن نے انا نحن نزّلنا الذکر و انّا لہ لحفظون سے کھائی ہے، یہی وجہ ہے کہ قسمت آزماؤں نے اس میں مار کھائی مگر دشمن تو دشمن قرآن کو ماننے کے دعویدار خود صدیوں سے اس کے معانی میں اپنی سوچ ومرضیات کی تاویلات کے درپئے ہیں اور اب اس میں مزید اضافہ ہو چکا ہے اور یہی خطرہ کی گھنٹی ہے مسلمان خاص کر علماء کہیں اپنی عقل یا سائنس پر یہود ونصاریٰ کے اپنے دین وکتب کی بربادی کا سبب بننے کی طرح نہ ہوجائیں اور ان کا ہاتھ بٹانے میں لگ جائیں!

اللہم احفظ الاسلام والمسلمین

آپ ﷺ و اُمّت کی اُمیت اور قرآن کے فلکیاتی مضامین!

اب فلکیاتی مضامین کی حامل آیات کو دیکھتے ہیں! مثلاً:۔ اللہ فرماتے ہیں: ھوالذی جعل الشمس ضیاءً والقمر نوراً وقدّرہٗ منازل لتعلموا اعداد السّنین والحساب (یونس آیت ۵) الشمس والقمر بحسبان (الرّحمان آیت ۵) والشّمس تجری لمُستقر لھا ذٰلک تقدیر العزیز العلیم والقمر قدّرنہٗ منازل حتیّٰ عاد کالعُرجون القدیم لاالشّمس

ینبغی لھا ان تُدرک القمر ولا الّیل سابق النّھار و کُلٌّ فی فلک یسبحون (یٰس آیت ۴۰)

آپ ﷺ پر یہ آیات یونانیوں اور ان کے علوم کی کمتری و تردید اور ان کے مقاصد و فلکیاتی مفروضوں سے توجہ ہٹا کر اللہ کی وحدانیت کی طرف دعوت کے لئے اجمالی طور پر نازل کی گئیں، کسی مؤمن کا قرآن پر ایمان کا دعویٰ کرنا یہ اس کا اس بات کا اقرار کرنا ہے کہ یہ **اُمّــــی** نبی (ﷺ) پر نازل ہوا ہے اور صحابہؓ و خلفائے راشدین نے اسے سُنا، پڑھا اور ہم سے زیادہ سمجھا!

پھر یہ بھی ایک تاریخی حقیقت ہے کہ اُمتِ مسلمہ بھی تب سے اب تک اِنہیں پڑھتی، سنتی اور سمجھتی چلی آئی ہے، اِن آیات کو جب فلکیاتی سائنس کے حوالہ سے دلیل کے طور پر پیش کیا جاتا ہے تو اِنہیں اس انداز میں پیش کیا جاتا ہے کہ نعوذ باللہ گویا یہ آیات ابھی ظاہر ہوئیں خاص کر جب فلکیاتی مفروضہ حساب کو احکامِ شرع میں دخل انداز کے طور پر نصوص واصول پر فوقیت دیتے ہوئے پیش کر کے کہا جاتا ہے کہ آپ ﷺ کے زمانہ میں یہ تحقیقات نہ تھیں!!!

چونکہ فلکیاتی تحقیقات آپ ﷺ کے زمانہ میں نہ تھیں اس لئے احکامِ شرع اگرچہ نصوص سے ثابت ہیں ان نصوص پر عمل کے بجائے انہیں چھوڑ کر فلکیاتی سائنس کے مفروضات پر عمل کرنے کو اصل قرار دیکر فلکیاتی حسابات کا عمل دخل

جائز کر دیا جائے! اس ذہنیت پر دلیلاً مذکورہ آیات اور ان جیسی دیگر آیات کو ان کی طرف سے پیش کیا جاتا ہے جو علمیت و عقلیت کی بلندیت کے دعویدار ہیں حالانکہ وہ اس سے انجان نہیں کہ یہ آیات وہی ہیں جو اللہ عزوجل کی شاگردی میں جبرئیلِ امین کے ذریعہ اُمی (ﷺ) پر چودہ سو سال پہلے نازل ہوئی تھیں!،

تو آج جن فلکیاتی حسابات و تھیوری حوالہ ان آیات سے جو دیا جا رہا ہے کیا اس وقت اس علم کا وجود نہ تھا؟! تو اس کا جواب یقیناً بالاتفاق نفی میں ہے کیونکہ اوّلاً تو یہ آیات خود ہی اس بات کی شہادت ہے کہ آپ ﷺ کے وقت میں یہ علم موجود تھا اگر نہ تھا تو پھر ان آیات میں بیان کردہ مضمون کے نتیجہ کی تکمیل و تعبیر کیسے ہوگی؟ لہٰذا ان آیات سے مطابقت تب ہی ہوگی جب تسلیم کیا جائے کہ اس علم کے حوالہ سے اس کے جاننے والے تب موجود تھے! پھر اس کی قطعی و اوّلین شہادت خود آپ ﷺ کے پڑوسی ''یہودِ مدینہ'' کی ہے جنہیں اس علم کے حوالہ سے ناز تھا جس کی بناء پر انہوں نے صحابہ پر سوالات کی بوچھاڑ کر دی تھی!

نیز ایسی باتیں کہنے والا خود اپنی علمیت و تاریخِ فلکیات سے لاعلم ہونے کا قطعی ثبوت ہی پیش کر رہا ہوتا ہے! کیونکہ اس فن کی جڑیں نہ صرف ماقبل اسلام بلکہ ماقبل عیسیٰؑ آج سے پانچ ہزار سال سے بھی زیادہ عرصہ پہلے سے پائی جاتی ہیں اور حیرت انگیز بات یہ ہے کہ نہ صرف مابعد عیسیٰ علیہ السلام بلکہ ماقبل کے

ماہرفلکیات اپنے فن میں بھی بہت ترقی کر چکے تھے، **مثلاً:۔** ۱۸۰۰ قم میں وادِیٔ فرات میں بابُل (عراق میں دریائے دجلہ وفرات کے درمیان ہاشمیہ شہر کے قریب ماقبل مسیح کا شہر جس) کے بادشاہ حمورابی نے فلکیات میں خوب ترقّی کرلی تھی نیز بعد میں بعض نے تو ۷۴۷ ماقبل مسیح سے لیکر مابعد مسیح تک سورج گہن کی نوسو(۹۰۰) برس تک کی پیشگی تقویم بھی بنالی تھی، طالس یا تھلیز (660 قم) نے سب سے پہلے کواکب کی حرکت معلوم کرنے کے لئے ژیچ (تقویم) بنائی اور خسوف کی پیش گوئیاں کیں، پھر مشہور فلسفی لِیکس تھنیز (360 قم) یونان سے خاص سفر کرکے بابُل (بغداد، عراق) گیا تھا تاکہ وہاں کی اکیڈمی سے فلکیات کا مطالعہ کرے! اُس نے بابُلی ماہرینِ فلکیات کے ''پچھلے دو ہزار سالہ فلکیاتی تحقیقات کا ذخیرہ'' وہاں سے یونان میں اپنے چچا ''ارسطو'' (۳۸۴ قم) کو بھیجا تھا، ابرخس (140 قم) نے اپنے بعد کے چھ سو سال تک کے خسوف (چاند گہن) کی تاریخیں لکھ چھوڑیں، پھر عیسیٰ؈ کے بعد بطلیموس (۱۰۹ء) آپ ﷺ سے ۵۶۰ برس پہلے ہوا اس کے پاس 747 قبل مسیح سے لیکر اگلے 887 برسوں تک کے بابلی نقشے وزائچے موجود تھے جس میں چاند اور سورج گہن کی یقینی پیش گوئیاں موجود تھیں اور یہ سارا ذخیرہ آپ ﷺ کے زمانہ میں بھی موجود تھا! پھر عربوں کا اس سے مانوس ہونا نہ صرف مقامی عرب یہود ونصاریٰ کے واسطہ سے تھا بلکہ پڑوسی رومی وفارس کے مخصوص علاقوں (یمن، شام) کی طرف ان کے تجارتی اسفار کی وجہ سے بھی تھا۔

یہی وجہ تھی کہ کلام اللہ میں اہلِ کتاب خصوصاً یہودِ مدینہ کے اس فلسفہ پر گھمنڈ کے رد میں اپنے امّی حبیب ﷺ کے معجزہ کے طور پر کئی آیات کا ذکر ہے جن سے نہ صرف ماقبل اسلام بلکہ مابعد کے نامی فلاسفرز کی علمیّت کی پستی واضح کی گئی! چونکہ شرعاً دینِ اسلام میں ان مفروضہ حسابات کا اصلاً اعتبار نہ تھا آپ ﷺ نے اس کا انکار فرما کر اس سے اعتناء برتا، اگر یہ بات نہ تھی تو پھر آپ ﷺ اُسی وقت فلکیات کو ان آیات سے ثابت کرتے اور اس

کے علم کو سکھنے سکھانے کی طرف امت وصحابہ کو ضرور راغب فرماتے! آپ ﷺ جو کہ شارع ہیں کیا یہ حضرات آپ ﷺ کی بہ نسبت خود کو شارع ثابت کرتے ہوئے دین کی تکمیل میں تنقیص کے مستلزم نہیں؟! اگر ان کی منطق کو دین میں اصلاً تسلیم کرلیا جائے تو پھر مطلب تو یہی ہوگا کہ ''باب الشّہادۃ'' کہ جس کا مدار اسلام کی ابتداء سے ہی غیر دینی شرائط (مثلاً فلکیاتی مفروضات) سے پاک صاف محض گواہ کے ایمان کی شرط پر ''قطعیّتِ شہادت'' کا مستلزم ہے کیا اسے ''فلکی مفروضات'' اور رصد گاہی پیش گوئیوں سے مشروط کرکے کہا جائے کہ ان کے مطابق گواہی ہو تو قابلِ قبول ورنہ رد باطل! لا حول ولا قوۃ الا باللہ

شرعاً سائنسی تحقیقات کے باطل ہونے کے کئی نقلی دلائل ہیں مثلاً، آپ ﷺ کا فرمان ہے ''بچّہ اسکا ہے جس کے بستر پر وہ پیدا ہوا'' مگر جب خون کا تجزیہ ثابت کرے کہ بچہ شوہر کا نہیں ہے تو اب آپ ﷺ کا فرمان صحیح مانا جائیگا یا یہ تجزیہ؟! جس کے متعلق سائنس دانوں کا دعویٰ ہے کہ وہ سوفیصد صحیح نتیجہ دیتا ہے!

سوچنے کا مقام ہے کہ قاضی وجج کیا آپ ﷺ کے فرمان کے مطابق شوہر، زوجہ یا دونوں کا باہمی طور پر اُس بچہ کے باپ ہونے نہ ہونے کے ''دعویٰ وشہادت'' کو قبول کرے گا یا خون کا تجزیہ کرنے والے ماہر کے فیصلہ ونتیجہ کو؟،

اگرچہ عقلاً اس تجزیہ کو قبول کرنا گوارہ ہے مگر یہ کاملاً دینی تقاضہ کے خلاف ہے

یہی مثال مفروضہ درجات وحسابات کی ہے! اگرچہ ان حسابات میں تو بظاہر اس مثال کی سی نسبت بھی نہیں ہے کیونکہ آخر فلکیاتی حسابات تو تھیوری واندازے ہیں جبکہ طبّی تجزیے "شوہر کا نطفہ ہونے نہ ہونے کے متعلق حقیقت کے قریب ہیں!

پچھلے صفحات میں آیتِ شریفہ **الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی** پر تفاسیر سے ثابت ہوا تھا کہ دین آپ ﷺ پر مکمل ہوگیا اس میں کمی بیشی نہیں ہوسکتی اب اگر نصوص کے اصولوں کو جدید تحقیق کے نام پر دین سے نکال دیا جائے تو پھر دین اسلام وہ دین ہی کیا رہا جس کے لئے اللہ نے اس کے کامل ومکمل ہونے کی مُہر لگادی جس کی حقیقت یہ تھی کہ اس کے بعد احکام کی ایک بھی آیت نازل نہیں ہوئی نہ ہی اس کے بعد کوئی حکم منسوخ ہوا نہ ہی آپ ﷺ نے آئندہ اس حکم کے بدلنے کی پیشین گوئی کے طور پر یہ فرمایا کہ اگرچہ مجھے اُمیت کے حوالہ سے مفروضہ حسابات پر عمل سے ابھی تو روک دیا گیا ہے مگر مجھ سے پہلے جو یونانی فلسفی گذرے ہیں ان کی کتابوں سے جب "جدید تحقیق" آجائے تو نازل شدہ نصوصِ قطعیّہ کے احکامات کو چھوڑ کر اس پر عمل شروع کر دینا!

غور کا مقام ہے کہ کیا اس طرح کی باتیں ان آیات کے آپ ﷺ پر نازل ہونے اور آپ کے انہیں پڑھنے میں شکوک کو جنم نہیں دیتی؟! ایک ادنی مسلمان

بھی اس کا انکار نہیں کرے گا کہ نہ صرف یہ آیات آپ ﷺ پر نازل ہوئیں! بلکہ ان کا ایک ایک حرف آپ نے پڑھا، سمجھا اور صحابہ وامت کو سمجھا دیا، اس کے بعد ان آیات کو آپ ﷺ سے زیادہ سمجھنے کا مدعی ختمِ نبوّت کی کمالیّت کے منکرین کی صف میں شامل ہونے میں کیا شک رہ جاتا ہے! آپ ﷺ سے زیادہ انہیں سمجھنے والا کیا اور کوئی ہوسکتا ہے؟! ہرگز نہیں۔

کلام اللہ خاص کر یہ آیات تو اور بھی ہدایت کا سامان ہیں کہ آپ ﷺ پر یہ نازل ہوئیں، آپ ﷺ نہ صرف اِن کی تلاوت ہی کرتے تھے بلکہ اسی درمیان اُن کے احکامات کی قولاً وعملاً تشریح کرتے ہوئے اپنے اصحاب رضوان اللہ علیہم اجمعین کو قیامت تک آنے والی اُمت کیلئے بطور نمونہ اس کا درس بھی دیتے تھے۔

جس وقت تھیوریوں کے مفروضہ حسابات سے آپ ﷺ اُمت کو بشمولِ خود اُمّی قرار دیرہے تھے اُس وقت کیا نعوذ باللہ آپ ﷺ کو یہ آیات یاد نہیں تھیں؟! یا یہ کہ نعوذ باللہ آپ ﷺ اِن آیات کو بالائے طاق رکھتے ہوئے اپنی طرف سے اُمیت کا سبق دیکر **وما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یُوحی** (النجم آیت ۳ و ۴) کے مُتکلّم، قادرِ مطلق کے اس مُہر شدہ دعویٰ کو کیا جھٹلا رہے تھے؟! ہرگز نہیں ہرگز نہیں! تو پھر یہ دوراہی کیسی؟!

نامور یونانی فلاسفر جنہوں نے طبعیات، ہیئت وفلکیات، حسابات وغیرہ

غرض میدانِ فکر کے کسی ذرّہ کو اپنی حد تک نہیں چھوڑا جس پر کسی کی فکری بلندی کی پہونچ ہوسکتی تھی مگر اُس سے بھی بلند ترین حقائق کو ہمارے ان کے خالق وحدہ لاشریک لہ نے اپنے حبیب کو قرآن کی شکل میں عطاء کیا جس سے بشمول مذکورہ آیات شریفہ فلسفیوں اور یونانیوں پر آپ کو معلوماتی فوقیت سے نوازتے ہوئے ساتھ ہی آپ ﷺ کو اَلرّسُولَ النَّبِیَّ الاُمیّ (ان پڑھ نبی) ہونے کا لقب بھی عطاء فرمایا (الاعراف آیت ۱۵۷)۔

خالقِ کائنات نے نہ صرف آپ سے پہلے جو نامور فلسفی گذرے ان پر بلکہ آپ کے بعد قیامت تک آنے والے فلسفیوں اور ان کی تحقیقات پر آپ ﷺ کو نہ صرف مذہبی لحاظ سے بلکہ حکمت وفلاسفی کے قرآنی حوالہ سے بھی بلند ترین مقام پر پہونچا دیا! جس کی شہادت اہلِ سائنس کبھی کبھی خود بھی دیتے رہتے ہیں جسکی مثالیں پہلے گذریں۔

ایک طرف تو امیّ اور ساتھ ہی یہ مقام! بڑے افسوس کا مقام ہے کہ غیر مسلم تو آپ ﷺ کی اس حیثیت کا اقرار کریں کہ جو آپ ﷺ کے ذریعہ نبی کی ہر ہر بات کو اس کی حدِ کمال پر رکھیں اور صحیح پائیں اور ایک ہم مسلمان ہیں کہ کسی کے بھی قول پر الصّادق الامین کے قول وفعل میں تاویل کر دیں اور اصل کو چھپا دیں مثلاً یہ کہ ''چودہ سوسال پہلے اُمیّت تھی مگر اب نہیں''!

نعوذ باللہ کیا قرآن خاص کر اس کی یہ آیات چودہ سوسال بعذاب نازل ہوئیں جن سے موجودہ فلسفی آج کے اپنے عینی وتجرباتی مشاہدہ کو منطبق بتلا رہے ہیں؟! اللہ تبارک وتعالیٰ نے باوا آدم علیہ السلام کو نورانی وناری مخلوق کے بالمقابل علوم (وعلّم آدم الاسماء کلّھا۔۔بقرہ) سکھا کر نہ صرف ان پر بلکہ فرشتوں تک کے استاذ ''ابلیسِ لعین'' پر جو ترجیح دی اسی طرح اسی مالک نے آپ ﷺ کو جو خاتم الانبیاء والمرسلین بھی ہیں نہ صرف آپ سے پہلے گذرے نامور یونانی فلاسفر (کہ جن کے نام کا ڈنکہ آپ ﷺ کے زمانہ میں بھی بجتا تھا) بلکہ آپ کے بعد قیامت تک کے نامور وعلمیّت کے مدّعی (غیر امّی) ''نامی اساتذہ'' پر ترجیح دیتے ہوئے آپ ﷺ کی علمیّت کے ''علوِّ مرتبت'' کی نشاندہی فرمائی اور اسی علیم وخبیر نے آپ کے امی لقب کے ساتھ نہ صرف نوری (ملائکہ) وناری (جنات) بلکہ قیامت تک کی تمام مخلوقات پر علمی برتری کا اپنا کلام عطاء فرما کر ثابت کر دیا کہ علمی علوِّ مرتبت آپ ہی کے زیباء ہے! تو حقیقت سے چشم پوشی کیا اس بات کی غمّاز نہیں کہ چودہ سو سال قبل جس شخصیت کو اس قرآن سے نوازا گیا اس کی روشنی کی کشش ہم میں باقی نہ رہی! اناللہ وانا الیہ راجعون

ان نامیوں کا حال تو یہ ہے کہ آبزرویٹری والے بذاتِ خود تو فلکیاتی حساب کو تھیوری (مفروضہ) کہتے ہیں اور چائے کے بہ نسبت پیالی زیادہ گرم کہاوت کے

مثل ان کی ’’وکالت‘‘ میں یہ ان سے بھی آگے بڑھنے کی فکر میں لگے ہیں!

(قارئین اس حوالہ سے خود بھی نظر کریں اور حقیقتِ فلسفہ وفلکیات کی تفصیل، مسلمانوں کے تجربات اور ماہرین کے اقوال وتحقیقات ہماری دیگر مطبوعات میں دیکھیں کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں اور ہوائیوں کی کیا حیثیت ہے؟ دیکھو ہماری ویب سائٹ www.hizbululama.org.uk ۔

مفتی محمّد شفیع صاحبؒ دیگر مفسّرین کے ساتھ ساتھ اپنی مشہور تفسیر معارف القرآن میں آپ ﷺ کی اُمیت کے حوالہ سے آپ پر نازل شدہ تمام علوم کی حقیقت کا اقرار کرتے ہوئے یوں گویا ہیں:۔

’’اُمّی ہونا کسی کے لئے مدح نہیں بلکہ عیب ہے مگر آپ ﷺ کا ’’علوم ومعارف اور خصوصیات اور حالات وکمالات کے ساتھ اُمّی ہونا‘‘ حتیٰ کہ حیات ہی میں آپ کے لئے بڑی صفتِ کمال بن گیا اور آپ ﷺ کی زبانِ مبارک پر (چودہ سو سال پہلے) الحمدللہ جو کلام جاری ہوا اس کے چھوٹے سے ٹکڑے کی مثال لانے سے (بھی) ساری دنیا عاجز آ گئی‘‘ اھ (معارف القرآن ج۴ ص۷۹)

الحمدللہ نصوص وسنتِ نبویہ پر عمل کیلئے خصوصاً سائنسی تحقیقات کے ’’پندرھویں صدی کے نام نہاد جدید حوالہ‘‘ کے نام پر فلکیاتی تھیوریوں کے مفروضہ حسابات کو دین کے خلاف استعمال کروانے کی ’’عالمی مُہم‘‘ کے بالمقابل برِّصغیر ہندوپاک کی فقہی شخصیات ودینی حلقے خصوصاً دارالعلوم دیوبند اور اس کے ہم خیال مکاتب

و اداروں کے علاوہ سعودیہ کے دارالافتاء ریاض، حزب العلماء یوکے، جمعیۃ العلماء برطانیہ ومرکزی رویتِ ہلال کمیٹی برطانیہ (Central Moon Sighting Comeety Of G Briton) اور دیگر مکاتبِ فکر! (خصوصاً بریلوی مفتیانِ کرام خاص کر فاضل بریلی مولانا احمد رضا خان کی طرف سے فلکیاتی حسابات برائے ثبوتِ ہلال واوقاتِ نماز کے لئے ان کے فتاویٰ ایک صاف شفاف آئنہ ہے جو کسی طرح بھی اہلِ سنت والجماعت خاص کر علمائے دیوبند کے فتاویٰ سے مختلف نہیں، جن کی تفصیل ہماری مطبوعات کتب میں شائع کردی گئی ہیں، ان کتب کے اسماء شروع کتاب میں ص B پر موجود ہیں وہاں دیکھ لیا جائیاور ہماری ویب سائٹ پر بھی موجود ہیں)

مذکورہ ودیگر تمام علماء کی دوربیں نظریں ونصوصِ قطعیّہ پر اِن کا محکم ایمان اور ’’دینِ اسلام‘‘ کی نعمتِ خاصّہ کی قدردانی قابلِ توجُہ ہے کہ یہ اللہ اور آپ ﷺ ونصوصِ قطعیہ کے ساتھ ان کی ’’نمک حلالی‘‘ کی بہت بڑی مثال، کامیابی وفخر کی چیز ہونے کے ساتھ آپ ﷺ کے نقشِ قدم پر عمل کے لئے اس کے نمونہ وماڈل ہونے کی مضبوط ترین سَند ہے!

خلاصہ یہ کہ باوجود آپ ﷺ واُمت کی اُمیت کے دینِ اسلام کا آپ ﷺ کی حیات ہی میں کامل ومکمّل ہوجانا، خاتم النّبیّن ﷺ کی وفات پر ہمیشہ کیلئے وحی کا بندھ ہوجانا اور احکامات کی آمد ونسخ کے مضامین کی آیات اور اُمّت کی اُمّیت کی بقاء پر دال آیات کی موجودگی اور فلکیاتی حسابات کی کھوج سے چاند کی مختلف شکلوں کے سبب کے سوال کے اصل جواب کو اللہ قادرِ مطلق کی

طرف سے ٹال دینا، آپ ﷺ کا مفروضہ فلکیاتی حسابات پر عمل کرنے سے منع کرنا، آپ ﷺ کا اِن حسابات ِمفروضہ سے اُمت وخود کو وحی کی زبان سے اُمیّ قرار دینا، اور آپ ﷺ کا اپنی حیات ہی میں یہود وعیسائی علمائے فلکیات سے رجوع کرنے کا حکم نہ دینا اور مستقبل میں حالیہ قسم کی اس میں تحقیقات پر نصِ قطعی کے خلاف عمل کر لینے کا حکم نہ فرمانا کیا یہ دین کی کمالیّت نہیں جسے اللہ تبارک وتعالیٰ خود کہہ رہے ہیں کہ آج ہم نے آپ کا دین مکمل کر دیا!

پھر آپ ﷺ کے بعد خود صحابہ وخلفائے راشدین کا بھی ان حسابات پر عمل نہ کرنا اور خلفائے راشدین وخیر القرون اور مابعد والوں کا فلکیات سے رجوع نہ کرنے کے ساتھ ساتھ دوسری صدی ہجری میں دادا پوتا کھر پوتوں (منصور ۱۳۶ھ/۷۵۴ء اور ہارون الرشید ۷۸۶ء و مامون ۸۱۳ء) نے جو کچھ کیا کروایا اور مابعد کے اہلِ فن نے جو تحقیق کی حتیٰ کہ انسان نے چاند پر اب قدم بھی رکھدئے ہیں اور وہ کہاں سے کہاں خلاء میں ہزاروں نوری سالوں کی دوری کی طرف کمندیں ڈالے جا رہا ہے اس کے باوجود آج تک فقہائے اُمت کی طرف سے مفروضہ حسابات کو دینی حکم کے مقابل اصل قرار نہ دینا یہ سب کچھ کیا دین کی کمالیت کے دلائل اور ایمان کی بنیاد نہیں؟

افسوس کہ ایک طرف فقہاء کا استقلال ہے مگر دوسری طرف صیہونی چالوں میں آ کر قرآن سے روگردانی! اُمتِ مسلمہ کے لئے یہ ایک المیہ و چیلنج

ہے، حالانکہ قرآن تا قیامت زندہ معجزہ ہے جس میں اللہ نے اپنی مشیّت آپ ﷺ کے ذریعہ بتلادی ہے کہ انسان کائنات کی اصلیت اور اللہ کے حسابات و مقدّرات کو پاسکنے کا اہل نہیں اور نہ ہی اس کی ضرورت ہے جس پر یسئلونک عن الاھلّہ اور سارا کلام اللہ رہنمائی کر رہا ہے اس طرح اِس اُمّت کی اُمّیت بھی تا قیامت باقی رہے گی۔

معلوم ہوا کہ آپ ﷺ اپنے تمام علمی کمالات کے باوجود اُمّی تھے اس لئے کہ اُس سے انسانیت کو سبق ملے کہ وہ اللہ کو اس کے شایانِ شان مانے اس کی قدامت، خالقیت اور ربوبیت کے اسباب و مادّوں اور خالقِ کائنات کے حسابات ومُقدّرات کو تلاش نہ کرتا پھرے اور نہ ہی اس پر حقیقتوں کو منطبق کرے کیونکہ وہ اُس سے اُمّی ہے، وہ اتنا کرے جتنی اُسے ضرورت ہے اور جس کا وہ مکلّف ہے!

ہمارے زمانہ میں علمیت کے نام پر موجودہ جالوں سے نسلِ نَو کو بچانا کیا غور کا مقام نہیں؟ جبکہ قیامت کی نشانیوں میں سے ایک علامت ''قرآن کا آسمان پر اُٹھا لیا جانا'' بھی ہے! تو نصوص میں اس طرح کی اور قسم قسم کی تاویلات اور مستشرقین سے مرعوب جدید تعلیمی منصوبہ جات کے ذریعہ اسلامی عقائد کے بطلان کی کوششیں کیا اس مطلب کی حامل نہیں کہ اسطرح سے قرآن کی حقیقیت و معنویت دنیا سے اُٹھی جا رہی ہے؟!

کیا ایسے حالات میں مسلمانوں کو خصوصاً ان کے پڑھے لکھے طبقہ و علماء کی یہ ذمہ داری نہیں کہ وہ اپنی عقل کو اسلام کے مقابلہ پر سرنگوں رکھے اور اللہ کے دشمنوں کی چالوں میں نہ آئیں اور بجائے اس کے کہ وہ آپ ﷺ اور دین و پیغمبر ﷺ کے دشمنوں میں زیادتی کا سبب بنیں دین کے خادم بن جائیں؟!

دینِ اسلام میں فلسفہ و فلکیات کے دخل کی تاریخ

اسلام میں اب تک نئے داخل ہونے والوں میں وہ لوگ بھی تھے جن کی فلسفہ سے دلچسپی تھی جیسے جیسے وقت خیر القرون سے آگے بڑھا تو فلسفہ سے دلچسپی رکھنے والوں نے انگڑائی لینی شروع کر دی جس کی ابتداء غیر عربی کتب کو عربی میں ترجمہ کرنے کے نام سے شروع ہوئی اور حکومتی برادری میں سے بنوامیّہ کے **خالد بن یزید بن معاویہؓ** (۶۴ھ) نے فلسفیوں کے ذریعہ (جن میں " **اِسٹیفن** " نامی فلسفی بھی شامل تھا) بعض یونانی رسائل کو عربی میں منتقل کروایا اس طرح اسلامیوں میں یونانی فلسفہ کی راہ کے بند دروازہ کو کھولنے کی ابتداء ہوگئی! اگرچہ اس سے قبل حضرت امیر معاویہؓ نے **طب** کی کچھ کتب کا ابن آثال (عیسائی عالم) کے ذریعہ عربی میں ترجمہ کروایا تھا

حضرت مطرف بن عبد اللہ (تابعیؒ) :۔ کہا جاتا ہے کہ آپؒ فلکیاتی حسابات کے قائل تھے مگر حقیقت سے اس کا واسطہ نہیں! حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں فقد قال ابن عبدالبر لایصح عن مطرف کے الفاظ میں مطرفؒ کی

طرف فلکی حساب کی نسبت کو غیر صحیح بتلا کر اس کا رد فرما دیا ہے!

بنوامیّہ ہی کے حکومتی دور میں مروان بن حکم نے ماسرجیس (یہودی عالم) کے ذریعہ اسکندریہ کے ساتویں صدی کے ایک پادری اہرن کی طب کی ایک کتاب قرابادین کا عربی میں ترجمہ کروایا (یہ بھی کہا گیا کہ یہ واقعہ کا تعلق بجائے مروان کے عمر بن عبدالعزیزؒ سے ہے)، اس کے بعد بنوامیّہ کے آخری دور میں **ہشام ابن عبد الملک** (۱۰۴ھ تا ۱۲۵ھ مطابق ۷۲۴ء تا ۷۴۳ء) نے اپنے درباری **میر منشی سالم** کے ذریعہ **ارسطو** (Aristotle384BC) کے بعض رسائل اور **فارسی کے ایک شاہ نامہ** کو عربی میں منتقل کروایا اس کے آٹھ سال بعد ہی بنوامیّہ کی حکومت **مروان ثانی بن محمّد** کے قتل کئے جانے پر ختم ہوگئی اور عبّاسیوں کے ابوالعبّاس سفّاح نے حکومت پر قبضہ کر کے عبّاسی حکومت قائم کر دی!

(یاد رہے کہ بنوامیّہ کی ۹۱ سالہ حکومت کی ابتداء کاتبِ وحی حضرت امیر معاویہؓ سے حضرت حسنؓ کی اپنی مدتِ خلافت کے چھ ماہ ہی میں ۴۱ھ مطابق ۶۶۱ء کو صلح کا معاہدہ کرنے پر قائم ہوئی تھی)

اسلام اور بنوعباس کے دور میں یونانی فلسفیانہ نظریاتی نصاب کی مضبوط بنیاد رکھنے والا پہلا شخص ۹۵ھ میں پیدا ہونے والا " خلیفہ منصور " ہے جس نے اپنے بھائی ابوالعباس سفاح کی ۱۳۶ھ میں موت پر حکومت کی باگ دوڑ سنبھالی اور علماء پر بے پناہ ظلم کیا جن میں امام اعظم ابوحنیفہؒ سرِ فہرست ہیں (ابوالعباس وہ ہے

جس نے ۱۳۲ھ میں آخری اموی خلیفہ مروان ثانی بن محمّد کو قتل کئے جانے پر اپنی حکمرانی میں عباسی خلافت کی بنیاد رکھی تھی اس)، منصور نے ظلم اور قتل و غارت گری پر رکھی گئی عباسی سلطنت کی بنیاد کو اپنے بیٹے مہدی کی دھوکہ سے ولیعہد یت پر تقویت دی!

۱۵۸ھ میں منصور کی وفات پر اس کا یہ بیٹا مہدی بن منصور خلیفہ ہوا گیارہ سال تک کاروبارِ حکومت چلانے کے بعد ۱۶۹ھ میں اس کا انتقال ہوا تو اس کا بیٹا ہادی بن مہدی خلیفہ بنا اور دس برس کے بعد ۱۷۰ھ میں اُس کا انتقال ہو گیا تو اس کا بھائی ہارون رّشید بن مہدی (۱۷۰، ۷۸۶ء) میں حکمراں بنا جس نے ''دار الحکمت'' کے نام سے ادارہ کھول کر دنیا جہان کے فلسفیوں و مترّجموں کو اپنے پاس اکٹھا کرتے ہوئے مزید تقویت دی، یہ وہی بادشاہ و خلیفہ ہے جو حافظِ قرآن ہونے کے باوجود شراب اور رقص و سرور میں مصروف رہتا تھا!

ہارون کی وفات پر اس کا بیٹا امین (۱۹۳ھ، ۸۰۹ء) میں خلیفہ ہوا تو اس کا بھائی مامون اسے (۱۹۸ھ، ۸۱۳ء میں) قتل کروا کر حکمراں ہوا جس نے اپنے گھر دادا منصور کی رکھی فلسفیانہ بنیاد (جسے منصور کے پوتے اور مامون کے باپ ہارون رشید نے بیت الحکمت کے نام سے اکیڈمی کی بنیاد رکھ کر اسے مزید مضبوط بنا چکا تھا! اس) کو مامون نے اس میں کمی و کسر کو پورا کرتے ہوئے برسوں تک تالا بندھ یونانی کتب کے ذخیرہ کو جو قسطنطنیہ میں قیصرِ روم کے قبضہ میں تھا اسے بزورِ قوت قبضہ میں لیکر ان ''یونانی

کتب کو عربی میں تراجم کروا کر'' دنیا میں فلسفی نظریات کے پھیلاؤ و عروج کی دھوم مچادی تھی جس کی بازگشت آج نہ صرف اسلام بلکہ اُمتِ مسلمہ کے لئے موت و بقاء کا مسئلہ بن کران پر مسلّط ہو چکی خصوصاً ان کے ذی ذہانت، عقلمند، ذی فہم و ذی علم لوگوں میں فساد پھیلانے کا فتنۂ عظیم کا سبب بن چکی!

یہ وہی مامون ہے جسے ملعون و مرتد مرزا غلام قادیانی ''دوسری صدی ہجری کا مُجدِّد'' کہتا ہے کیونکہ اسی کی فلسفیانہ محنتوں پر قرآن و احادیث میں ''تاویلات'' سے خود کو نبی، مسیح، مریم وغیرہ ہونے کا دعویٰ کرنے میں اسے علمِ تاویل کا مواد میسّر ہوا اور شیطانی ٹولہ اس کی تصدیق کر رہا ہے! اللھم احفظ الاسلام والمسلمین

خیر القرون کے بعد ماقبل مسیح کے فلاسفرز کے رسائل کے تراجم کی ابتداء بنوامیہ کے خالد بن یزید کے کرانے سے لیکر بنوعباس کے مامون الرشید کے بعد عوام میں فلسفہء یونان کا دنکہ بجنے لگا تھا اب کسی کو اس پر بات کرنے سے عار نہ تھی! ان تراجم سے منظرِ عام پر آنے والے نظریات و سوچ کی دینی عقائد و احکامات پر اثر پذیری پر آپ ﷺ و دینِ اسلام کے فرامین کی کوئی پرواہ نہ تھی سوائے علمائے دین کے!

ان حالات میں تاریخِ اسلام ''واصل بن عطاء'' (۸۰ھ تا ۱۳۱ھ) کی شخصیت کو تاویلات کا امام ہونے کے حوالہ سے پیش کرتی ہے اس نے کچھ عرصہ حضرت

حسن بصریؒ کی خاص شاگردی میں بھی گذارا مگر آپؒ نے اس کے عجیب قسم کے فلسفیانہ سوالات کی بناء پر اپنے درس سے نکال باہر کر دیا تھا، تاریخ اسے علمِ کلام کے امام کے طور پر یاد کرتی ہے!

اس کے بعد تیسری صدی ہجری میں ابوالحسن اشعری اوّلاً معتزلی سرغنہ کے طور ابھر کر بالآخر ''معتزلی نظریات سے تائب ہوکر ''معتزلی وقدریوں کے خلاف زبردست تردید'' کا بیڑہ اٹھایا اور امام کا لقب پایا (رحمہ اللہ)، مگر فلسفیانہ نظریات کی عام روش جو چل پڑی اس سے سے دینِ اسلام کے ''وحیانہ'' عقائد کے خلاف ایک محاذ کھڑا ہو گیا اور اس کے بطن سے کئی باطل فرقوں اور تاویلات نے جنم لیا!

مولانا یوسف بنوریؒ؛ آپ خاص کر بعض اُن نام نہاد مسلم واسلامک اسکولر ہونے کے دعویداروں کی تنقید وبدزبانی پر جو فلسفہ وفلکیاتی علوم کے حوالہ سے علمائے دین ومدارسِ اسلامیہ کے خلاف خصوصاً اسلامی مدارس ودار العلوم کے خالص دینی نصاب کی عدمِ ضرورت، اس کی عصریانہ سیکولر سسٹم سے تبدیلی اپنانے پر زور دیتے رہتے ہیں، فرماتے ہیں:۔

((**فتویٰ-۶**)) سابقہ ادوار میں (مخالفینِ اسلام کو) علمی فتنوں کے عام کرنے کا موقع بہت کم ملا، شخصی طور سے فتنے برپا کئے جاتے تھے، صرف امام احمد بن حنبلؒ کے دور میں مامون بن ہارون الرشید عباسی کو اقتدار کے ذریعہ (۱۹۸ھ، ۸۰۹ء) ''

خلقِ قرآن'' کا فتنہ مسلط کرنے کا موقع ملا (اس کے بھائی) امین بن ہارون الرشید کو (۱۹۳ھ/۸۱۳ء) میں! لیکن آج تو برطانوی وامریکی اور روسی اقتدار کے سایہ میں فتنوں پر فتنے پرورش پا رہے ہیں (دورِ حاضر کے فتنے اور اسکا علاج ص۹۳) اھ۔

مذکورہ علمی حوالہ یہ وہی بنیادی اینٹ ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے انبیاء کے ذریعہ انسان کو صحیح راستہ دِکھایا مگر وہ اس سے بھٹک گیا! اس نے طاقت کے بل بوطے پر اللہ کے احکامات کو پسِ پشت ڈالا اور آج بھی طاقت وعلمیت کے نام پر اس کی حکم عدولی کی جارہی ہے خاص کر علم کے نام پر اَلمنا کی ڈائریاں، آبزرویٹریاں، کالیج ویونیورسیٹیاں اور جامعات وغیرہ جو یونانیوں کے فلسفہ اور ''ان کے اپنے نظریئے'' کی عکاّس ہیں اور عموماً اجتماعی وسیکولر ادارے دنیا بھر میں جہاں بھی ہیں ہر جگہ اِن کی اپنی ہی راگنی ہے اور طاقتور یورپ نے اپنے نظریات کو ''عالمی متحدہ نظریہ'' کے حوالہ سے قانوناً دنیا واقوامِ عالم پر مسلّط کر دیا ہے کہ وہ وقت کے مفروضہ حسابات اور عیسائی مذہبی گیری گورین کیلنڈر وغیرہ جو ان کے فلسفہ کے مطابق ہیں سب ان پر عمل کریں، جس نے اپنا اڈّہ نہ صرف ہمارے گھروں میں جمایا ہے بلکہ کہاں نہیں اللہ کے گھر مساجد ودینی اداروں میں بھی مخصوص جگہ نمایاں دیواروں پر سجانے کے ساتھ چھاپ کر تقسیم بھی کئے جاتے ہیں، اسی طرح چاند کی منزلوں ونیومون کے لئے ان کا اپنا منشور ہے جس نے

امتِ مسلمہ کو بھی شکار کرلیا ہے۔

حضرت مولانا یوسف بنوریؒ مزید فرماتے ہیں: ''اگر علمائے اُمت نہ ہوتے اور ان کے دانت کھٹے نہ کرتے تو آج اسلام کا نقشہ ہی کچھ اور ہوتا'' (ایضاً) اھ۔

افسوس اب تحقیقات کے نام پر اسلام کا حلیہ بگاڑنے کی کوششیں اپنوں ہی کے ہاتھوں پوری کروانے کی مہم جاری ہے اور ناواقف تصور کرلیتے ہیں کہ اب دینی مدارس واداروں کی ضرورت نہیں ہے!، یہ غلو ہے جہل ہے، علمِ دین تو تمام دینی کاموں کے لئے بنیاد ہے، امت کسی وقت بھی ان سے بے نیاز نہیں ہوسکتی! ان حالات کی ہولناکی کو سمجھنے کے لئے مولانا علی میاں ندویؒ کے اس تجزیہ کو بغور سمجھنا چاہیئے، آپ لکھتے ہیں:۔ مسلمانوں اور خصوصاً ان کے تیز عقل وذی ذہانت افراد کی اس وقت یہ حالت ہوگئی تھی کہ وہ فلسفیانہ نظریات کی وجہ سے اسلام سے مرتد ہونے لگے اور عوام کے خوف سے ہی مساجد میں باجماعت نمازوں میں حاضر بھی رہتے تھے (دعوت وعزیمت حصہ اوّل ص۱۲۰ تا ۱۲۳) اھ''!۔

علی میاںؒ کی عرصہ پہلے گذرے ''کل کی مثال کیا ہماری آج میں موجود نہیں؟ تو اس کا جواب نفی میں ہے''! پھر ایسوں کے منہ سے اسلام کی باتیں، علی میاںؒ کے اس تاریخی حوالہ کے مثل کیوں نہیں؟! بہرحال آہستہ آہستہ فلسفیانہ نظریات کا یہ فتنہ اپنے عروج پر پہونچ گیا اور سب پر اس کی دھاک مسلّط ہوکر مسلمانوں

میں فکری ونظریاتی حالات کا بگاڑ حد درجہ بڑھ گیا تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایک ہونہار بچّہ پیدا فرمایا۔

فلسفہ وفلکیات اور امام ابوحامد محمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ

آپؒ کی پیدائش ۴۵۰ھ میں ہوئی ہے، آپ جب علم کے زیور سے آراستہ ہوئے تو اپنی اللہ داد دماغی وعقلی تیزی کو اسلامی نظریات کے مخالف فلسفیانہ نظریات کے فسادِ عظیم کو مات کرنے اور اس سے اُمت کو بچانے کے لئے میدانِ عمل میں آئے اور علم سے آراستہ پیراستہ بڑا ہوکر ان فلسفیوں کے خلاف اسلام اور اس کے احکام کی وکالت کا بیڑہ اُٹھایا جس پر دنیا نے آپ کو امامت کے لقب سے نوازا! آپنے اسلامی نظر وفکر کی وکالت کرتے ہوئے دوسری کتابوں کے علاوہ احیاء العلوم کی تصنیف سے تہلکہ مچادیا اور اہلِ علم وفضل میں بلند مقام پایا، آپ کی وفات جمادی الثانی ۵۰۵ھ بروز دوشنبہ طوس میں اپنی خانقاہ میں ہوئی وفات کے بعد آپ کے اعلیٰ مراتب کی نامور علماء نے خواب میں بشارت بھی پائی۔

بہرحال یہ فتنہ بہت آگے بڑھ گیا تو اس کے رد میں امام غزالیؒ نے ایک عظیم الشّان کتاب ''احیاء العلوم'' کے نام سے لکھی اور فلسفہ کی دنیا میں تہلکہ مچادیا، آپؒ کے اقوال کی اہمیت کے پیشِ نظر **خیرالقرون کے بعد فلسفہ**

یونان کے اسلام میں دخل کی مختصر تاریخ ملاحظہ ہو:

رحمتِ اسلام کی آمد پر یونانی فلسفیانہ کتب کا بہت بڑا ذخیرہ عیسائیوں کی طرف سے اگرچہ برسہا برس سے قسطنطنیہ میں تالہ بند حجرہ در حجروں میں مقفّل تھا، ساتھ ہی قرآن اور آپ ﷺ نے اس فلسفہ پر دیناً پابندی لگا دی تھی نیز آپ ﷺ کے بعد خلفائے راشدین اور صحابہ کرامؓ نے بھی شامی و مصری رومیوں اور فارس کے ان علاقوں پر تصرّف بھی حاصل کر لیا تھا جہاں یونانی فلسفہ کا چرچا تھا اس کے باوجود انہوں نے اس سے کوئی لگاؤ نہ رکھا تھا!،

امام غزالیؒ کے خوشہ چونوں کی بہ نسبت آپ کو فلسفیانہ علوِّ علمی کی شان و علوِّ مراتب کی بناء پر یہ حق پہونچتا تھا کہ ان علوم کو خصوصاً ''علمِ نجوم و مفروضہ حسابات کو اسلام کی شان کی بلندی کیلئے ضروری'' و جائز قرار دیدیتے! مگر قربان جایئے آپؒ کے ایمان بالنّصوص والسنّت پر کہ اتنی زبردست علمی شان و امامتِ فلسفہ کے باوجود'' نصوص سے ٹس سے مس نہ ہوئے'' اور اس علم کے حوالہ سے احیاء العلوم میں مفصّل بیان دیا ہے (اس کا مختصر اقتباس احیاء العلوم ج ا ص ۵۲ تا ۶۷ ملاحظہ فرمائیں):

((**فتویٰ ۔ ۷**)) آپؒ نے علم کی تعریف خاص اہتمام سے بیان کرتے ہوئے اُسے شرعی و غیر شرعی پر تقسیم کر کے، غیر شرعی علم کی پسندیدہ و غیر پسندیدہ میں تقسیم فرمائی، پھر پسندیدہ علم کی تقسیم فرض کفایہ و غیر فرضِ کفایہ سے کرتے ہوئے

فرضِ کفایہ میں علمِ کلام اور شماریات کے سادہ حساب کو بتلایا اور غیر فرضِ کفایہ میں حسابی باریکیوں کے علم کو بتلا کر اسے برا علم کہہ کر ''علمِ نجوم'' سے مثال دی اور لکھا کہ یہ علم بذاتِ خود بُرا نہیں بلکہ صاحبِ علم کے حق میں بہت زیادہ نقصان دِہ ہے!

پھر علمِ نجوم کی بھی دو قسمیں بیان فرمائی، (ہماری ساری بحث اِسی کے نمبر دو سے ہے جو ذیل میں آ رہی ہے): **(ا) پہلی قسم ''حسابی علمِ نجوم'' ہے** (آپ نے فرمایا):

قرآن نے صراحت سے بیان فرمادیا کہ چاند اور سورج حساب کے ساتھ چلتے ہیں اور مثال میں آیتِ شریفہ والقمر قدّرناه منازل حتّٰى عاد كالعرجون القديم پیش کی جس میں فرمایا گیا ہے کہ: ہم نے چاند کے لئے سڑکیں مقرّر کیں یہاں تک کہ (وہ لوَٹ کر) ایسا رہ جاتا ہے جیسے کھجور کی پرانی ٹہنی!

قارئینِ کرام کو معلوم ہی ہے کہ تفاسیرِ قرآن میں مذکورہ آیتِ شریفہ میں ذکر کردہ حساب کو ''اللہ کا وہ حساب بتلایا گیا ہے جس حساب پر اس نے چاند سورج کو گردش کرنے پر مقرّر کر دیا ہے اور جس کا علم اللہ کے سواء کسی کو نہیں'' یہاں تک کہ قیامت میں اللہ کے حکم پر یہ حساب ختم کر کے انہیں تِتّر بِتّر کر دیا جائے گا''۔

امام غزالیؒ کا منشاء یہاں یہی ہے کہ یہ علم اللہ کے سواء کسی اور کو معلوم ہے اور نہ ہی کسی میں اللہ کے اِس حساب کو جان لینے میں اور نہ ہی اسی کے اس سے واقف ہونے پر کسی کو انکار کرنے کی مجال ہے!،

(۲) دوسری قسم ''**علمِ نجوم احکامی**'' ہے (جس کی تعریف آپؒ نے اس طرح
بیان فرمائی)؛ ''علامات واسباب کی بنیاد پر'' کسی واقعہ کی پیش گوئی کی جائے!''
(پھر فرمایا) اس کے بُرے ہونے کی تین وجہیں ہیں؛
(**الف**) ایک تو عقائد میں بگاڑ پیدا ہوتا ہے (**ب**) دوسری وجہ، محض اندازہ، مفروضہ
اور THEORY واٹکل اور جہل ہے! (**ج**) اور تیسری وجہ ''اس جہل کے ذریعہ
دوسرے جہل (مجہول) پر حکم لگانا ہے اور ''جہل سے جو نتیجہ حاصل ہوگا وہ بھی جہل
ہوتا ہے جس کا کوئی فائدہ نہیں''!
(ساتھ ہی آپؒ فرماتے ہیں) شریعت نے اس طرح کے علوم کو بُرا اقرار دیا ہے، جیسے
آپ ﷺ کا فرمان ہے اذا ذکر القدر فامسکوا و اذا ذکر ت النّجوم فامسکوا
واذا ذکر اصحابی فامسکوا (طبرانی) جب تقدیر، نجوم اور میرے صحابہؓ کا ذکر ہو تو
خاموش رہو!
نیز آپ ﷺ نے فرمایا اخاف علیٰ اُمتی بعدی ثلاثاً؛ حیف
الائمّة و الایمان بالنّجوم و التّکذیب بالقدر (ترجمہ) میں اُمت پر تین
باتوں سے ڈرتا ہوں ائمہ کے ظلم سے، **ستاروں پر ایمان سے اور تقدیر کے
انکار سے** (ابن عبدالبر) اھ۔
فائدہ:۔الف:۔ نمبر دو سے اب تک اس علم کی جو تعریف آپؒ نے بیان کی

اِس سے مراد **علمِ ہیئت** ہے جس میں اقلیدس اور براہینِ ہندسیہ یعنی
مقداروں مثلاً خط، سطح، زاویہ، نقطہ اور اعداد وغیرہ سے اور کبھی براہینِ تصوّر و تخیُّل
کے ذریعہ اجرامِ فلکی و سفلی، کشش، ساخت وغیرہ کو معلوم کیا جاتا ہے اور علامات
کی بنیاد پر اسباب فرض کر کے ایک تھیوری ومفروضہ قائم کیا جاتا ہے اور اس پر
احکامات و فیصلے منطبق کئے جاتے ہیں اس طرح وہ چاند، سورج اور ستاروں کی
گردش کا اندازہ وحساب کر کے اُن کے اثرات کا حکم لگاتے ہیں جس کی دوشاخیں
ہیں (۱) ایک قسمت کا حال بتانے والے نجومی وجیوتشوں کی یعنی Astrology
(۲) اور دوسری شاخ مفروضہ حسابات اور اس کی تھیوریوں کی ہیں، **ب:۔** یاد
رہے کہ عربی میں زمانۂ قدیم سے بشمول آمدِ اسلام اور بعد میں صدیوں تک
''**قسمت کا حال**'' بتانے کے حساب کتاب کو اور ''**ستاروں وسیّارات کی
گردش**'' کے فلکیاتی حساب وکتاب واحوال **دونوں کو ''علمِ نجوم کے
نام سے موسوم کیا جاتا رہا ہے!** کیونکہ دونوں میں ایک بات یکساں
ہے کہ ان کی بنیاد ''سیارات وستاروں کی گردش'' ہے اور اب دونوں علوم کی الگ
تعریف کئے جانے کے باوجود دونوں میں عموم وخصوص کا تعلق جڑا ہوا ہے جسے ختم
نہیں کیا جاسکا! اور یہی وجہ ہے کہ امام غزالیؒ نے بھی ان دونوں کو ''علمِ نجوم'' ہی
میں شمار کرتے ہوئے اوّلاً ''ان حسابی باریکیوں کے علم کو غیر فرضِ کفایہ اور براعلم

بتلا کر اسے اسباب اور علامات کی بنیاد کے '' علمِ نجوم'' سے تعبیر کیا اور اس کے جاننے والوں کے لئے نقصان دیہہ بتلایا، **ج**؛۔ آپ ﷺ کے زمانہ میں بھی علمِ نجوم کے حوالہ سے یہ دونوں قسمیں علمِ نجوم ہی میں شامل رہی ہیں اور یہی وجہ ہے کہ احادیث میں ان حسابات اور ان کے جاننے والوں اور اَیسے حسابی لوگوں اور کاہنوں کے پاس جانے والوں کے متعلق جو تنبیہ اور وعیدیں بیان ہوئی ہیں دونوں ہی اس میں شامل ہیں؛۔

مثلاً ایک سفر میں بارش ہوئی تو کسی نے کہا کہ '' فلاں پچھتر (ستاروں کی گردش کا حساب) کی بناء پر بارش ہوئی'' جس پر آپ ﷺ نے اسے اللہ پر ایمان کے بجائے پچھتر اور اس کے حساب بتلانے والوں پر ایمان لانے سے تعبیر فرما کر جہنم کی وعیدیں بیان کیں! چنانچہ مسلم شریف میں حضرت ابن عباسؓ سے یہ روایت ہے جسے ابنِ ابی حاتمؒ نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کیا کہ غزوۂ تبوک میں آپ ﷺ نے مقامِ حجر سے پانی نہ لینے کا حکم دیا اور جب اگلی منزل پر پہونچے تو بعض صحابہؓ نے پانی کی شکایت کی، آپ ﷺ نے دو رکعت پڑھکر دعاء کی کہ بارش ہوئی اور سب سیراب ہوگئے ایک شخص سے ایک انصاری صحابیؓ نے کہا کہ دیکھا! آپ ﷺ نے نماز پڑھی و دعاء کی تو بارش ہوگئی تب وہ بولا کہ (اس وجہ سے نہیں بلکہ) ہم پر ایسے ایسے پچھتر سے بارش ہوئی (تفسیر مظہری ج۱۳ ص۸۷)۔

یہ پچھتر کیا چیز ہے سب کو معلوم ہے کہ یہ سیارات کی گردش ہی کا وہ حساب ہے جس پر ہیئت وفلکیات کی بھی بنیاد ہے! نیز ابن عباسؓ سے یہ روایت بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا؛ جس نے ''نجوم سے علم اقتباس کیا'' تو اس نے جادو میں سے ایک شعبہ اقتباس کیا (رواہ ابن ابی شیبہ وابوداؤد وابن مردویہ)۔

پچھلی حدیث والے واقعہ میں '' پچھتر کی بنیاد پر بارش ہونے'' کو دونوں حساب میں سے کسی بھی نوعیت سے دیکھیں تو دونوں کا تعلق ''علمِ نجوم'' سے ہی ہے'' چاہے اسے ''موسمیات کا فلکی حساب'' کہیں یا '' پیشگوئی وقسمت کا حال بتلانے والا آسٹرولوجی کا موسمی حساب''!، مثلاً کیپلر (۱۶۰۳ء) جو جرمنی کا مشہور ہیئت داں گزرا ہے (جس نے زمین اور چاند کی کششِ کا نظریہ پیش کیا ہے) یہ سائنسداں جنم پتریاں بنایا کرتا تھا اور سب کو معلوم ہے کہ جوتش اور آسٹرولوجر یہی کام تو کرتے ہیں! معلوم ہوا کہ آسٹرونومر یا آسٹرولوجر ایک ہی سکّہ کے دو اطراف ہیں۔

اب جبکہ دونوں کو الگ الگ بیان کیا جاتا ہے تب بھی حدیث میں مذکورہ واقعہ کو چاہے آسٹرونومی کہہ لیں یا آسٹرولوجی! دونوں میں موسم وبارش پیشگوئیوں کا تعلق فلکیات ہی کے حساب سے تو ہے! اس قسم کی سینکڑوں مثالیں دی جاسکتی ہیں مثلاً کئی بار سائنسداں اور جوتش دو ستاروں کے آپس میں یا کسی کے زمین سے ٹکراؤ پر تباہی کی پیش گوئیاں کرتے ہیں! تو یہ پیش گوئیاں آسٹرولوجی وعلمِ

ہیئت دونوں ہی سے تو جڑی ہیں کیونکہ درحقیقت ''**دونوں کا تعلق ستاروں اور سیاّرات ھی کی گردش سے متعلق ھیں** '' جیسے رصدگاہ والے اسی حسابی اسباب وموسمیات وسیارات کی گردش کے احکامات کی بنیاد کو شامل ہیں۔

امام غزالیؒ آگے مزید دلیل دیتے ہوئے حضرت عمر فاروقؓ کا قول نقل فرماتے ہیں کہ علمِ نجوم سے بس اتنا سیکھو کہ تمہیں خشکی یا سمندر میں (دنیوی فائدہ کے لئے مخصوص جگہ جانے کے لئے کوئی) راہ مل جائے اس سے زیادہ مت سیکھو''!

(اس کے بعد) امام غزالیؒ نے علمِ نجوم کی ممانعت کی وجہ اللہ پر اعتقادات میں فرق پیدا ہو جانا بتلایا، کیونکہ علمِ نجوم کے احکامات اندازوں (مفروضوں) پر مبنی ہوتے ہیں،

فوائد:۔ الف:۔ امام غزالیؒ حضرت عمر فاروقؓ کا مذکورہ قول نبی کریم ﷺ کی پیچھے گذریں احادیث ہی کی بنیاد پر ہے کہ ''انسان دنیوی مفادات کی اپنی تحقیق وسائنس پر عمل کرسکتا ہے'' جیسے کہ کھجوروں کی بویائی کے لئے فرمائیں،

ب:۔ امام غزالیؒ کے بیان سے انسانی ضروریات کیلئے سائنس سے منفعت کی نفی نہیں ہوتی بلکہ طبیعیات (سائنس)، حسابات، اور دِگر فنون کی ضرورت کے حوالہ سے احیاء العلوم کے متعدد صفحات نیز آپ کی دیگر کتب اس پر گواہ ہیں اور جس طرح کھجوروں کی مئوبّرانہ بویائی کے حوالہ سے آپ ﷺ کی احادیث اور انسان

کے دنیوی مفادات کے لئے سائنس کو استعمال کرنے کے متعلق جو بیان شروع کتاب میں گذرا ہے اسی طرح آپؒ کا مطمعِ نظر بھی وہی ہے جسے اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا اور جس پر آپ ﷺ کے صحابہؓ نے عمل کیا!

ج:۔ امام غزالیؒ نے علمِ نجوم میں غوطہ لگانے کی ممانعت کی وجہ ''اعتقاد کی خرابی کے جس نکتہ کی طرف نشاندہی فرمائی ہے اس کی مثال آج کا ہمارا معاشرتی ماحول ہے کہ جب آسمانی بلائیں نازل ہوتی ہیں تو کہا جاتا ہے کہ یہ علمِ نجوم کے رصدگاہی یا جوتشی فلکیات کے اصول سے ہوا اور اللہ کی قدرتِ کاملہ کا حوالہ عامۃً معاشرہ میں سے ختم ہو کررہ گیا!

((**فتوی۔۸**)) شاہ محمد اشرف علی تھانویؒ:۔ امداد الفتاوی ج ۵ ص ۳۹۷ سے:۔

سوال:۔ کہ ''علمِ نجوم، اس کی تعلیم، کمائی اور مستقبل کے واقعات پر نجوم کا اثر، اس علم کا حضرت ادریس علیہ السلام پر منزّل من اللہ کا عقیدہ رکھنا''، کے متعلق فرمایا:۔

الجواب:۔ حضرت ادریس علیہ السلام کے حوالہ والی یہ روایت اوّلاً صحیح نہیں اور یہ خاص قواعدِ سندِ صحیح سے بھی منقول نہیں جس سے کہا جاوے کہ یہ وہی علم ہے، نیز اہلِ فن اور ان سے رجوع کرنے والے بھی کواکب کو متصرف وفاعل مستقبل سمجھتے ہیں جو مثل علمِ غیب کے ہے جو خود یہ عقیدہ، استقلال فعل وتصرف، شرکِ جلی اور منافی توحید ہے نیز جو علم بلا (شرعی) اسباب علم ہو وہ علمِ غیب ہے اور جو

چیز (شرعی) اسبابِ علم سے نہ ہو اس کو (شرعی) سبب سمجھنا (ہی) باطل ہے اور کواکب کا (شرعی) اسبابِ علم سے ہونا ثابت نہیں پس یہ (شرعی) اسبابِ علم سے نہ ہوئے تو ان کو اسباب سمجھنا (ہی) باطل ہوا اور بغیر (شرعی) اسباب کے علم کا حصول علمِ غیب ہے، لہٰذا اہلِ نجوم (جن کا علم شرعی نہیں) علمِ غیب کا مدعی ہے اور ان کی تصدیق کرنے والا (غیر شرعی) علمِ غیب کا معتقد ہوا اور عقیدۂ باطلہ معصیت ہے اور عملِ غیر مشروع بھی معصیت ہے جس سے نجومی خالی نہیں (کیونکہ وہ اسطرح غیر مشروع کام کرکے معصیت کا مرتکب ہوا) امداد الفتاویٰ ج۵ ص۳۹۷۔

انسان اپنی سوچ وعقل پر مبنی حساب کی قطعیت کو منطق وصغریٰ کبریٰ کے نتائج پر محمول کرکے کرتا ہے یہی وجہ ہے کہ یہ سوچ اسے اپنی نظروں کے قطعی نتائج سے بھی بے نیاز کرکے انہیں شکوک وشبہات کی جھولی میں ڈالتا ہے مثلاً:۔

''انسانی سوچ کے قطعی حساب وگنتی کے ایک بٹا ایک کا نتیجہ قطعاً دو ہی ہوگا 2=1+1، نہ تو دو سے کم ہوگا یا اس سے زائد ہوگا'' کیونکہ یہ پیمانہ انسان نے خود مقرّر کرلیا ہے! اسی لئے اگر کوئی شخص اس کا انکار کرے گا تو وہ قطعی طور پر ''اپنے متعیّن کردہ حساب'' کی نفی کرے گا! مگر خیال کریں کہ سب نے مل کر ایک بٹا ایک کا نتیجہ دو کے بجائے کم یا زیادتی والا عدد مقرّر کرلیا ہے تو اس وقت بھی یہ اسے رد نہیں کرے گا ورنہ خود کے طے کردہ حساب کی نفی کرکے خود کو نا سمجھوں میں

شمار کروائے گا!، اگر جو حساب انسانوں نے اپنے تئیں طے کرلیا ہے ضروری نہیں کہ اسی بنیاد پر ہم خالقِ کائنات کا حساب بعینہٖ وہی ہو اور اسی بنیاد پر اپنے نتائج کو اللہ کا حساب سمجھ لیں! (کیا انسان صدیوں سے اپنے طور حساب کو بدلتا نہیں چلا آرہا؟)۔

((**فتویٰ ۔۹**)) مفتی شفیع صاحبؒ:۔ یہی وجہ ہے کہ ''**کائنات کی تکوینی گردش کے ہمارے حساب اور اللہ کے حساب میں فرق**'' کو ظاہر کرنے کے لئے مفتی شفیع صاحبؒ نے انسانی سوچ وحساب کو بنیاد بناتے ہوئے فرمایا:۔ حساب بحیثیت حساب قطعی ہو کہ دو اور دو چار ہی ہوسکتے ہیں تین یا پانچ نہیں ہوسکتے لیکن ان دو کا دو ہونا یہ ''**ہماری نظر اور اندازے، تخمینہ ہی کا حکم ہوسکتا ہے**''، کتنے ہی باریک سے باریک پیمانوں سے تولا اور پرکھا جائے یہ احتمال ختم کرنا ہماری قدرت میں نہیں کہ ہم نے جس کو دو سمجھا ہے وہ دو سے کسی قدر کم یا زیادہ ہو، خواہ یہ کمی زیادتی ایک بال کے ہزارویں حصہ کی برابر ہو، ''**آلات کو واقعات پر منطبق کرنا تو بہرحال انسانی نظر اور انسانی عمل ہے**'' اس میں غیر محسوس فرق ہوجانا کسی وقت بھی مستبعد نہیں بلکہ ''**واقع ہے**'' جس کا مشاہدہ ہمیشہ **اہلِ فن کے باہمی اختلاف** سے ہوتا رہتا ہے۔۔۔ اگر ان حسابات اور آلات کے نتائج قطعی اور یقینی ہوتے تو ماہرینِ فن کے اختلافِ رائے کا کوئی

احتمال نہ رہتا، سائنس کی نئی ترقیات اور فنِ ریاضی وفلکیات کی جدید ترقیات کا آج کی دنیا میں بڑا ہنگامہ ہے اور اس میں شبہ نہیں کہ بہت سی نئی تحقیقات نے (بطلیموس کے ماقبل مسیح والے ودیگر اہلِ فن کے) پرانے فلسفے اور ریاضی کے اصول کی دھجّیاں بکھیر دیں اور اس کے خلاف مشاہدہ کروادیا **لیکن اس کے باوجود** یہ نہیں کہا جاسکتا کہ ایک محقق ماہر نے جو کچھ کہہ دیا وہ حرفِ آخر ہے اس کی تغلیط آئندہ کوئی نہیں کرسکے گا! آئندہ کو چھوڑ و اسی **موجودہ دور میں اسی درجہ کے دوسرے ماہرین اس سے مختلف رائے رکھتے ھیں** (رویتِ ہلال ص ۳۰ تا ۳۲ س) اھ

(مزید دیکھیں)۔۔۔اور آپس میں اختلاف ہوجائے تو اس کا فیصلہ بھی محض انسانوں کی رایوں یا ووٹوں سے نہیں ہوسکتا بلکہ اس کا طریقہ وفیصلہ بھی ''اللہ اور اس کے رسول وہی کی تعلیمات میں تلاش کرنا ہے کیونکہ چاند سورج کے کرات یا ان کا طلوع وغروب درحقیقت ہماری عبادات کا محور نہیں **بلکہ عبادات کا مدار صرف حکمِ الٰھی کے اتباع پر ھے** (ایضاً ص ۱۱ تا ۱۲) اھ

گذری ساری تفصیل سے معلوم ہوا کہ ''شرعی مشاہدہ جو وقت کی تحرّی واندازہ کا منصوص طریقہ ہے'' اس سے مفروضہ فلکی حسابات کی عدمِ قطعیت ثابت ہوئی اور یہی وہ بنیادی وجہ ہے جس پر ماہرین میں بھی ہمیشہ سے اختلاف چلا آرہا ہے جو مٹنے کا نام

نہیں لیتا اور قیامت تک نہ مٹے گا! اور یہی وجہ ہے کہ علومِ نبویّہ کے وارثوں نے ہر زمانہ میں (بشمول امام غزالیؒ نے) منصوص ''امّیت'' کی قطعیّت کی بنیاد پر آنکھ بندھ کر کے مفروضہ حسابات کو ''شرعی قطعیّت'' سے ماوراء بتلا کر ان کا بھرپور رد کیا!

(امام غزالیؒ کی '' احیاء العلوم'' ج اول کے ص ۳۱ تا ۵۲، کل چالیس صفحات کا نچوڑ نقشہ کی شکل میں کتاب کے آخر میں ص ۲۳۹ پر ملاحظہ فرمائیں)

؛۔ چند فقہی سوالات ؛۔

شریعتِ مطہّرہ میں فلکیاتی مفروضہ حساب وکتاب اور اس کی مفروضہ ڈگریاں، کیا مشاہدات وعینی شہادتوں کے بالمقابل نماز وعبادات کے اوقات کے لئے اصل ہیں؟ کیا شریعتِ مطہّرہ وفقہاء نے دیَر سے وقت ہونے کو شرعی عذر مانا ہے؟ کیا دیر سے وقت ہونے تک انتظار کرنے کے بجائے وقت سے پہلے ہی نماز اپنی مرضی سے جلد پڑھ سکتے ہیں؟ کیا برسوں پہلے کے ایک گھنٹہ کے وقفہ کے فتویٰ کے مطابق عشاء کو سال بھر یا مخصوص ایاّم میں اب بھی پڑھ سکتے ہیں؟ درانحالیکہ برطانوی سائل کی طرف سے شفق کے اختتام کے مشاہدات نہ کرسکنے کی وجہ سے مفتی ظفر احمد تھانویؒ نے تقریباً ستّر سال پہلے یہ اجازت ہندوستان کے غروبِ شفقِ احمر کے وقفہ کے مدِّ نظر دی تھی اور پچیس سال پہلے مفتی یحیٰی صاحبؒ (مظاہر العلوم سہارنپور والوں) نے بھی یہی فرمایا تھا،

مگراب تو ظاہر ہے برطانیہ کے اندر ہی سال بھر کے مسلسل مشاہدات سے ثابت ہو چکا کہ شفقِ احمر کے غروب کا فاصلہ سال بھر کے ہر روز اور خصوصاً ان ایاّم میں ہمیشہ ایک جیسا نہیں رہتا بلکہ وہ کم وبیش ہو کر ایک گھنٹہ سے زیادہ ہوتا ہے نیز ان مشاہدات سے یہ بھی ثابت ہوا کہ فلکیاتی ڈگریوں والے اوقات میں بھی مطابقت کے بجائے بہت فرق ہے!

مذکورہ تمام سوالات کے جوابات، شریعتِ اسلامیّہ میں ''نفی'' میں ہیں، نہ تو مفروضہ درجات وڈگریاں مشاہدات کے مقابلہ پر اوقاتِ نماز کے لئے اصل الاصول وقطعی ہیں اور نہ تو وقت سے پہلے نماز ہوتی ہے اور نہ ہی دیر سے وقت ہونے کا ''یہ حیلہ'' عذرِ شرعی و جواز کا سبب! اور نہ ہی برسوں پہلے مشاہدات نہ کر سکنے کی بناء پر عشاء کو بعد غروبِ آفتاب ایک گھنٹہ کے وقفہ پر پڑھنے کے فتوٰی پر اب عمل ہوسکتا ہے اور نہ ہی سال بھر ہر روز یا مخصوص ایاّم میں ایک گھنٹہ کے وقفہ پر اسے پڑھنا جائز! کیونکہ اب تو مشاہدات سے سال بھر کے ایاّم کے شفقِ احمر کے غروب کے وقفے بھی ہبوطاً وصعوداً معلوم ہو چکے!

نوٹ: (ا) ایک سائل کی طرف سے حضرت مولانا عبدالرؤف سکھّروی زید مجدہٗ (کراچی پاکستان) کے قول کو اپنی تحریر میں صراحۃً غلط استعمال کیا ہے (معلوم نہیں کہ حضرت موصوف کو اسکا علم بھی ہے یا نہیں!)، بہرحال نشاندہی کے مدِّ نظر قارئین کو

معلوم ہو کہ موصوف کے صاف وصریح قول کو اس سائل نے تائیداً بے جوڑ وغلط بیانی سے ''جوازی فتوے کے طور پر'' دلیلاً نقل کیا ہے حالانکہ مولانا سکھروی نے اس جوابی فتوٰی میں ''شفقِ احمر کے دیر سے غروب ہونے پر دفعاً للحرج کے ماتحت عشاء کو شفقِ احمر کے غروب سے پہلے پڑھنے کیلئے سائل کو ''اہلِ فتوٰی سے رجوع کرنے کا فرمایا''! مگر سائل نے مفتیوں سے رجوع ہی نہ کیا اور آپ کی تحریر کو غلط استعمال کیا! البتّہ ہم نے الحمدللہ آپ کے منشاء کے عین مطابق اہلِ فتاوٰی سے رجوع کیا البتّہ جواباً ''ہر ایک نے (دیر سے وقت ہونے کو شرعی حرج تسلیم نہ کیا اور) شفقِ احمر کے ختم ہونے سے پہلے عشاء کے ادا نہ ہونے کا فتوٰی دیا! ذیل میں یہ فتاوٰی ملاحظہ فرمائیں؛ (ہمارے مسئولہ استفتاء کے جوابی فتوٰی کی بریکیٹ نشانی یہ ﴿ ﴾ ہے)

ہمارے استفتاء کے جوابی فتاوٰی

﴿فتوٰی۔۱۰﴾ مفتی نظام الدّین صاحبؒ دارالعلوم دیوبند

حسابِ فلکیات پر اعتماد کرنیوالوں کے برطانیہ پہونچنے سے پچاسوں سال پہلے سے علمائے حق کا برطانیہ جانا اور ہر قرن میں ڈگریوں کے بغیر ان کا بالاتّفاق عمل کرنا ملتا ہے اور ان کا یہ عمل اجماعِ عملی وسکوتی ہو گیا ہے جو حجّتِ شرعیّہ ہے (کیونکہ برطانیہ میں نمازوں کے اوقات کے مشاہدے ہوتے تھے تب ہی تو انہوں نے نمازیں

ڈگریوں کے بجائے مشاہدات پر پڑھیں !اگر ایسا نہ ہوتا تو ان کا یہاں آنا نمازوں کے اوقات کے عدمِ مشاہدات کے حوالہ سے ضرور وجہِ اشتہار بنتا اور ان کے حوالوں سے مشہور ہو جاتا کہ یہاں نمازوں کے اوقات کے مشاہدات نہیں ہوتے لہٰذا رصدگاہ کے زیرافق کے درجات اور المنا لک کے حوالہ والے اوقات ہی سے نمازیں ادا کرو مگر ایسا نہیں ہوا!)،

لہٰذا اس سکوتی اجماع (برمشاہدہ) کو عمل میں مقدّم رکھا جائے گا اور ان (ڈگریوں کے مفروضوں پر عمل کرنیوالے) حسابی لوگوں کو اصولاً ترجیح نہ ہوگی !(آپ کے ایک اور فتویٰ کے اقتباسات کو بھی ملاحظہ کریں) **فرمایا**: نمازوں کے اوقات کی علاماتِ شرعیہ کے مشاہدات کو ترجیح نہ ہوگی، **رصدگاھوں کے حسابات محض لیطمئن قلبی (اطمینانِ قلبی) کے درجہ میں معتبر ہوں گے اور اختلاف کی صورت میں ان حسابات ودرجات کوترجیح نہ ھوگی۔**

﴿**فتوی۔۱۱**﴾ مفتی برہان الدّین صاحب سنبھلی زیدمجدہ

ندوۃ العلماء لکھنو یوپی ہند، آپ نے فرمایا: شفق کے صرف دو درجے ہیں، شفقِ احمر و شفقِ ابیض، یہ مسئلہ کہ شفق غائب ہوتے وقت آفتاب افق سے مخصوص درجے نیچے ہوتا ہے مابعد کے فقہاء کا اضافہ ہے، یہ حضرات علمِ ہیئت سے بھی واقف تھے اس لئے انہوں نے یہ نکتہ آفرینی فرمائی ''لیکن ان کی نکتہ رسی کے باوجود'' شریعتِ مقدّسہ ان کی تحقیق کی پابند نہیں ہے اس کے مزاج میں جو سادگی

سہولت وفطرت رکھی گئی ہے وہ علیٰ حالہ قائم ہے اور قائم رہے گی۔

یہ حکمِ شرعی ایَساھے جس کے لئے صرف مشاھدات کی اعانت کافی ھے اِسے معلوم کرنے کے لئے **علمِ ھیئت کے اصول** یا آلات وغیرہ کی کوئی احتیاج نہیں ہے،

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب شفق کے احکام بیان فرمائے تھے تو ان کا وہ مفہوم ہرگز آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیشِ نظر نہ تھا **جو ھیئت دانوں کے ذھن میں ھوتا ھے** یعنی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو یہ فرمایا کہ جب شفق غائب ہو جائے تو عشاء کا وقت شروع ہو جاتا ہے تو **اس کا یہ ھرگز مفھوم نھیں تھا کہ** جب آفتاب اُفق سے ۶ یا ۱۲ یا ۱۸ درجہ نیچے چلا جائے تو عشا کا وقت شروع ہو جاتا ہے **بلکہ'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد صرف مشاھدہ کو مدارِ حکم قرار دینا تھا** یعنی جب سرخی یا سفیدی ظاہر یا یا غائب ہو جائے تو فلاں نماز کا وقت شروع ہو جاتا ہے، اُسوقت آفتاب افق سے کتنا درجہَ نیچے ہوتا ہے اس سے کوئی بحث نہیں ہے، **غروبِ شفق اورصبحِ صادق اگر مشاھدہ میں آگئے ھوں اس پر عمل کرنا ،یعنی نماز پڑھنا صحیح ھوگا خواہ آلاتِ فنون کی رو سے ان کی آمد ثابت نہ ھوئی ھو''،**

مزید فرمایا کہ: (دیر سے عشاء کے وقت کے آنے اور شفقِ احمر کے دیر سے غروب ہونے سے عشاء

پڑھنے پر نیند میں خلل وغیرہ عذر، کیا شرعی عذر ہے یا نہیں؟ تو معلوم ہو کہ) شریعت میں اعذار کے لئے رُخصتی قوانین پر ان کے مُصدّقات و محمل بھی بتا دیئے گئے ہیں تا کہ بعد میں آنیوالے سہولت پسندان الفاظ سے خلطِ مطالب (غلط سلط مطب جوڑ کر اس سے اپنی مطلب کا نتیجہ جوڑ کر اور) اخذ کر کے بے محل انکا استعمال نہ کر سکے''!

شریعت کی طرف سے رخصتیں ان مقرّرہ عذروں کی بنیاد پر دی گئی ہیں جو'' منصوص یا مشابہ منصوص کے ہو حکمت یا ''خودساختہ علّت''، **وجہِ رخصت نہیں بن سکتی** !اس طرح تو ایک ایک کر کے شرعی احکامات سے گلوخلاصی کی بھرپور کوشش کی جائے گی اور کسی بھی شرعی حکم کی صحیح تعمیل ضروری نہ رہ جائے گی!

آج عشاء کا وقت دیر سے آنے پر قبل از وقت نماز کی اجازت ہو جائے تو کل مطالبہ ہوگا کہ سخت سردی کے زمانہ میں سخت سرد علاقوں کے اندر فجر کی نماز کو بعد از طلوعِ شمش پڑھنے کی اجازت ملنی چاہیئے کیونکہ سورج نکلنے سے قبل سردی سخت اور نا قابل برداشت ہوتی ہے اور اُس وقت نماز پڑھنے میں حرج ہے،

اِس سے آگے بڑھ کر یہ مطالبہ بھی بعید نہیں کہ جس زمانہ میں برف باری کیوجہ سے سورج ہی نظر نہ آتا ہو اور سردی میں کمی نہ ہوتی ہو اس میں فجر کی نماز سرے سے ہی مؤخّر یا معاف کر دیجائے، پھر گرم ممالک کے لوگ مطالبہ کریں گے کہ

سخت گرمی کے موسم میں اگر رمضان آئے تو اس میں روزہ نہ رکھنے کی اجازت دیجائے کیونکہ روزہ رکھنے کی وجہ سے صحّت پر اثر پڑے گا اور عبادات میں کوتاہی اور کاہلی پیدا ہوگی اس طرح دُنیوی معاملات میں بھی بڑی دِقّت درپیش ہوگی وقت پر کام پر جانے میں حرج اور بھی دیگر باتیں، یا تو رزقِ حلال حاصل کرے یا نماز روزے قضاء کرلے!'' **اس طرح ایک ایک کر کے شرعی احکامات سے گلوخلاصی حاصل کرنے کی کوشش کی جائے گی** اور گویا شریعت منسوخ یا بالفاظِ دِگر **آئوٹ آف ڈیٹ** (Out of date) قرار پائے گی!، **ہر مشقّت وجہِ رخصت نہیں ہوا کرتی** بس وہ مشقّتیں وجہِ رخصت ہوا کرتی ہیں جنہیں شریعت نے خود علّت کا درجہ دیدیا ہے۔

مزید فرمایا:۔ پورے سال کسی جگہ غروبِ شفق، سورج کے غروب سے (ایک) معیّن وقت (گذرنے) کے بعد تسلیم کرنا درست نہیں، جب ایَسی تحدید مُعتبر نہیں تو پھر اَیسی غیر مُعتبر تحدید و تعیین کی بنیاد پر پڑھی گئی نمازوں کا صحیح وقت میں اداء ہونا بھی ضروری نہیں (یعنی یہ نمازیں اداء نہ ہوں گی دوبارہ اُنہیں وقت میں پڑھنی ورنہ قضاء کرنی ہوں گی)۔

دوسری جگہ رصدگاہی پیش گوئیوں کے تحت فرماتے ہیں: ایک مسلمان کے مقابلہ پر دس کافروں کی شہادت بھی قابلِ قبول نہیں!، مزید فرمایا: اصل مدارِ حکم علامات ہیں نہ کہ

حسابات! (اور) **اصل** (یعنی مشاہدات) **وفرع** (یعنی رصدگاہی مفروضہ حسابات) کے درمیان اختلاف کی صورت میں ہمیشہ اصل (مشاہدات) کو ترجیح ہوا کرتی ہے لہٰذا ان علامات کو یہاں بھی ترجیح ہوگی جمہور علماء کے نزدیک۔

﴿**فتوی۔۱۲**﴾ دارالعلوم بھڑوچ، کنتھاریہ، گجرات، ہند

مفتی عبد اللہ کاوی صاحب زید مجدہٖ، آپ نے فرمایا؛ شفقِ احمر کے اختتام سے پہلے عشاء پڑھنا جائز نہیں ہے کیونکہ عشاء اپنے وقت سے پہلے پڑھنا ہوا اور کوئی بھی نماز اپنے وقت کے شروع ہونے سے پہلے پڑھنا صحیح نہیں ہے اس نماز کو اپنے وقت میں پڑھنا ضروری ہے (فتح القدیر، بحرالرّائق، طحطاوی، ردّالمحتار) نیز ایک جگہ فرمایا؛ خصوصاً جبکہ احمر وابیض کا غروب ہبوطاً وصعوداً ہر روز کم وبیش ہو رہا ہے۔

مزید فرمایا؛ عذرِ غیر شرعی یعنی نیند کے غلبہ کی وجہَ سے سوجائے گا اور عشاء فوت ہوجائے گی (تو محض اسوجہ سے) عشاء (کی نماز) وقت سے پہلے اداء کرنا صحیح نہیں ہے، اور نہ اسطرح عذر بنا کر قبل از وقت نماز پڑھنے کی شرعاً اجازت ہے اس طرح سہولت کے لئے کم فاصلہ مقرّر کرنا اور وقت سے پہلے نماز پڑھنا بالکل جائز نہیں ہے یہ قیاس شرعاً معتبر نہیں ہے،

اس طرح اللہ کے فرمان اِنَّ الصّلوٰۃ کانت علی المئومنین کتابا موقوتا کی کھلّم

کھلّا علی الاعلان مخالفت ہے یہ علمائے بنی اسرائیل کی طرح شریعت میں اپنی مرضیّات کے مطابق تحریف ردّوبدل کرنا ہے جو بہت بڑا گناہ ہے نفسانی خواہشات کی اِتّباع ہے اللّٰھمّ احفظنا

مزید فرمایا: **کسی بھی مفتی کا فتویٰ یا کسی فقیہ کا قول** جب شریعت کے اصول کے خلاف ہو تو **قابلِ عمل نہیں رہتا ہے بلکہ واجب التّرک ہے** اگر صاحبِ فتویٰ (حضرت مفتی ظفر احمد تھانویؒ) **حیات ہوتے تو خود رجوع فرماتے !** بلکہ مسلمانوں پر لازم ہے کہ مشاہدات سے جو چیز، قول، فتویٰ، غلط ثابت ہو اس کو چھوڑ دینا چاہئے !،

مفتی اسمٰعیل بھڑکودروی صاحب زید مجدہ، آپ نے فرمایا: اوقاتِ نماز کے ثبوت کی اصل بنیاد ان علاماتِ مخصوصہ کے مشاہدہ پر ہے جو شریعت نے مقرّر فرمائی ہیں اس کی بنیاد آلاتِ رصدیہ اور حساباتِ فلکیات پر نہیں ہے (۲) مشاہدات سے ثابت اوقات، آلاتِ رصدیہ سے حاصل اوقات کی تائید کرے تو ایسی صورت میں آلات وحسابات سے حاصل شدہ اوقاتِ نماز پر عمل کرنا جائز اور درست ہے، البتّہ اگر دونوں میں تعارض وتخالف ہو تو تعاملِ عہدِ نبوی کے مطابق مشاہدہ ہی کو ترجیح دینا اور آلات وحسابات کے اوقات کو نظر انداز کرنا ضروری ہے۔ (مزید): مشاہدہ کو اوّلیت دی جائے گی، سال کے تمام ایّام

کے لئے بعد غروب آفتاب، عشاء کے لئے مُعیّن وقفہ (گھنٹہ سواء گھنٹہ کی مقدار کا تعیّن) نہ مشاہدہ کے اعتبار سے صحیح ہے اور نہ حسابِ ہیئت کے اعتبار سے صحیح ہے کیونکہ یہ مقدار اختلافِ زمان کے اعتبار سے ہر مقام پر گھٹتی بڑھتی رہتی ہے جو ایک بدیہی اور مسلّم عند جمیع النّاس حقیقت ہے، (مزید فرمایا) تحریر کردہ تیسیر ودفعِ حرج فی الشّرع (دیکھو فہرست) کے نصوص وقواعدِ فِقہیّہ (دیر سے عشاء کا وقت ہونے کو) حرج (ماننے) کے ثبوت میں کلام ہے اور اگر (اس کے) حرج (ہونے) کو تسلیم (بھی) کرلیا جائے تو اوقاتِ ثابِتہ بالنّصوصِ الصّریحہ کو ترک کرنا ممنوع ہے۔

فتویٰ۔۱۳ مفتی اسمٰعیل واڈی رحؒ جامعہ حسینیہ راندیر،

آپ نے فرمایا:۔غروب آفتاب اورغیوبتِ شفق کے درمیان فاصلہ ہمیشہ یکساں نہیں ہوتا ہے گھٹتا بڑھتا رہتا ہے لہٰذا پورے سال کے لئے (ایک معیّن فاصلہ) درست نہیں بلکہ غیوبتِ شفقِ احمر کے یقین کے بعد ہی نمازِ عشاء اداء کرنی چاہیئے **منجم اور حساب داں کا شرعاً اعتبار نہیں نہ اس سے نماز کے اوقات مقرّر کئے جا سکتے ہیں اور نہ ہی روزے کے** ! بلکہ شرعی مشاہدہ یا شہادت ہی معتبَر ہے، لہٰذا تعارض کے وقت مشاہدہ ہی معتبَر ہوگا محکمۂ موسمیات پرعمل نہیں ہوگا (اشباہ ج۲ ص ۱۲۵)

مزید فرمایا:۔لوگ سوجائیں گے اورعشاء فوت ہوجائے گی اس خوف سے **شفقِ احمر کے غائب ہونے سے پہلے عشاء کی نماز درست نہ ہوگی**

اس لئے کہ ابھی عشاء کا وقت نہیں ہوا جن دوجلیل القدر بزرگوں (مفتی ظفر احمد تھانویؒ اور مفتی یحیٰی صاحبؒ) کا تذکرہ (ایک گھنٹہ کے وقفہ پر) عشاء پڑھنے کے بارے میں کیا گیا ہے تو **یہ حضرات توھندوستان کے ھیں اور یہ مسئلہ یوکے کا ھے** ، نیز مشاہدات اس (وقفہ) کے خلاف ہیں تو پھر قابلِ عمل نہیں رہے گا۔

فتویٰ۔۱۴ مفتی محمّد فرید صاحب زیدمجدہ، دارالعلوم حقّانیہ اکوڑہ کھٹک،

آپ نے فرمایا: **آپ لوگ ''ھرماہ میں دو یا تین بار''** غیوبتِ شفقِ ابیض کا وقت مشاہدہ سے معلوم کریں اور آئندہ کے لئے اس کو لائحۂ عمل بنائیں اور **درجات کو بالائے طاق رکھیں** (کیونکہ) **اس کا اندازہ یہاں** (برِصغیر میں) **بھی مشاھدہ سے مخالف ھے !** ، یعنی غروبِ آفتاب کے بعد عشاء کی ابتداء کا رصدگاہ کی ڈگریوں والا وقفہ اور عینی مشاہدہ والا وقفہ، دونوں میں موافقت کے بجائے مخالفت ہے۔

(**نوٹ**؛ ہمارے سوال کے مزید جوابی فتاویٰ ذیل کی ضروری بحث کے بعد کافی آگے آئیں گے)

کیا واقعی ہند اور یورپ میں شفق کا غروب ایک گھنٹہ کے وقفہ پر نہیں ہوسکتا ؟!

یہ جو کہا جاتا ہے کہ برّصغیر ہندو پاک اور برطانیہ میں بعد غروب آفتاب سال بھر میں کسی بھی روز ایک گھنٹہ کے وقفہ پر شفقِ احمر غائب نہیں ہوتی تو کیا یہ بات صحیح ہے؟ جبکہ کہنے والے نے دلیل میں مشاہدہ کے بجائے رصدگاہ والوں کے حساب کو بنیاد بنا کر یہ

بات کہی ہے جو مشاہدات سے غلط ثابت ہوا، نیز اس قول کے برخلاف مفتی ظفر احمد تھانویؒ نے اپنے ذیل کے فتویٰ میں بھی شفقِ احمر کے غروب کا مشاہداتی وقفہ ایک گھنٹہ کا بتلایا ہے ملاحظہ ہو:

((**فتویٰ۔۱۵**)) آپؒ امداد الاحکام میں برطانیہ کے لئے اپنے جواب کے نمبر (۳) میں فرماتے ہیں؛ عشاء کی نماز غروب کے ایک گھنٹہ بعد معاً پڑھ لیا کریں صاحبینؒ کے مذہب پر شفقِ احمر کے غائب ہوجانے سے عشاء کا وقت ہوجاتا ہے ،اور ''شفقِ احمر غروب کے ایک گھنٹہ میں غائب ہوجاتی ہے'' اور سہولت کے لئے فتویٰ قولِ صاحبین پر دیا گیا ہے (امداد الاحکام ج۱ ص۴۰۶)۔

فائدہ :۔ (۱) اس فتوے میں آپؒ نے **ھند میں ایک گھنٹہ کے وقفہ پر شفقِ احمر کے غروب کا مشاہدہ بیان کیاھے** (۲) نیز اب برطانیہ کے سال بھر کے ہمارے مشاہدات سے بھی ثابت ہوا کہ **برطانیہ میں شفق احمر کا غروب نہ صرف ایک گھنٹہ میں بلکہ اس سے بھی کم وبیش وقت میں مختلف ایام میں مختلف وقفہ پر ہوتا رہا ھے!** لہٰذا یہ سمجھنا سراسر غلط (۳) نیز مدّعی کے دعوے کی بنیاد پر اس سوال کا پیدا ہونا کہ؛ (الف) کیا یہ فتویٰ غیر ذمہ دارانہ تھا؟! اگر نہیں تو مفتی صاحبؒ نے ایسا غیر ذِمّہ دارانہ جواب کیسے دیدیا! جبکہ امداد الاحکام میں آپ کے فتاویٰ بہت باریک نظر کے

حامل ہوتے ہیں اور سونے پر سُہاگہ یہ کہ یہ فتاویٰ حکیم الامّت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے زیرِ نگرانی دیئے جاتے تھے!

(ب) تو پھر عرصہ تک برطانیہ میں ایک گھنٹہ کے وقفہ پر پڑھی گئی عشاء کی نمازیں کیا ادا نہیں ہوئیں؟! اور اب ان کی قضاء لوٹانی ہے؟!،

تو معلوم ہونا چاہیئے کہ یہ جواب غیر ذمّہ دارانہ اس وقت کہا جا سکتا تھا جب شفقِ احمر کا غروب ایک گھنٹہ کے وقفہ پر نہ ہوتا'' جیسے کہ مدّعی کو اصرار ہے کہ شفقِ احمر کا غروب نہ تو ہند میں اور نہ ہی برطانیہ میں ایک گھنٹہ پر ہوسکتا ہے'' مگر نہ صرف آپ کے مذکورہ فتوے میں ذکر کردہ ہند کے مشاہدہ سے بلکہ خود برطانیہ کے سال بھر کے مشاہدات سے بھی ثابت ہوا کہ مدّعی کا یہ دعویٰ ہی سراسر غلط ہے جس کی بنیاد پر یہ اشکال وسوال قائم ہوا، نیز اسی غلط بنیاد پر عدمِ احتیاط کی جو بات لازم آتی ہے! تو یہ بھی دعویٰ ہی کا غلط ہونا ہے نیز جہاں تک تھانہ بھون سے فتویٰ دیئے جانے میں احتیاط کی بات ہے تو آپ کے کمالِ احتیاط کو ملاحظہ فرمائیں؛

امداد الفتاویٰ ج ا ص۱۱۰ تا ۱۱۵ پر سوال نمبر ۱۷۲ اور ۱۷۳ کے استفتاء وجوابات موجود ہیں جو برطانیہ سے ایک ہی سائل کے ہیں، اِن میں سوال درسوال اور اِن روشنیوں کی نشان دہی پر کئے گئے جواب در جواب اور آپؒ کی طرف سے مشاہدہ کرنے کی تاکید پر سائل کا مشاہدہ کے لئے تیاّر نہ ہونے کا

بالآخر جواب آیا تب ہی رصدگاہ ہی نقشہ مجبوراً تیار کروایا گیا کہ ایسے ہی مجبور مواقع پر کسی بھی "تحری واندازی اوقات وقبلہ کا تعین" ضروری ہوتا ہے تاکہ نمازیں کم ازکم اداء ہوجائیں اور مفروضہ حساب کے تقریبی اوقات پر اس طرح بجبوری تعیین ہی سہی! ان نمازوں کے اداء ہونے میں شرعاً کوئی اشکال نہیں!

فائدہ: (۱) منجم نے اس نقشہ میں صرف "آسٹرونومیکل ٹوائی لائٹ" ہی کے مدِ نظر "شفق ابیض" کے اختتام برائے عشاء کو ملحوظ رکھا اور المناک کے وہی ۱۸ درجات والے اوقات درج کردئے اور بس! حالانکہ "شفقِ احمر" کے غروب کے حوالہ سے بھی اسے ۱۵ یا ۱۲ ڈگری کے حساب کو بھی لکھنا چاہیئے تھا جسے نہ لکھا گیا! (۲) نیز اس نقشہ سے حکیم الامتؒ کی طرف فلکیات کے حسابات یا ان کی مخصوص ڈگری کے ۱۸ درجہ زیرِافق کو صبح صادق وشفقِ بیاض کے اختتام میں تائیدوتصدیق کے ضمن میں ہرگز استعمال نہیں کیا جاسکتا ہے جیسے کہ مدّعی نے دعویٰ کیا ہے! کیونکہ یہ نقشہ بجبوری بھیجوایا گیا تھا نیز منجم نے شفقِ احمر کے حوالہ سے اس نقشہ میں نہ تو درجات کے حساب سے وقت لکھا اور نہ ہی کوئی الگ نوٹ شامل کرتے ہوئے متنبہ کیا!

حضرت مولانا شاہ اشرف علی مشاہداتی اوقاتِ نماز کے لئے ہمیشہ کوشاں رہ کر اس کی تعلیم دیتے رہتے تھے، آگے ملاحظہ فرمائیں:۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

حکیم الاُمّتؒ! آپؒ کا مشاہداتی اوقات پر زوروا ہمیت!

یہ بات ذہن نشین رہے کہ شریعتِ اسلامیہ میں نمازوں کے اوقات کی تعین کے لئے بعینہ سورج کو دیکھنا ضروری نہیں اور دن میں تو سایہ کی پیائش واندازہ سے ہی نمازوں کے اوقات کی تعین ہوتی ہے جیسے آپ ﷺ وصحابہ کرامؓ کے معمولات تھے اِسی بنیاد پر حکیم الامتؒ دن میں دھوپ گھڑی سے مشاہدہ فرماتے اور وقت نوٹ فرماتے جس کی سوئی لوہے کے گول پلیٹ کے درمیان اُبھری ہوئی کِیل کی طرح کی ہوتی ہے اور اُس کے اطراف سیکنڈ، منٹ اور گھنٹے بھی لکھے ہوتے ہیں، دھوپ سے اس سوئی کا جو سایہ ہوتا تھا اِس سے آپؒ مشاہداتی جنتری تیار فرماتے تھے۔

حکیم الاُمّتؒ کی مشاہدات کی خصوصیت واحتیاط کے متعلق پروفیسر عبد الطیف صاحب سلّمہٗ نے بھی گواہی دیتے ہوئے آپ کے دو اقوال نقل فرمائے ہوئے ایک جگہ فرمایا کہ "ان دو تحریروں میں واضح طور سے لفظ **بحساب دھوپ گھڑی** (سے مشاہدہ) نے اوقاتِ نماز سے متعلق شک وشبہ کی گنجائش ختم کردی کہ یہ اوقات تھانہ بھون کے لئے کسی ناٹیکل المناک سے نقل کئے گئے تھے"! (یاد رہے کہ المناک برطانوی فلکی رصدگاہ گرینوچ جنتری ہے)۔

(آگے پانچ سطروں کے بعد لکھتے ہیں کہ) "ہاں یہ دوسری بات ہے کہ کسی انتہائی شمالی

علاقہ کے لئے اگر کسی نے کبھی اوقاتِ نماز معلوم کئے ہوں گے، تو مرتّب شدہ ناٹیکل المناک سے اوقاتِ نماز حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی تھانویؒ نے وضع کئے ہوں جیسا کہ ''بحالتِ مجبوری اسکاٹ لینڈ کے علاقہ ''رَین فرو'' کے لئے ایسا کرنا پڑا'' (صبحِ صادق اور صبحِ کاذب ص ۱۱۵) کیونکہ سائل کو مشاہدہ کے لئے یاددہانی و تعلیم بھی کی گئی اس کے باوجود وہ اس پر تیاّر نہ ہو پایا تو ناٹیکل المناک کے حساب پر نقشہ بھیجا۔

(نــــوٹ (۱) یاد رہے کہ اوپر پروفیسر صاحب حکیم الامتؒ کی مشاہدہ ذہنیت کی تائید میں رَین فیرو، اسکاٹ لینڈ کے لئے فلکیاتی نقشہ کو بجبوری بھیجوانے کے حوالہ سے آپؒ و مشاہدہ کے حق میں زبردست صفائی پیش کر رہے ہیں جبکہ ایک صاحب جو اپنی تحریر کو پروفیسر صاحب کی اسی کتاب سے سب سے زیادہ مستفید ہونے پر مرہون ہونے کا اس تحریر کے ص ۳۹ پر بھرپور اظہار تو کرتے ہیں مگر افسوس انہوں نے موصوف کے کئی اور حوالوں کی طرح اس حوالہ کو بھی نہ صرف ''مشاہدہ کی اصلیت'' کے اظہار ہی میں نقل نہ کیا بلکہ اس کے برعکس اوقات کے معاملہ میں حکیم الامتؒ کے ''مشاہدہ'' کے مشن کے برخلاف نیز خود اس نقشہ میں منجم کا استعمال کردہ ''۱۸ درجہ زیرِ افق پر صبح صادق'' ہونے کے وقت کی تردید میں آپؒ کا فتویٰ و بیان ہونے کے باوجود تجاہلِ عارفانہ سے اس نقشہ کو خواہ مخواہ ۱۸ درجہ زیرِ افق پر صبحِ کاذب ہونے کے بجائے صبح صادق ہونے کی تائید میں اپنی تحریر کے ص ۸۲ پر استعمال بھی کیا! (۲) حکیم الامتؒ کی طرف منسوب مذکورہ نقشہ اور ۱۸ زیرِ افق پر صبح کاذب یا صبحِ صادق ہونے کے متعلق تفصیل آگے آ رہی ہے)

(**پروفیسر موصوف نے مزید فرمایا**؛) اللہ رب العزت کے پاک ارشاد اور احادیثِ نبوی ﷺ کی روشنی میں یہ بات قطعی واضح ہے کہ صبحِ صادق، ختمِ سحور، اذان و وقتِ فجر کے بارے

میں جو ہمیں تعلیم دی گئی ہے، اس کا تمام تر دار و مدار رویئت اور مشاہدہ پر ہے، اس باب میں نہ تو کہیں درجات زیرِ افق کا ذکر ہے اور نہ ہی کسی حسابی فارمولے کا بیان! (صبحِ صادق اور صبحِ کاذب ص ۱۹)

موصوف مزید ایک جگہ تھیوریوں و مفروضوں کے بجائے مشاہدات کی اصلیت پر توجّہ دِلاتے ہوئے دینی زبان میں حقیقۃً مولویانہ فتویٰ کے طور اس طرح لکھتے ہیں؛۔ **یہ صحیح ھے** کہ شریعتِ مُطہّرَہ کے تحت صبحِ صادق و صبحِ کاذب کا دار و مدار حساب کتاب جغرافیائی یا فلکیاتی تحقیقات پر موقوف نہیں ہے، ہمارے پیارے آقا فخرِ دو عالم احمد مجتبیٰ محمّد مُصطفیٰ ﷺ نے ہمیں جو تعلیم دی ہے وہ نہایت سہل آسان و عام فہم ہے ''مسئلہ رویتِ ہلال کا ہو یا صبح صادق کا ہو اس کی بنیاد صِرف مشاہدہ ہی ہے، مشاہدہ اصل اساس ہے یہی جڑ و بنیاد ہے'' ہمارا دین سارے جہان کیلئے سارے زمانوں کیلئے ساری بستیوں اور سارے علاقوں کیلئے ہے، خواہ کوئی علاقہ مشرق میں ہو یا مغرِب میں شمال میں ہو یا جنوب میں قربان جایئے اَیسے دینِ متین کے ہر ہر رکن کا دار و مدار اَیسی بنیاد پر ہے کہ جس پر عمل کرنا سمجھنا اور سمجھانا سب ہی کے لئے آسان ہے'' (صبحِ صادق اور صبحِ کاذب ص ۱۱۵)۔

موصوف نے مزید فرمایا؛۔

حقیقت یہ ہے کہ مشاہدہ ہی ہماری اصل اساس ہے یہی جڑ اور بنیاد ہے، مشاہدہ کے لئے کسی کا زیادہ عالم و فاضل ہونا بھی شرط نہیں ہے مشاہدہ میں کسی قسم کے

شک وشبہ کی گنجائش بھی باقی نہیں رہتی ! (ایضاً صفحہ ۱۳۲) یہی وجہ ہے کہ انہی صفحات میں موصوف ہمارے تاریخی مشاہدہ کے مثل حسنِ کردار کی تعریف کرتے ہوئے اس طرح گویاں ہے:

''جن حضرات کو اللہ ربُّ العِزّت نے توفیق بخشی ہے وہ اِمکانی حدتک اپنی سی کوشش وسعی میں اب بھی لگے رہتے ہیں مشاہدات بھی کرتے ہیں اھ۔اس سے بھی بڑھ کر موصوف نے آگے علماء کو ان کے کھوئے ہوئے ماضی کے کردار کی یاد دہانی کراتے ہوئے مشاہدہ کرنے کی طرف اِنہی صفحات میں دردِ دل کے ساتھ متوجِّہ بھی فرمایا! (ایضاً صفحہ ۱۳۲)

الحمداللہ پروفیسر صاحب نے مذکورہ تقریر میں نہ صرف حکیم الامت ؒ کے حوالہ سے ہی بلکہ مستقلاً ''نفسِ مشاہدہ'' کو خاص کر اسلام کے فطری مذہب ہونے کے ناطے ''ہرانسان کے اپنے اپنے مشاہدہ'' کو بھی اہمیت دی جبکہ ان کے خوشہ چوناں نے نہ صرف اس سے بلکہ پوری تقریر کے خلاف منفیانہ رویّہ اپنایا ہے۔

قارئین جیسے کہ انہیں معلوم ہے کہ ہم ''مفتی ظفر احمد تھانویؒ کا عشاء کے لئے شفقِ احمر کے اختتام کے ایک گھنٹہ کے مشاہداتی وقفہ کے برخلاف ''فلکیاتی حساب'' کی بنیاد پر ذکر کردہ سوالیہ نشان ونام نہاد غلطی کی تنقیح کرتے ہوئے یہاں تک پہونچے،اب آگے اسی حوالہ سے مشاہدات وفلکیاتی حسابات کے ڈگری اوقات میں اختلاف پر مزید ملاحظہ فرمائیں:۔

زیرِ افق کے درجات،مشاہدات اور ماہرین میں اختلافات!

محترم مفتی محمد فرید صاحب زید مجدہٗ کا فتویٰ نمبر (۱۴) ص؟؟؟ پر گذرا اجس میں ہے کہ: پاکستان میں بھی مفروضہ حساب کے درجات کا اندازہ ''مشاہدہ سے مختلف ہے''۔

آپ کے اس قول پر جب ہم تحقیق کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ صرف پاکستان ہی کا معاملہ نہیں جیسے کہ ہم جب مختلف مما لک کے ہمارے گذرے مسلم ماہرینِ فن وفلکیات کہ جن کا تعلق عرب وعجم سے تھا ان سب کی تحقیقات سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان کے درمیان بھی فجر وعشاء کے لئے شفقین کی ابتداء وانتہاء میں سورج کے زیرِ افق کے مفروضہ درجات وڈگریوں میں سے کسی ایک پر ہی موافقت کے بجائے اختلاف پایا جاتا ہے!

یہ ماہرین جن کا تعلق عرب،فارس،افریقہ اور ماوراء النّہر (موجودہ روس کے اطراف) کے علاقوں سے تھا انہوں نے مشرقی ومغربی شفق کی ابتداء وانتہاء کی حدِّ فاصل کا یقینی تعیُّن کرنے کے لئے اپنی زندگی کا بیشتر قیمتی عرصہ وقف کردیا!

ان میں سے جنہوں نے بھی اِس چَیلَینج کا مقابلہ کیا لمبا عرصہ گُذارنے کے باوجود شفقین کی ایک حدِّ فاصل پر ان کا آپس میں اِتّفاق نہ ہوسکا،حالانکہ عرب کا موسم سب سے زیادہ صاف ستھرا وگرم ہے پھر بھی عرب ماہرین میں اختلاف رہا!

کیا کوئی سر پھرا اِن ماہرین پر بھی اپنی زبان دراز کرسکتا ہے کہ انہوں نے بھی عدمِ تجربہ اور روشنیوں کی پہچان نہ ہونے پر دھوکہ کھایا!

یادر ہے کہ سال بھر کے ان تاریخی مشاہدات کے خلاف بھانت بھانت کی جو بے تکی ہوائیاں اوڑائی جارہی ہے اس سے نہ صرف پچھلے ماہرین پر مذکورہ الزام لازم آئے گا بلکہ ان کے ساتھ ساتھ ہمارے علمائے کبار کے مشاہدات میں جو اختلاف ہوا ہے اس کا سبب بھی اُن کی عدمِ واقفیت اور ناتجربہ کاری ہی کے مترادف ہونا لازم آئے گا! لاحول ولاقوۃ الا باللہ

ماہرین میں عدمِ اتفاق کے احوال بھی ملاحظہ فرمائیں:۔ ابنِ شاطر متوفی ۷۷۷ھ شفق کیلئے ۱۷ اور فجر کے لئے ۱۹ ڈگری کا کہتے ہیں جبکہ ابوعلی حسن المراکشی متوفی ۱۲۶۲ھ شفق کیلئے ۱۶، اور فجر کیلئے ۲۰، اور ابوعبداللہ السید المعطی شفق کیلئے ۱۸ اور فجر کے لئے ۱۹، ابوعبداللہ بن ابراہیم ابنِ الرقام ۶۸۵ھ شفق و فجر دونوں کے لئے ۱۹ زیر افق، علامہ سبط **المادینی** متوفی ۱۴۹۵ء نے شفق کے لئے ۱۷ اور صبح کے لئے ۱۹ کا لکھا ہے! ساتھ ہی آپ نے صبح وشام کی شفقین میں یہ فرق بھی بتلایا کہ ''صبح کی شفقِ احمر کی سرخی غروبِ آفتاب کے بعد والی شفقِ احمر کی سرخی کے بہ نسبت'' زیادہ دیر رہتی ہے!

رہا **بیرونی**! تو اس کے نزدیک شفق کی ابتداء وانتہاء ۱۸ زیرِ افق پر ہونا اور اس کی بعض

کتابوں میں ۱۷ نیز ۱۹ از یر افق ہونا بھی بتلایا گیا ہے! ذیل میں بیرونی کو ملاحظہ فرمائیں

مختلف کتب کی عربی عبارات سے بیرونی کے نظریہ کی عکاسی

قال فی شرح الچغمنی وقد عرف بالتجربة ان اول الصبح و آخر الشفق انمایکون اذا کان انحطاط الشمس ثمانیة عشر جزئاً اھ، قال المحشی هٰذا هو المشهور، ووقع فی بعض کتب ابی ریحان انه سبعة عشر جزئاً وقیل انه تسعة عشر جزئاً وهٰذا فی ابتداء الصبح الکاذب واما فی ابتداء الصبح الصادق فقد قیل ان انحطاط الشمس حینئذ خمسة عشر جزئاً اھ ص ۱۲۷، **ترجمه**؛ شرح چغمینی میں لکھا ہے کہ ''تجربہ سے معلوم ہوا کہ اول صبح اور آخرِ شفق ۱۸ از یر افق پر ہوتا ہے! محشی فرماتے ہیں کہ یہ تو مشہور قول ہے اور ابوریحان البیرونی کی بعض کتب میں ۱۷ از یر افق کا قول ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ ۱۹ از یر افق ہے اور یہ صبح کاذب کی ابتداء کے متعلق ہے البتہ صبح صادق کے متعلق کہا گیا ہے کہ یہ ۱۵ از یر افق پر ہے (امداد الاحکام ج ۱ ص ۴۰۱)۔

نیز احسن الفتاویٰ ج ۲ ص ۱۶۴۔۱۶۵ پر ''حوالجات تحقیقاتِ قدیمہ'' کے عنوان کے ماتحت ذیل کے اقوال اور ساتھ میں ان کے جو تراجم وہاں ص ۱۶۶ اور ۱۶۷ پر ہیں دونوں (عربی اردو) کو بعینہ وہاں سے یہاں نقل کیا جارہا ہے ؛

(۱) قال فی التصریحاذقد علم بالتجربة ان انحطاط الشمس اول الصبح الکاذب وآخرالشفق ثمانیة عشر درجة(تصریح ص۶۹) **ترجمہ**:۔ تجربہ سے بلاشبہ ثابت ہواہے کہ صبحِ کاذب کی ابتداءاور شفق کے آخر میں آفتاب افق سے ۱۸ درجہ نیچے ہوتا ہے

(۲) وفی حاشیة ابی الفضل محمد حفیظ اللہ رحمہ اللہ علی التصریحواعلم ان المراد من الانحطاط فی الجانبین انحطاط مرکز الشمس عن الافق الشرقی اوالغربی وھو قدر ثمانیة عشر درجة ویقطعه الفلک الاعظم فی ساعة وخمس ساعة وھٰذہ مجموع الصبحین الصادق والکاذب ومن ذٰلک المجموع خمس ساعة حصة الصبح الکاذب والساعة الواحدة حصة الصبح الصادق وامابیان تفریقھاالیھما ففی ذکراطناب لایسعہ الرسالة (تصریح۶۹) **ترجمہ**:۔افقِ شرقی وغربی سے آفتاب کے مرکز کاانحطاط مراد ہےاوروہ ۱۸ درجہ ہے،فلکِ اعظم اسے ایک گھنٹہ اوراس کے پانچویں حصہ میں طے کرتا ہے اور یہ صبحِ صادق وکازب دونوں کا مجموعہ ہے،اس مجموعہ میں سے پانچواں حصہ صبحِ کاذب کا حصہ ہےاورایک گھنٹہ صبحِ صادق کاحصّہ ہےاس تقسیم کی تفصیل میں تطویل ہے جس کی اس رسالہ میں گنجائش نہیں

(۳) وفی شرح الچغمینی وقدعرف بالتجربة ان اول الصبح وآخرالشفق انمایکون اذاکان انحطاط الشمس ثمانیة عشر جزئاًففی بلد یکون عرضه اقل من تمام المیل بثمانیة عشرجزئاًیتصل الشفق بالصبح الکاذب اذاکانت الشمس فی المنقلب الصیفی (شرح چغمینی ص ۱۷۵) **ترجمہ**:۔تجربہ سے ثابت ہواہے کہ صبح کی ابتدااور شفق کی انتہاء اس وقت ہوتی ہے جبکہ آفتاب افق سے اٹھارہ درجہ نیچے ہوتا ہےلہٰذا جس شہر کا عرض تمام المیل سے اٹھارہ درجہ کم ہوگا وہاں انقلابِ صیفی (۲۲جون) کے وقت شفق صبحِ کاذب سے مل جائے گی،

(۴)ونقل العلامة عبد الحلیم لکنوی رحمہ اللہ عن العلامه **عبد العلی البرجندی** رحمہ اللہ تعالی 'فی شرح حاشیة علی 'شرح الچغمینی (قوله اذاکان انحطاط الشمس ثمانیة عشر جزئاً)ھٰذا ھو المشھور ووقع فی بعض کتب ابی ریحان انه سبعة عشر جزئاً وقیل انه تسعة عشر جزئاً وھٰزا فی ابتاداء الصبح الکاذب واما فی ابتداء الصبح الصادق فقد قیل ان انحطاط الشمس حینئز خمسة عشر جزئاً واللہتعالیٰ اعلم (شرح چغمینی ص۱۷۵)

ترجمہ:۔ یہ ۱۸ درجہ زیرِ افق صبحِ کاذب کی ابتداء ہےاور صبحِ صادق کی ابتداء کے بارے میں بلاشبہ کہا گیا ہے کہ اس وقت آفتاب ۱۵ درجہ نیچے ہوتا ہے۔

(۵)۔قال البیرونیؒ وذٰلک ھوالفجر وھو ثلٰثة انواع(ثم قال بعد ذکر الانواع الثلاثة) وبحسب الحاجة الی الفجر والشفق رصد اصحاب ھٰذہ الصناعة امرہ فحصلوا من قوانین وقت طلوع الفجر فی المشرق ووقت مغیب الشفق فی المغرب ولمالم یکن شیئا معیّناً بل بالاول مختلطاً اختلف فی ھٰذا القانون فراٰہ بعضھم سبعة عشر جزئاً(القانون المسعودی لابی ریحان البیرونی (ایضاج۲ص۱۶۵) **ترجمہ**:۔ابوریحان البیرونی نے فجر کی تین قسمیں بیان کرنے کے بعد فرمایا کہ آفتاب جب اٹھارہ درجہ زیرِ افق ہوتا ہے اس وقت فجر کی ابتداءاور شفق کی انتہاء ہوتی ہے۔

(**خاص نوٹ**) قارئین کی معلومات کے لئے عرض ہے کہ احسن الفتاویٰ ج۲ص۱۶۵ میں اوپر کی نمبر

۵والی بیرونی کی مذکورہ عبارت پر ایک حاشیہ بھی ہے جو بیرونی کی عبارت میں لفظِ ’’شروط العبادات‘‘ کے مدِّ نظر ۱۸ پر صبحِ صادق‘‘ ثابت کرنی کی کوشش کی تردید میں ہے، جو اسی جلد کے ص۱۹۴، ۲۲۶و۲۳۴ کے حاشیہ میں ذیل کے الفاظ میں پورا بیان کیا گیا ہے ملاحظہ ہو:۔

بعضوں کو وهم هوا هے که بیرونی نے ۱۸ زیرِ افق کا جو معیار بتایا هے وہ فجرِ صادق سے متعلق هے اس کے بطلان پر شواهد موجود هیں؛۔

(**الف**) بیرونی نے پہلے فجر کی تعریف کی پھر اس کی تین انواع بیان کیں، پھر ابتداءِ فجر کا معیار بتایا، اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہی فجر کی نوعِ اوّل یعنی فجرِ کاذب کا وقت ہے، یہ امر سیاقِ عبارت سے ظاہر ہونے کے علاوہ دوسرے فلکیین کے طرزِ تحریر کے بھی مطابق ہے کیونکہ وہ ۱۸ ازیرِ افق کو ’’مطلق فجر‘‘ سے تعبیر کر کے ’’فجر کاذب‘‘ مراد لیتے ہیں، (اگر) فجرِ صادق کے بیان میں بیرونی کے شروط العبادات کے پیشِ نظر معیار کا بیان مقصود ہو (تا) تو وہ غروبِ شفقِ احمر کے درجات بھی بیان کرتے! بالخصوص جبکہ واختلاف الائمّة فی اسم الشفق علی ایّھمایقع اوجب ان یتنبّہ لھمامعاً سے اس کے علم کی اہمیت بھی بیان کر چکے ہیں‘‘

(**ب**) بیرونی نے فجرِ صادق کی تعریف یوں بیان کی ہے: منبسط فی عرض الافق مستدیر کنصفِ دائرة ، ۱۸ ازیرِ افق کے وقت نصف دائرہ کی شکل ہرگز نہیں آسکتی، جب چاہیں جہاں چاہیں مشاہدہ کر کے فیصلہ کریں، تمام فلکیین اس وقت ظاہر ہونے والی روشنی کو مستطیل بتاتے ہیں اور گیارہ علماء کے تین روز

تک مشاہدات میں بھی یہ روشنی مستطیل ہی نظر آئی ہے جیسا کہ مفتی محمد شفیع صاحبؒ کی خود نوشتہ روئداد میں تحریر ہے،

(**ج**) **بیرونی** کی عبارت وبحسب الحاجة الی الفجر والشفق رصد اصحاب ھٰذہ الصناعة امرہ فحسلوا من قوانین وقتہ (الی قولہ) اختلف فی ھٰذاالقانون فراٰہ بعضھم سبعة عشر جزء اُسے ثابت ہوا کہ وہ اپنا ذاتی مشاہدہ اور اس کی بناء پر خود کوئی فیصلہ نہیں لکھ رہے ہیں (!!!)، بلکہ دوسرے فلکیین کے مشاہدات اور ان کے مختلف اقوال نقل کر رہے ہیں، اور یہ ثابت کیا جا چکا ہے کہ دوسرے تمام فلکیین اس کو فجرِ کاذب قرار دیتے ہیں،

(**د**) علاّمہ برجندیؒ نے (پیچھے عربی والے نمبر۴ میں) بیرونی سے ۱۷ ازیرِ افق پر صبح کاذب کا قول نقل فرمایا ہے، اس سے ثابت ہوا کہ انہوں نے بھی بیرونی کی اس عبارت کو صبحِ کاذب سے متعلّق قرار دیا،

(**ہ**) بیرونی کی عبارتِ مذکورہ سے ظاہراً اور ان کی کتاب ’’تفہیم‘‘ کی عبارت ثم یتلوہ (الصبح الکاذب) الفجر الصادق معترضاً علیہ منبسطاً فی الافق ’’میں معترضاً علیہ سے صراحةً ثابت ہوا کہ بیرونی کے نزدیک بھی صبحِ صادق سے قبل متصلاً صبحِ کاذب نہیں ہوتی! حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ کی سرکردگی میں گیارہ علماء کے مشاہدات میں بھی اس سے قبل کوئی روشنی نظر نہیں آئی اھ۔

پروفیسر عبداللطیف سلمہ اور بیرونی کے حوالہجات

موصوف نے اپنی اس کتاب میں یقیناً قابلِ داد مختلف حوالہجات کو جمع کرتے ہوئے بڑی عرق ریزی سے اپنے موقف کو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے البتہ حوالہجات کے تراجم میں کہیں کہیں ان کے مطلق لفظ کا ترجمہ اپنی رائے پر منطبق کیا ہے! اور یہی وجہ ہے کہ جن صاحب نے موصوف کی اس کتاب پر اپنی کاوش کو مرہون لکھا ہے انہوں نے بھی موصوف کی نقل میں ہمّت پا کر اپنی حوالہ عبارات کے تراجیم میں بھی بار بار یہی رویہ اپنالیا!

بہر حال پروفیسر صاحب نے البیرونی کے حوالہ سے جو نقل کیا ہے اسے ذیل میں بعینہ نقل کر کیا جارہا ہے تا کہ قارئین کے سامنے پچھلے ذکر کردہ حوالہجات کی طرح موصوف والاحوالہ بھی غیر طرفدارانہ طور پر آجائے،

موصوف اپنی اس کتاب کے ص ۴۵ پر ایک عنوان ''حوالہجات'' کے نام سے قائم کرتے ہیں اور اس کے ذیل میں ''تحقیقات ابوریحان البیرونی'' کے تحت بیرونی کی کتاب القانون المسعودی ج۲ المقالۃالثامنۃ ،ص ۹۴۸ تا ۹۵۰ طبعۃ الاولی مطبعۃ مجلس دائرۃ المعارف النعمایہ ،حیدرآباد، دکن ۱۳۷۴ھ ۱۹۵۵ء کے حوالہ سے اس کی پوری عبارت نقل کرتے ہیں، ملاحظہ ہو:

الباب الثالث عشرفی اوقات طلوع الفجر ومغیب الشفق:۔

شعاع الشمس حاصل فی کل الھواء الذی فی تجویف الفلک ماخلاموضع

مخروط الظل فانہ غیر واصل الیہ ،ولسکن الانارۃ لاتکون للمشف وکماقلنا انھاللقمروللارض فقط من جھۃ استحصافھا فانھاایضاً للاجزاء المنفصلۃ منھااحوال الارض مجتمعۃ کالغیوم ومفترقۃ کالھباآت والبصر فی الظلام وخاصۃ المتراکم منہ البعید الحواشی اقوی علی الادراک فاذااقتربت الشمس من الافق للطلوع واشتدّ میل مخروط الظل عنا قربا مناّ محیطۃ المستنیر والذی یلی الارض منہ اشدّ استنارۃ بالھباآت الارضیۃ الّتی فیہ فادرکناھا جملۃ غیر منفصلۃ لانّ اسافلھا التی نحونا تکون مضیئۃ وذٰلک ھو الفجر وھو ثلاثۃ انواع ؛ **اولھا** مستدق مستطیل منتصب یعرف بالصبح الکاذب ویلقب بزنب السرحان ولایتعلق بہ شیء من الاحکام الشرعیۃ ولامن العبادات الرّسمیۃ ،

والنوع الثانی منبسط فی عرض الافق مستدیر کنصف دائرۃ یضیء بہ العالم فینتشر لہ الحیوانات والناس للعادات ،وتنعقد بہ شروط العبادات، **والنوع الثالث** حمرۃ تتبعھا وتسبق الشمس وھو کالاول فی باب الشرع **وعلی مثلہ حال الشفق** فان سببھما واحد وکونھما واحد **وھوایضا ثلٰثۃانواع مخالفۃ الترتیب لماذکرنا**،وذٰلک ان **الحمرۃ** بعد غروب الشمس اول انواعہ ، **والبیاض المنتشر** ثانیھا ،واختلاف الائمۃ فی اسم الشفق علیٰ ایھما یقع اوجب ان یتنبہ لھمامعاً ، **والثالث المستطیل** المنتصب الموازی للذنب السرحان ،وانما لایتنبہ الناس لہ لان وقتہ عند اختتام الاعمال واشتغالھم بالاکتنان ،واما وقت الصبح فالعادۃ فیہ جاریۃ باستکمال الراحۃ والتھیئو للتصرف فھم فیہ منتظرون طلیعۃ النھار لیاخذوافی الانتشارفلذٰلک ظھرلھم ھٰذا وخفی ذٰلک، وبحسب الحاجۃ الی الفجر والشفق رصد اصحاب ھٰذہ الصناعۃ امرہ فحصلوا من قوانین وقتہ ان

انحطاط الشمس تحت الافق متیٰ کان ثمانیة عشر جزء کان ذٰلک وقت طلوع الفجر فی المشرق ووقت مغیب الشمس فی المغرب ولماّ لم یکن شیئاً معیّناً بل بالاوّل مختلطا اختلف فی هٰذه القانون فرآه بعضهم سبع عشر جزئاً.

ترجمہ؛۔ **تیرھواں باب طلوعِ فجر اور غروب شفق میں ھے** ؛

سورج کی شعائیں فضاء کے پورے پیٹ پر حاوی ہوتی ہیں ،سوائے ظلِ مخروط کے کہ وہاں شعائیں نہیں پہونچتیں،لیکن شفاف چیز روشنی قبول نہیں کرتی ،اور جیسا کہ ہم کہہ گزرے ہیں کہ یہ روشنی چانداورزمین کوسخت اور مضبوط ہونے کی وجہ سے حاصل ہوتی ہے ،وہ بھی زمین سے منفصل اجزاء کی وجہ سے جوزمین کے اردگردزمین کواحاطہ کئے ہوئے ہیں خواہ وہ مجتمع ہوں جیسے **بادل** یامتفرق جیسے **ذرّات**، **غبار**،

یادرہے کہ اندھیراخصوصی طور سے وہ اندھیراجوسخت اور پھیلا ہواہوادراک کا قوی ترین ذریعہ ہوتا ہے،پس جب سورج افق کے قریب ہوکرطلوع ہونے کے قریب ہوجائے تومخروطِ ظلی کا جھکاؤ شدید ہوکراس کا محیط مستنیر ہم سے قریب ہوجاتا ہے،خصوصاً جوحصّہ زمین سے قریب ہو،اس کی روشنی توذرّاتِ زمین کے اکٹھے ہونے کی وجہ سے بہت زیادہ ہوتی ہے،پس ہم ان کواکٹھاغیر منفصل دیکھ پاتے ہیں،اس لئے کہ ان کے اجزائے سفلیہ روشن اور مستنیر ہوتے ہیں،اوریہی فجر ہے،جس کی تین قسمیں ہیں؛۔

پھلی قسم ؛۔ باریک مستطیل کھڑی ہے،جس کوصبح کاذب کہتے ہیں،اورذنب السرحان (بھیڑ ھئے کی دم) کے ساتھ اس کوملقّب کیا جاتا ہے،اس کے ساتھ احکامِ شرعیہ میں سے کوئی حکم اورنہ عادتوں میں سیکوئی عادت وابستہ ہے،

دوسری قسم ؛۔افقِ ارضی پرپھیلی ہوئی نصف گول دائرہ ہ کی شکل میں ہے،جس سے عالم روشن ہوجاتا ہے ،حیوانات اور انسان اپنی عادت کے مطاق اٹھ جاتے ہیں ،اور عبادات کی شرائط اس کے ساتھ وابستہ کی جاتی ہیں،

تیسری قسم ؛۔اس کے بعدسورج طلوع ہونے سے پہلے ایک سرخی ہے،جاور یہ بھی شریعت کے باب میں پہلی کی طرح ہے،

شفق کی بھی فجر کی طرح تین قسمیں ھیں ؛اس لئے کہ دونوں کا سبب اورتکوّن ایک ہے،جس کی ترتیب صبح سے الٹی ہے،اس لئے کہ؛۔

(۱)سورج غروب ہونے کے بعد**سرخی پھلی قسم ھے**،

(۲) پھر **منتشر سفیدی دوسری قسم ھے**،ہاں ائمہ کے اختلاف نے کہ شفق کا اطلاق کس پر ہوتا ہے،دونوں کو بحث کا تختئہ مشق بنایا،

(۳)**تیسری مستطیل کھڑی** جوذنب السرحان کا متوازی (موازی) ہے،لوگ اس سے کام کاج کی مشغولیت اورگھروں میں سرچھپانے کے وقت ہونے کی وجہ سے غافل رہتے ہیں،چونکہ صبح کے وقت نیند پوری کرکے کاروبار کی تیاری کی جاتی ہے،اس وجہ سے لوگ چلنے پھرنے کے لئے صبح کا انتظار کرتے ہیں،اوراس وجہ سے صبح ظاہراور یہ دوسرا مخفی رہا،چونکہ لوگوں کوشفق اور فجر کی ضرورت پڑتی ہے،اس لئے اہلِ فن نے اس کے وقت کو محفوظ کرنے کے لئے قوانن بنائے اور وہ یہ ہیں کہ؛۔سورج جب افق کے تحت ۱۸درجات پرہوتا ہے تویہ طلوعِ فجر کا ٹائم ہوتا ہے،مشرق میں چونکہ یہ فجر پہلی فجر کے ساتھ خلط ہونے کی وجہ سے اچھی طرح متعیّن نہیں ہوسکتی اس وجہ سے بعض لوگ اس کو۱۷درجہ پر بتاتے ہیں اھ

بیرونی کی عربی عبارت کا پروفیسر صاحب کا ترجمہ ختم ہوا، اب ذیل میں پروفیسر صاحب نے اسی کتاب کے ص ۵۰ پر جو انگلش عبارت نقل کی ہے وہ بھی قارئین کی نظر کی جاتی ہے؛

Abu Rayhan Mohammad Bin Ahmad AL-BIRUNI

(d.440AH-1048AD)

SURVEY OF THE EXTANT MANUSCRIPTS OF THE QANON-I-MAS`UDI OF AL-BIRUNI

Vol.1. (An Encyclopaedia of Astronomical Sciences) (1)

DAWN AND SUNSET

This subject enjoyed sufficient importance with the Muslim scientists, as the two phenomena helped in deter-mining the times for some prayers, and fasting.

We know that the greatest Muslim writer on Optics ,Ibn-ul-Haitham, determined that the twilight begins or ceases when the sun is 19 degrees below the horizon, and attempted thereby also to measure the height of the atmosphere.

In Chapter x!!!Of the V!!! Maqala al-Biruni deals with the subject, and it is remarkable that he was cognizant of still better results, for he informs us that both these phenomena occurred when the sun was 18 degrees below the horizon. He adds that some people determined it as 17 degrees.

The former result corresponds exactly with the best modern researches. Evidently both the results, slightly deferent from Ibn-ul-Haitham`s, are based on independent researches.

We know that Optics was one of al-Biruni `s favourite subjects in which he left some original researches of his own. It is a pity that none of his books on this subject are available now although at least one of them, al-Lam`at, was known and utilised by the author of the Jami`-i-Bahadur Khani, an Encyclopaedia of Mathematics, produced in the begining of the last century.

....

(1) Published by the Idaratul-Maarif Osmania 1954AD.

یہاں تک پچھلے دس صفحات میں بیرونی کے حوالہ سے مختلف کتب کے حوالجات واقوال بیان ہوئے جن سے قارئین کے سامنے ماہرین میں اختلافات ہونے کی واضح تصویر آ چکی!،

ہم نے مذکورہ حوالجات ''ماہرین میں شفقین کی ابتداء وانتہاء کے بارے میں اِن کے زیرافق کے درجات میں آپسی اختلافات کے ضمن میں پان تمام حوالہ جات سے معلوم ہوا کہ عشاء وفجر کے لئے زیرِ افق کے پڑھے۔

معلوم ہوا کہ شفقین کیزیرِ افق کے درجات میں ماہرین میں زبردست اختلاف ہے جیسے کہ پچھلے چالیس پچاس سالہ دور کے مختلف مشاہدات سے بھی یہ اختلاف ہمارے سامنے اب بھی موجود ہے اور غور طلب بات یہ ہے کہ اب بھی نہ تو صبحِ صادق کے لئے اور نہ ہی شفق کیلئے ۱۸ درجات زیرِ افق پر سب متفق ہیں اور نہ ہی صبح شام کی شفقین میں فاصلہ کے درجات برابر ہونے کے قائل ہیں؛۔

بعد غروبِ آفتاب شفقِ بیاض کے اختتام میں اختلافات ومفروضہ حساب ومشاہدہ کے حوالہ سے مزید تفصیل

حضرت مولانا مفتی رشید احمد لدھیانویؒ نے بیاضِ مستطیل کے ضمن میں یہ عبارت نقل فرمائی ہے:۔وما روی عن الخلیل انه قال رئیت البیاض بمکة شرفها اللہ تعالیٰ فما ذهب الا بعد نصف اللیل محمول علیٰ بیاض الجو وذٰلک یغیب آخِر اللیل واما بیاض الشفق وهو رقیق الحُمرة فلایتئخر عنها الا قلیلاً قدر ما یتئخر

طلوع الحمرة عن البياض فی الفجر (زیلعی ج ا ص ۸۱) اھ اس عبارت میں مکہ شریف کے مشاہدہ میں آدھی رات تک سفیدی کی بقاء کا قول ہے جسے شفق کی روشنی کے بجائے ''بیاض الجو یعنی خلاء کی روشنی سے تعبیر کیا گیا ہے (نیز مفتی صاحبؒ نے بھی آدھی رات تک رہنے والی اپنے مشاہدہ والی بیاض کو خلاء وستاروں اور کہکشاں کی روشنی بتلایا ہے (احسن الفتاویٰ ج ۲ ص ۱۸۰) اور بھی بہت سے مختلف اقوال ہیں جنہیں یہاں سمویا نہیں جا سکتا۔

بتلانا یہ مقصود ہے کہ ماہرین میں فلکیاتی حسابات اور مشاہدات کے حوالہ سے اختلاف پہلے سے چلا آرہا ہے یہاں تک کہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ صبحِ کاذب (بیاضِ مستطیل) سال بھر ایک دو ماہ کے علاوہ کبھی نظر نہیں آتی (احسن الفتاویٰ ج ۲ ص ۱۷۸ اور ۱۸۰۔ نیز ہمارے سال بھر کے مسلسل تاریخی مشاہداتی تجربات سے بھی یہ ثابت ہے)

بہرحال ماہرین کے اِتفاق یا عدمِ اتفاق کا اسلام کے اصولوں کی قطعیت و حقّانیت یا اس کے ثبوت و عدمِ ثبوت سے کوئی علاقہ نہیں اور بقول حضرت مولانا مفتی برہان الدّین سنبھلی زید مجدہ ''**شریعتِ مقدّسہ ان (ماہرین) کی تحقیق کی پابند نہیں ہے اسکے مزاج میں جو سادگی سہولت وفطریت رکھی گئی ہے وہ علیٰ حالہٖ قائم ہے اور قائم رہے گی**'' اھ

یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ کہ قرآن جو دینِ اسلام کی بنیاد ہے سائنس کو ثابت کرنے کیلئے تو آپ ﷺ پر نازل نہیں کیا گیا بلکہ اس ہستی کو پہچاننے اور مخلوق کے بجائے

معبُودِ حقیقی وخالق کو تسلیم کرنے پر رہنماء بنایا گیا جسے عرب اور دنیا بُھلا چکی تھی!

اللّٰہ جلّ جلالہٗ کا فرمان ہے الم ذٰلک الکتاب لا ریب فیه هدیً للمتّقین الّذین یئومنون'' بالغیب'' ویقیمون الصّلوٰة وممّا رزقنٰهم یُنفقون والذین یئومنون بما اُنزل الیک وما اُنزل من قبلک وبالآخرة هم یوقنون اولٰئک علیٰ هدیً من رّبّهم واولٰئک هم المُفلحون (البقرہ، آیت ا تا ۵) اِن آیات میں ''**قرآن لاریب**'' کے نزول کا مقصد اور کامیابی کا دارومدار اور کامیاب لوگوں کی نشاندہی واضح طور پر جو کی گئی کیا اس میں ''**مفروضات**'' کا کوئی ذکر ہے؟! ہرگز نہیں، بلکہ ''**ایمان بالغیب کی قطعیت**'' جو مفروضہ سائنس کی ضد ہے، اس کا ذکر ہے کیونکہ سائنس تو مادہ کے بغیر بات ہی نہیں کرتی اور اِسی ضدِّ سائنس پر ایمان کے حوالہ سے فلاح کا مُژدہ ہے، قرآن میں جہاں جہاں غور وفکر کی دعوت دی گئی ہے اس کا مطلب یہ نہیں کہ سائنسی مضامین کی حامل آیات میں تعمُّق کرے تب ہی ایمانی ترقی و کامیابی ہے! نہیں ہرگز نہیں! البتّہ انسان اپنی دنیوی بہبود کے لئے جو سائنسی ترقیات کرتا ہے اس پر ان آیات کو منطبق کرنا یہ قرآنی تقاضہ نہیں!۔

لہٰذا ان آیات کو مذکورہ آیات ہی کے ضمن میں دیکھا جائے گا جس میں کامیابی کا دارومدار اور اس کے اسباب کا واضح طور پر یہ بیان ہے کہ ''چاند سورج ستارے آسمان چرند پرند کی موجودگی اللّٰہ ہی کے رب ہونے پر دلالت کرتی ہیں

"یہ الگ بات ہے کہ ماہرینِ سائنس اپنا نظریہ ثابت کرنے کے لئے قرآن اور اس کی آیات کو استعمال کریں!

قرآن اور اس کی اس قسم کی مذکورہ و دیگر آیات سے اگر کسی کو "**سائنس وفلسفہ کے دینی امر**" ہونے کو ثابت کرنے کے جواز کا حق دیا جاسکتا تو وہ، کلام وفلسفہ کے امام ابو حامد محمّد غزالیؒ کی شخصیت ہوتی! جنھوں نے علم کلام فلسفہ، طبیعیات والٰہیات کے حوالوں سے دینِ اسلام کی حقّانیت اس کی آفاقی تعلیمات کی وکالت کرتے ہوئے مغرور فلسفیوں کی ناک میں دم کر دیا تھا،

آپؒ قرآنی دعوتِ غور وفکر ونصوص کی وکالت کرتے ہوئے حکمت وسائنسی مضامین کا خلاصہ اس طرح بیان فرماتے ہیں:۔ معمولی شعور رکھنے والا شخص بھی اگر اِن آیات میں غور وفکر کرے، آسمان وزمین کے عجائبات پر نظر ڈالے حیوانات اور نباتات کی تخلیق کا بنظرِ عبرت مشاہدہ کرے وہ یہی نتیجہ اخذ کرے گا کہ ان عجیب وغریب ومرتّب محکم چیزوں کا کوئی بنانیوالا بھی ہے جو ان کا نظام قائم رکھتا ہے ان کی تقدیریں بناتا ہے" (احیاء العلوم ج ا ص ۱۹۵) اھ

بات قرآن اور ضدِّ قرآن، سائنس کی ہو رہی ہے تو یہ بھی دیکھیں اللہ سبحٰنہٗ وتعالیٰ کہ جس کا یہ کلام ہے وہ تو نظر بھی نہیں آسکتا ہے اور سائنس کی بنیاد تو مادّہ ہے جہاں اجزائے ترکیبی کے بغیر بات ہی نہیں ہوتی جسکا موضوع مادّہ ہے جو نظر

بھی آسکے اور ان میں تبدیلی بھی وقوع پذیر ہو! چاہے اسے جاننے کے لئے کیسے ہی باریک سے باریک خوردبین کی ضرورت کیوں نہ پڑے اس کے برخلاف اسلام کا یہ بنیادی عقیدہ ہے کہ اللہ کی ذات مادّہ اور اس کے عیبوں سے پاک ہے جسے ہماری یہ مادّی آنکھیں دیکھ بھی نہیں سکتیں!

چاہے اس کے لئے کیسے ہی باریک سے باریک خوردبین کیوں نہ استعمال کرلئے جائیں، وہ نہ تو کسی سے پیدا ہوا اور نہ ہی اُسے کسی نے بنایا، وہ قدیم وابدی ہے اور دنیا جہان وساری کائنات کا وہی خالق ہے جو ایسا ہے کہ جب کسی چیز کے وجود یا عدم کا ارادہ کرے تو اُسے مادّوں کو اِکٹھّا کرنے کی کوئی ضرورت نہیں بلکہ وہ تو بس کہہ دیتا ہے کہ ہوجا، تو وہ ہوجاتی ہے۔

یہ دینِ اسلام کا عقیدہ ہے جسے اُسی ذاتِ پاک برترین نے ہمیں سکھایا جس کا ایک مؤمن ومسلمان کسی بھی صورت انکار نہیں کرسکتا ہے کیونکہ اس نے اپنے آخری نبی ﷺ کی مَا یَنطِقُ عَنِ الھَویٰ والی زبانِ وحی سے ہمیں یہ درس دیا کہ **اِذَا اَرَادَ شَیئاً اَن یَّقُولَ لَہٗ کُن فَیَکُون** (یٰس آیت ۸۲) نیز **قُل ھو اللّٰہُ احد اللّٰہُ الصَّمد لَم یَلِد وَلَم یُولَد وَلَم یَکُن لَّہٗ کُفُواً اَحَد** (الاخلاص)۔

معلوم ہوا کہ غور وفکر کی دعوت والی آیات سے یہ سمجھنا کہ سائنس سے قرآنی دعوے صحیح ثابت ہورہے ہیں اس لئے قرآن سائنس کی دعوت دے رہا ہے غلط

ہے بلکہ یہ اللہ کی ربوبیت اور وحدانیت کے اقرار وہدایت کی دعوت دیتا ہے اور اس سے اگر سائنس کے دعاوی ثابت ہو رہے ہیں تو یہ مزید اس کے حق ومنزّل من اللہ ہونے کی دلیل ہے۔ کیونکہ آیتِ کریمہ **الّذین یوئمنون بالغیب** اور یہ دو آیات ایمان بالغیب کی دعوت دیتی ہیں نہ کہ سائنس پر ایمان کی جو ایمان بالغیب کی ضد ہے جیسے کہ واضح ہوا۔

(چونکہ ماہرینِ فن میں اختلافات کی بحثیں جاری ہیں ذیل میں ان کی شہادت کو بھی شرعاً دیکھا جائے؛)

شرعی حدود دِشہادت اور مُحقّقین وماہرین!

باب الشہادت کو مدِّ نظر رکھ کر جب ہم کسی ماہرِ فن کے احوال کو دیکھتے ہیں تو دیکھا گیا کہ اُس فردِ واحد نے اپنی نظریاتی تحقیق کو تحریراً محفوظ کر دیا جسے مابعد والوں نے شرعی حدود و قیودِ شہادت اور اس کے عقائد یا غیر اسلامی نظریات وغیرہ سے قطعِ نظر کرتے ہوئے اس کے مقولہ کو اپنے مدلول کے لئے اِضافی دلیل کے طور پر پیش کر دیا اس طرح اس کا رواج ہوتا چلا گیا البتہ علماء وفقہائے اُمت نے اس کے باوجود ماہرین کے یہ اقوال ومقولوں کو نصوص پر ترجیح نہ دی!

کیونکہ اصول ونصوص کے بالمقابل شریعت نے فلکیاتی اصول اور اس کے قوانین کا اعتبار نہیں کیا لہٰذا اصولِ شہادت کے مدِ نظر ہم دیکھیں، مثلاً یہ بات بہت کم دیکھنے کو ملے گی کہ فردِ واحد یا افراد اپنی تحقیق کے وقت ایک دوسرے کے

ساتھ تھے یا یہ کہ ہر ایک کا زمان ومکان ایک تھا (سوائے چند کے) اور یہ کہ ان کے عقائد سب شرعی طور پر صحیح ومتفق علیہ تھے! مثلاً:۔ **علاّمہ ابن رشد** جنہوں نے چھٹی صدی ہجری میں عقلیت پسند اور ارسطاطالیت (Potalemic Phelosophi) کے مفسر ہونے میں نام کمایا! علم میں وہ اللہ کے لئے ''برتر'' ہونے کے لفظ کو استعمال کرتے ہیں (جس کا مطلب ''علم کے کلیہ میں غیر اللہ بھی شریک ہیں مگر غیر اللہ مقابلۃً ادنیٰ رتبہ پر ہے)! علاّمہ کی کتابوں کو جلایا گیا، نیز ملحدانہ خیالات کی بنیاد پر **مراکش** میں علمائے دین کی سخت مخالفت پر وطن (قرطبہ اسپین) واپسی پر وہاں بھی نہ صرف مسلمان بلکہ عیسائی علماء نے بھی کفر کے فتوے لگائے!

علاّمہ نے موسیقی پر دو کتابیں بھی لکھیں جو عیّاشی اور شاہی محلّات کی زینت بنیں اور آج موسیقی سے لطف اندوزی کے جواز پر اس ''خدمت'' کو حوالہ میں پیش کیا جاتا ہے! وہ علمی کمالات وعقلیت پسندی کی حدِ کمال اور عقلی استعداد کی بلندی پر براجمان ہر فن مولیٰ تھے یہی وجہ ہے کہ فقہ میں بھی انہوں نے اپنا لوہا منوایا یہی وجہ ہے کہ اسے علاّمہ کے لقب سے لوگ یاد کرتے ہیں۔

یاد رہے کہ ''محض علمی استعداد'' دینی اعتبار سے ''اسلامیت وتقویٰ'' کی سند نہیں بن سکتی'' جسے عقلی سوچ ونظریہ کی ''تصدیق کی دلیل'' تسلیم کی جائے! یہی وجہ ہے کہ ہم بہت سے گزرے اور حالیہ مستشرقین (غیر مسلمین) کو دیکھتے ہیں کہ

اسلامی احکامات وقوانین پر ان کی علمیت واستعداد کسی ''مسلم علاّمہ'' سے کم ترنہیں ہوتی مگر اس بنیاد پر وہ ''اسلامیت اور اس کے تقویٰ'' کی سند کے قابل نہیں کہ وہ مسلمانوں کا ''دینی امام'' ہو سکے! کیونکہ اس کی بنیاد تو صرف اور صرف قرآن وسنت اور ان پر موقوف ''ایمان وعمل وتقویٰ'' ہے!

بہر حال علامہ ابن رشد نے اسلامی عقائد کو فلسفہ پر منطبق کرنے پر زور آزمائی کی ہے جس کے خلاف امامِ فلسفہ ابو حامد محمد غزالیؒ نے نہ صرف مخالفت کر کے مناظرے بھی کئے بلکہ مدلل کلام سے ''مقاصد الفلاسفہ۔تھامۃ الفلاسفہ اور مشہور زمانہ احیاء العلوم وغیرہ کتابیں لکھ کر فلسفیوں کی ناک میں دم کر دیا تھا اور یونانی کتب کے تراجم کے بعد اسلامی عقائد کے خلاف جو بھی مہم جو تھے سب کو خاموش کر دیا تھا مگر آپؒ کی وفات کے پندرہ سال بعد پیدا ہونے والے ابنِ رشد نے امام غزالیؒ کی کتاب'' تھافۃ الفلاسفہ'' کے مقابلہ پر ''تھافۃ التّھافہ ''لکھی اور ابن عربی وصوفیاء کے خلاف کلی محاذ قائم کیا اور مغرب (West) میں اس کے مقابل فلسفہ کی پورزور تبلیغ کی اور مرورِ زمانہ کے ساتھ اب اِن غیر اسلامی نظریات کو مستشرقین اپنے مزعومہ مقاصد کے لئے استعمال کرانے کی کامیاب کوششوں میں مصروف ہیں جبکہ عقلیت پسند عقلی دیوانگی میں پیغمبرانہ قرآنی تعلیمات کو پسِ پشت ڈالے تالیاں بجاتے ہیں!

اسی طرح **بیرونی** کا معاملہ ہے! اس میں کوئی شک نہیں کہ اس نے اپنی صلاحیت کو تاریخ میں مرقوم کیا مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ اس نے خاص کر شفقین کے متعلق زیرِ افق کے درجات کو تو نقل کیا مگر اس پر اپنے مشاہدات کا کوئی ذکر نہ کیا! اس کے علاوہ مذہباً وہ شیعیت سے متصف تھا یہی وجہ ہے کہ ایرانی حکومت نے اسے اپنے قومی ہیرو کا درجہ دیتے ہوئے جا بجا اس کے پتلے نصب کئے ہیں، اسی طرح نصیر الدین **طوسی** ہے جو ایک غالی شیعہ تھا اور بغداد کی سنی خلافتِ عباسیہ کے خاتمے اور خلیفہ سمیت لاکھوں اہل سنت کو تاتاریوں سے تہِ تیغ کروانے میں اسی کا دخل ومکر وفریب شامل تھا جس کے صلہ میں ہلاکو خان نے اسے اپنا وزیر بنا لیا! ان تمام حقائق سے تاریخ کا طالب علم ہرگز انجان نہیں!

یہ تو پچھلے ماہرین فلکیات کی مسلمانی ومذہب کے حوالہ سے مختصر احوال تھے افسوس کہ ہمارے زمانہ میں شرعی حدود وقیود کو بالائے طاق رکھتے ہوئے جانے انجانے طور پر قرآن وسنتِ نبوی ﷺ، نصوص، شرعی اصول وفقہاء کی'' اہمیت واصلیت'' کو مستشرقین کے نظریات وخواہشات کے مشن کی تکمیل میں قربان کیا جا رہا ہے اور بعض اپنی ا اللہ دا دتیز عقل کو قرآن وسنت ونصوص کے بجائے سائنس (کے مفروضات) کی وکالت کے لئے وقف کر رہے ہیں اُنہیں مزعومہ مفروضہ سائنسی تھیوریوں کے مقابلہ میں اللہ کی طرف سے پیغمبرِ اسلام ﷺ کی

زبانِ وحی سے کہلائی ہوئی قرآنی یقینی وحقیقی بات کوتسلیم کرنے اوراس کا دفاع کرنے میں خودکی عقل کی بےعزّتی دکھائی دیتی ہے! انااللہ وانا الیہ راجعون

اسطرح یہ قرآن اوروحیِ اِلٰہی کی دائمی کسوٹی کوریسرچ وڈوکٹریئیٹ کی دیوی کی قربان گاہ پربھینٹ چڑھارہے ہیں جن سے **مشـــروطمقالات** کا آخری نتیجہ ’’دینِ اسلام کے بتلائے ہوئے عقائدکوغلط ثابت کرتے ہوئے انہیں ردکرنا ہے (کہ اب وہ اصول وقوانین کی باتیں پرانی ہوگئیں جو اِس زمانہ کے ساتھ نعوذ باللہ فِٹ نہیں ہو سکتیں!) لہٰذا موڈریٹ زمانہ کےمطابق اب موڈریٹ اسلام کے لئے اُس کی نئ تحقیق وتاویلات ہونی چاہئے اس طرح RE Serch for Modrate Islam (موڈریٹ اسلام کے لئے سنت ونصوص کی نفسیاتی تاویلات کرنے) کی قربان گاہیں سجائی جائیں اورنام نہادتحقیق وتدقیق وکھینچاتانی کے نام پرنہ صرف اسلامی شریعت یااس کے وکلاءمفتیانِ کرام وعلمائے دین کوزَک پہونچانے کی تیاری ہواوروقتِ معیّن پران کے منصوبہ کی تکمیل کے لئے یہ اُن کے آلہ کاربنائے جائیں!

اس طرح مستشرقین اپنے منصوبہ میں بظاہرکامیاب جارہے ہیں، یہ خودبھی تباہ ہورہے ہیں اوردوسروں کا دین بھی بربادکررہے ہیں اوربقول **مفتی حبیب اللہ قاسمی** زیدمجدہ ’’یہودیوں نے (نظریاتی طورپر) آخر اُمت کوشکارکرہی لیاہے اس لئے خواص کوچوکنّا رہنے کی ضرورت ہے‘‘ (دیکھوص۲۱۴ فتویٰ نمبر۲۵)۔

بہرحال ماہرینِ فن جن کے دینی احوال، ان کی گواہیوں کے شرعی پیمانے وغیرہ سب سے انجان ان کے مذکورہ اقوال یکے بعد دیگرے ہم تک پہونچے اور موجودہ ماہرین ومستشرقین ان میں سے اپنی مرضی کے مطابق ’’بلامشاہدات ‘‘کسی ایک قول کوترجیحاً آگے لاکر اسے مشہورکرتے ہیں جس کے لئے وہ ’’مشاہدات‘‘ تک کوتسلیم نہ کرنے کی جرئت کا مظاہرہ بھی کرتے ہیں اوراسی ایک قول کواپنے مقصدکامحوربناتے ہیں جسے خالص ’’منصوص کے بالمقابل‘‘ استعمال کیاجاتاہے اس طرح اوقاتِ نمازیا ثبوتِ ہلال کے موضوع کوان اقوال کی آماجگاہ بنایاجاتاہے۔

مذکورہ احوال سے واضح ہوا کہ شارع علیہ السلام نے ’’شہادت اوراس کی قبولیت‘‘ کا جواصول ہمیں نصاً سکھایا آج جانے انجانے میں اس کی نفی کرنے میں نعوذ باللہ بےباک ہونے کے ساتھ مخالفتِ شرع ونص پر ’’عقلاً‘‘ منطقیانہ مناظروں کو’’دینی کامیابی‘‘ سمجھ لیاگیا جسے خوارج ومعتزلہ نے اپنایاتھا! اللھم احفظنا

مستشرقین اسلام اورعلومِ دینیہ

شروع کتاب میں ذکرہواکہ حضرت شاہ ولی اللہ محدِّث دہلویؒ نے بھی اس خرابی کی طرف متوجہ کرتے ہوئے فرمایاکہ ’’اس کی جڑتو دیگرمذاہب سے اسلام

میں داخل ہونیوالوں کی ہے جنہوں نے اپنے اُن نظریات کو دین میں داخل کیا''، جسے اب استشراق سے تعبیر کیا جاتا ہے! اس کی ایک اور تعبیر یورپ کا عربی زبان واسلامی علوم بغداد واسلامی اسپین سے حاصل کرتے ہوئے مذہبی بنیاد پر اسلام میں نقص اور اس میں ردوبدل کی جدوجہد کی ایک مستقل تاریخ ہے!

مثلاً: فرانسیسی راہب جیر برٹ نے ۹۹۹ء میں انکلیسا کے پادری بننے کے بعد استشراق کی باقاعدہ بنیاد رکھی جو یہ علوم اندلس سے حاصل کرکے آیا تھا اس نے لاطینی میں اسلام اور عربوں کی ثقافت کو اپنے تحفظات کے ساتھ شائع کیا جس کا سلسلہ اب تک نہ صرف جاری ہے بلکہ ہمارے جدید تعلیم یافتہ بھائیوں کے ساتھ ساتھ یورپین نئے مخلص مسلم و مصنفین اور ''بعض علومِ وحیہ کے قائل حامل'' بھی اثر انداز ہوکر انجانے طور پر اُن کے آلہ کار بنتے جارہے ہیں!

محدّث عصر حضرت مولانا یوسف بنوریؒ ''علمی فتنوں'' کے ضمن میں غمِ دل کے ساتھ تحریر فرماتے ہیں: علمی فتنے وہ ہوتے ہیں جو علوم وفنون کی راہ سے آتے ہیں، تاریخِ اسلام میں ان فتنوں کی مختلف صورتیں رہی ہیں انکا اثر براہِ راست عقائد پر پڑتا ہے، اس آخری دور میں الحاد وتحریفات اور تاویلات کا فتنہ بڑے پیمانے پر اسلامی ممالک میں یورپ سے درآمد ہونا شروع ہوا اور مستشرقینِ یوروپ نے تو ایسا اپنا نصب العین بنالیا کہ درس وتدریس، تصنیف، نشر واشاعت،

تحقیق، وریسرچ میں اس کے پیچھے پڑ گئے اور اپنی زندگیاں اس کے لئے وقف کردیں اور اسلام سے انتقام لینے کا اس کو ایک کارگر ترین حربہ'' قرار دے لیا یہاں تک کہ اسلامی ممالک سے یہاں پی، ایچ، ڈی کی ڈگریاں حاصل کرنے کی غرض سے آنیوالے طلباء سے ''اسلامی موضوعات'' پر ایسے ''مقالات ومضامین'' لکھواتے ہیں کہ وہ مسلمان طلباء بھی اسلامی معتقدات کے بارے میں کم ازکم ''تشکیک'' کے اندر ضرور مبتلاء ہوجاتے ہیں (دورِ حاضر کے فتنے اور ان کا علاج ص ۱۳) اھ

افسوس مستشرقین کی کیا کمی تھی جسے پورا کرنے کے لئے دینی درسگاہ سے قرآن وسنت واحادیث کے دورہ تخصُّصات سے فراغت کی ''اسلامی سند'' کی خدمتِ اسلام میں کوئی وقعت نہیں! جیسے کہ اس کے حاملین نام نہاد پی ایچ ڈی کی سند حاصل کرنے کو مقابلۃً علوّیت کا درجہ دیتے ہوئے اسلام کی خدمت کے لئے اسے حاصل کرنے میں اپنا قیمتی وقت صرف کرتے ہیں؟! یہ تو بقول حضرت شاہ محمّد اشرف علی تھانویؒ ''پہلے گھوڑے پر سوار تھے اب گدھے پر سوار ہوئے!

دین اور اداروں کے دینی ہونے کے نام نہاد دعوے پر علومِ وحیہ کے نامی حاملین کا نہ صرف حضرتؒ سے بلکہ صحابہ کرام، اصحابِ صُفّہ، سلف وخلف اور خود صاحبِ شرع ﷺ سے اس سے بڑھکر بھونڈا مذاق اور کیا ہوگا؟! دینی احکامات کی تضحیک خود ان ہی کے نام لیواؤں نے اُڑائی حتیٰ کہ اسلام کے نام پر نام

نہاد اسلامی کنبہ والوں، خانقاہوں اور درسگاہوں سے ہی اسلامی موضوعات کے ساتھ ساتھ صوفیانہ اور نہ جانے کئی کئی طریقوں سے ڈاکٹریٹ وائرس کی حوصلہ افزائی کے ساتھ ساتھ اس کی آب یاری بھی کی گئی اور یہ سلسلہ مزید گہری سازش کا متبادل بن گیا! اناللہ وانا الیہ راجعون

سوچنے کا مقام ہے کہ مستشرقین کو اسلام اور اسلامیات سے کیا واسطہ اور ہمدردی؟ پھر یہ نہ سمجھا جائے کہ اُنہیں تو فقط مالی فوائد اور اپنے انسٹوٹس اور یونیورسیٹیوں کی نیک نامی سے ہی واسطہ ہے! نہیں نہیں! وہ تو اب ہماری درسگاہوں، ان کی تعلیمی برتری اور صحیح اسلامی تعلیم کی آواز کو ختم کرنے کے لئے ان درسگاہوں کے نصابات تک سے دشمنی سی ہوگئی ہے اور اسے تشدّد کی تعلیم کا بہانہ بنا کر اس پر یہ افواہیں پھیلا کر جنگی پروپگنڈہ مسلط کر دیا کہ اسے بدلو کہ پیغمبرِ اسلام ﷺ پر اللہ کی وحی نعوذ باللہ تشدُّد کی تعلیم ہے! (اور بعض اسلام کے نام لیوا خواص بھی اسی زبان میں بات کرتے ہیں اناللہ وانا الیہ راجعون)۔

اُنہیں سیکولر و دیگر مذہبی اداروں و مدارس سے کوئی علاقہ نہیں حالانکہ ان اداروں اور اس کے فارغین کے قتل وغارت سے ممالک و انسانیت کو جو فتنہ ونقصان پہونچا اور یہ سلسلہ جاری ہے وہ دینی مدارس و دینی اداروں کے فارغین سے کبھی نہیں پہونچا!، اسوقت جو یہ کہا جاتا ہے کہ ڈاکٹریٹ (پی ایچ ڈی) کا سلّہ

بہت ضروری اور بمصلحت ہے! **مولانا بنوری**ؒ فرماتے ہیں:۔

مصلحت اندیشی کا فتنہ یہ ہے کہ کوئی دینی یا علمی خدمت کی جائے اس میں دنیاوی مصالح رہتے ہیں، مصلحت اندیشی کے فتنہ کی بنیاد نفاق ہے یہی وجہ ہے کہ بہت سی دینی وعلمی خدمات برکت سے خالی ہوتی ہیں (ایضاً ص ۳۷) نیز آپؒ مجمع الزوائد میں معجمِ طبرانی کے حوالہ سے عصمہ بن قیس سلمی صحابیؓ کی روایت کردہ ایک حدیث نقل فرماتے ہیں: انہ کان یتعوّذ من فتنة المشرق قیل فکیف فتنة المغرب ؟ قال : تلک اعظم و اعظم ترجمہ: نبی کریم ﷺ فتنۂ مشرق سے پناہ مانگا کرتے تھے آپ ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ مغرب میں بھی فتنہ ہوگا؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ تو بہت ہی بڑا ہے بہت ہی بڑا ہے! (آپؒ اس کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں) ''اس میں اشارہ یا تو اندلس (اسپین) کا سقوط ہے یا پھر بلادِ مغرب کا فتنۂ اِستشراق ہے جو اسلام کے خلاف الحاد و تحریف، دنیا و عالم میں پھیلائے گا! (دورِ حاضر کے فتنے اور ان کا علاج ص ۵۷)

مجدّدِ زمانہ شاہ اشرف علی تھانویؒ نے آپ ﷺ کے ارشاد ''فقیہ واحد اشد علی الشیطان من الف عابد'' کے ضمن میں فرمایا: محض کتابیں پڑھنے سے شیطان کی چالیں سمجھ میں نہیں آتیں بلکہ وہ معرفت ہے جو'' تقویٰ'' سے حاصل ہوتی ہے جس سے عارف کو دین کی سمجھ بُوجھ ایسی کامل ہو جاتی

ہے کہ شیطان کے تمام تار و پود کو توڑ دیتا ہے شیطان دنیا کو دین کی صورت میں ظاہر کرتا ہے عارف (فقیہ) اس دھوکہ کو سمجھکر لوگوں پر ظاہر کر دیتا ہے جس سے لوگ دھوکہ سے بچ جاتے ہین اسی علم کی فضیلت مین یہ حدیث وارد ہے "**من یرد اللہ بہ خیرا یفقِّھہ فی الدین**" یہ علمِ حقیقی محض (کتابیں) پڑھنے سے حاصل نہیں ہوتا ہے کیونکہ **حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو صحابہ کے اَنپڑھ** (امی) **ہونے پر فخر فرماتے تھے** --بایں ہمہ وہ علوم میں سب سے افضل تھے آخر وہ کونسا علم ہے جس میں معاصی حائل ہیں کیا وہ کتابی علم ہے؟ ہرگز نہیں بلکہ یہ علم وہی فہمِ قرآن تھا جو حق تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کی برکت سے ان کو عطا فرمایا تھا جن میں ان کے تقویٰ سے ترقی ہوتی تھی --(آگے شاہ صاحبؒ "امام وکیعؒ سے امام شافعیؒ کی اپنے سوءِ حفظ کی شکایت اور ان کی طرف سے ترکِ معاصی کی نصیحت" پر فرماتے ہیں):-

امام کی کتابی علم سے سوءِ حفظ کی شکایت نہیں تھی اس لئے کہ آپؒ کا حافظہ اور یادداشت ایسی (خراب) نہ تھی آپ امام وکیعؒ سے اس کی شکایت کرتے! بلکہ یہ "فہمِ قرآن" کے کے لئے تھی (کیونکہ) **کتابی علم تو جس کا حافظہ قوی ہوگا اسی کو زیادہ یاد رہے گا**، ایک فاسق فاجر کو بڑے سے بڑے متقی سے زیادہ قرآن حفظ ہوسکتا ہے بلکہ کافر کو بھی ممکن ہے کہ ہم سے زیادہ مسائل

واحادیث یاد ہو جائیں چنانچہ بیروت میں بعضے عیسائی ہماری حدیث اور فقہ کے بڑے جاننے والے ہیں اور جرمنی کے ایک مدرسہ کا حال کسی سیّاح نے نقل کیا ہے کہ وہاں علومِ اسلامیہ کی تعلیم ہوتی ہے، کسی کمرہ کا نام دار الفقہ، کسی کا دار الحدیث ہے اور وہاں بخاری ہدایہ سب کتابیں پڑھائی جاتی ہیں اور پڑھنے والے پڑھانے والے سب عیسائی کافر ہیں اھ

اب تو نہ صرف یورپ، لندن، واشنگٹن اور مانچسٹر بلکہ دنیا بھر میں کئی یونیورسٹیوں میں خصوصاً لندن یونیورسیٹی میں غیر مسلم، عیسائی و یہودی اساتذہ قرآن وحدیث کی تعلیم دے رہے ہیں یہ استشراق ہی تو ہے جو پی ایچ ڈی کی مائی باپ ہے! البتہ بہت کم مستشرقین ہیں جنہیں اسلامی تاریخ مخلص ومؤمن کے طور پر یاد کرتی ہے جن کے ذکر کی یہاں گنجائش نہیں۔

آمدم برسرِ مطلب؛ چونکہ بات ایک گھنٹہ کے وقفہ پر شفقِ احمر کے غائب ہونے نہ ہونے کی اور ماہرین میں اختلافِ درجات کی ہوتی چلی آرہی ہے جس کے ضمن میں بحث جاری ہے، یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ شفقین کی حدِّ فاصل کی تعیین پر اتفاق کے لئے ماہرین خود کے ذاتی تجربات کو کیسے جھٹلاتے!

کیونکہ ان میں کا ہر ایک اپنے کام میں مُخلص ومنہمک بھی تھا، یہی وجہ ہے کہ جب ہم اُن کے اختلافات کی تفصیل میں جاتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنی بات منوانے کے لئے ایک دوسرے کے خلاف طعن تشنیع، جھوٹے الزامات ٹھونپتے نہیں کہ فلاں نے بِلا مشاہدہ ہی یہ بات فلاں کی تائید یا مخالفت میں کہی یا

اندازاً گھڑ لی یا اپنے ذہنی تحفّظات کو مشاہدات کا نام دیدیا (جیسے کہ نعوذ باللہ مستشرقین نے آپ ﷺ پر اپنے خیالات ودماغی تحفظات کو وحی کا نام دینے کا الزام لگایا!)، ماہرین نے ایسے الزامات لگانے کے بجائے اخلاقی حدود کا احسن طریقہ اپنایا اور خود کا کیا تجربہ ہے وہ بیان کیا اور دوسرے کا کیا ہے وہ بھی بیان کیا اور یہی رویّہ ہم ائمّہ مُجتہدین رحمھم اللہ تعالیٰ میں پاتے ہیں کہ ہر ایک نے فقہی مسائل میں منقولہ وغیر منقولہ دلائل سے اپنی بات پیش کردی اور بس۔

ساتھ ہی ایک خاص بات گزرے ماہرین میں دیکھنے میں جو آتی ہے وہ یہ کہ اُن میں سے کوئی بھی شفقین (صبحِ صادق وشفقِ ابیض کی بیاضِ منتشر) کی ابتداء وانتہاء کیلئے ۱۸ درجات زیرِ اُفق کی حدِّ فاصل کا قائل نہیں، حضرت مولانا یوسف بنوریؒ نے بھی معارف السّنن ج ۲ میں ۱۸ زیرِ افق پر صبحِ کاذب اور ۱۵ زیرِ افق پر صبحِ صادق ہونے کو لکھا ہے،

نصیرالدین طوسی اور زیرِ افق کے درجات!

نصیرالدین طوسی کی عبارات کو دیکھیں؛۔

(الف) **مفتی رشید احمد لودھیانویؒ**؛۔ آپ لکھتے ہیں؛۔**قال المحقق الطوسی** فی الزبدۃ فی الباب الرابع والعشرین بعد ذکر الانواع الثلاثۃ عن الفجر والشفق وقدعلم بالرصد ان اول الفجر وآخر الشفق یکون وقت انحطاط الشمس من الافق

ثمان عشرۃ درجۃمن دائرۃ ارتفاعھا،وقال فی تبصرتہ فی الفصل التاسع من الباب الثالث وقدعرف بالتجربۃ ان انحطاط الشمس عند اول طلوع الفجر ثمانیۃ عشر جزئاًاہ،

وقا ل الطوسی فی بست باب ،نظیر درجۂ آفتاب رابر موظرہ ہجد ہم درجہ نہم ومرئی رانشان کنم پس برافق غربی نہم ومرئی رانشاں کنم ومیان ہر دونشان بشمرم وبر پانژدہ قسمت کنم آنچہ بیروں آید ساعاتِ (بمصنوی ؟۔از ؛ ی م) باشد میان طلوع صبح (کاذب ،شرح) وطلوع آفتاب (الیٰ قولہ) واگر نظیر درجہ غربی بود بیشتر از ہژدہ درجہ ہنوز صبح برنیامدہ باشد واگر کمتر از ہژدہ باشد صبح برآمدہ باشد واگر ہژدہ درجہ بود اول وقت صبح ہست (**بست باب نہم**) اھ

مختصر ترجمہ؛۔ محقق طوسی نے فجر اور شفق کی تین قسمین بیان کرنے کے بعد لکھا ہے کہ رصدگاہ سے مشاہدات اور تجربا سے ثابت ہوا ہے کہ فجر کی ابتداء اور شفق کی انتہاء اس وقت ہوتی ہے جب آفتاب افق سے ۱۸ درجہ نیچے ہوتا ہے' 'زبدہ، تبصرہ، بست باب'' (احسن الفتاویٰ ج ۲ ص ۱۶۷) اھ

فائدہ؛۔ طوسی کی مذکورہ عبارت وقدعرف بالتجربۃ ان انحطاط الشمس عند اول طلوع الفجر ثمانیۃ عشر جزئا میں طلوع الفجر سے مرادِ صبحِ کاذب ہے!

(ب) **پروفیسر عبد الطیف صاحب** :۔ آپ نے اپنی کتاب میں (صبحِ صادق اور صبحِ کاذب کے ص ۵۳ پر) طوسی کی عین عبارت کے بجائے اپنی طرف سے صرف اردو میں یہ لکھا کہ؛۔ ''غروب شفق (یا ابتدائے شفق یعنی صبح صادق ۔از پروفیسر) اس وقت ہوتی ہے جبکہ سورج افق سے ۱۸ درجہ نیچے ہوتا ہے، (بست باب ص ۳۲ اور ۳۳)،

اس کے بعد پروفیسر صاحب طوسی کے حوالہ سے اپنی مذکورہ اس اردو عبارت سے صبح صادق کی ابتداء اور شفقِ ابیض کی انتہاء کو ۱۸ زیرِ افق پر ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہوئے اسے دلیل میں اس طرح پیش کرتے ہیں (کہ چونکہ) ''طوسی نے اپنی عبارت میں وضاحت کے ساتھ **شفق** کا لفظ استعمال کیا ہے، اور چونکہ **بیاضِ مستطیل** (یعنی **صبحِ کاذب**) ''شفق'' **نہیں ہوتی**، اس لئے **شفق کو بیاضِ مستطیل قرار دینا** سراسر غلط فہمی ہے''!

یہاں پروفیسر صاحب اپنے مدّعیٰ کے ثبوت میں طوسی والے خود کے بیان کردہ پچھلے حوالے ('' غروب **شفق** یا ابتدائے شفق یعنی صبح صادق اس وقت ہوتی ہے جبکہ سورج افق سے ۱۸ درجہ نیچے ہوتا ہے'') میں لفظِ **شفق** سے شام کی ''شفقِ ابیض مستطیر'' بمقابل صبح کی ''شفقِ مستطیر یعنی صبح صادق کے ہم پلّہ مراد لیتے ہیں اور ''صبحِ کاذب کی مستطیل روشنی کو'' اصطلاحِ ''شفق'' سے خارج کرکے طوسی کے نزدیک ۱۸ زیرِ افق پر صبح صادق کی ابتداء اور شفقِ ابیض کی انتہاء کو ثابت کرتے ہیں!

فوائد:۔ (۱) یہاں پروفیسر صاحب نے محض لفظِ ''شفق'' کے سہارے (صبحِ کاذب کو اس سے خارج کرکے ۱۸ زیرِ افق پر اس کے ہونے کا انکار کرتے ہیں مگر) **صبحِ صادق** کو لفظِ ''شفق'' سے مطلقاً موازنۃً ہم پلّہ قرار دیکر ''طوسی کے شفق کی انتہاء کے قول کی طرح'' اسے بھی ۱۸ زیرِ افق پر ثابت کررہے ہیں! موصوف کی یہ دلیل سمجھ

سے بالاتر ہے کیونکہ وہ اپنی عبارات میں مذکورہ اپنی دلیل کے برخلاف خود کے ثبوت میں دلیلاً صبح وشام کی شفقین (فجرین وشفقین) کو موازنۃً پیش بھی کئے جارہے ہیں مگر یہاں طوسی کے حوالہ کی اپنی عبارت میں مطلق لفظِ ''شفق'' کو متوازی تقسیم (شفقِ مستطیر، مستطیل بمقابلہ بیاضِ مستطیل، منتشر) کے بیاضِ مستطیل کو (صبحِ کاذب) کے بجائے'' بیاضِ منتشر (صبح صادق)'' کے معنیٰ میں محمول کرتے ہیں!!!

ذیل کے نکات کو مدِنظر رکھتے ہوئے آگے ان حوالہ جات کو بھی ملاحظہ فرمائیں:۔

(**الف**) اہل ہیئت وفقہاء نے صبح وشفق کے حوالہ سے بات کرتے ہوئے دونوں کو ایک دوسرے کا متوازی بتایا ہے یہ الگ بات ہے کہ ان کی مخصوص قسم سے عبادات کے احکامات متعلق نہیں (**ب**) صبح کاذب اور شفقِ مستطیل کو صبح صادق اور شفقِ مستطیر سے متوازی کیا ہے (**ج**) صبح کے اقسام بیان کرتے ہوئے صبح کاذب کو فجرِ اول اور صادق کو فجرِ ثانی سے موسوم کیا ہے (**د**) صبحِ کاذب وشفقِ مستطیل کو بیاضِ مستطیل اور صبحِ صادق وشفقِ منتشر کو بیاضِ مستطیر سے متوازی کیا ہے حتیٰ کہ (**ہ**) موصوف نے خود بھی صبحِ کاذب کا اصطلاحِ شریعت سے کوئی تعلق نہ ہونے کو سمجھنا سراسر مغالطہ تک کہا ہے، اب ذیل میں پروفیسر صاحب نے اپنی کتاب میں کئی جگہوں پر اپنے ہی نظریہ کے برخلاف جو دلائل مذکورہ تفصیل کے ضمن میں ہیں وہ ملاحظہ فرمائیں:۔

(۲) مثلاً اپنی کتاب صبح صادق وکاذب کے ص ۴۵ پر بیرونی کی جو عبارت نقل کی ہے اس میں ".. وذٰلک هو الفجر وهو ثلٰثة انواع... "میں بشمول طوسی کی مذکورہ شفق (اور فجر) دونوں کی تین متوازی قسمیں بتلائیں اور اولِ فجر بیان کر کے پہلی فجر کو صبح کاذب کا نام دیا!، دوسری کو صبحِ صادق کے طور پر ذکر کیا، تیسری کو احمر! ،اسی طرح شفق کی بھی متوازی تین قسموں میں تقسیم کر کے اولاً **شفقِ احمر**، دوم **شفق منتشر**، سوم **شفق مستطیل** کے نام سے موسوم کیا ہے۔۔(بیرونی کی یہ پوری عبارت پیچھے ص ۱۲۸ پر دیکھ سکتے ہیں)، اسی طرح ص ۵۲ پر علامہ شامی کا یہ قول موصوف نے نقل کیا ہے "التفاوة بين **الفجرين** وكذابين **الشفقين**..."، ص ۸۷ پر تفسیر خازن کی عبارت میں اعلم ان الفجر الذی یحرم به علی الصائم الطعام والشراب والجماع هو الفجر الصادق المستطير المتشر فی الافق سريعا **لا الفجر الكاذب المستطيل** ..الخ ، ص ۸۸ پر ہے اعلم ان الفجر فجران، كاذب وصادق.. ،ص ۸۹ پر ہے **ولاالفجرالمستطيل**...وهو**الفجرالكاذب يطلع اولاً** مستطيلا.. الخ، ص ۹۰ پر حدیث شریف کے ضمن میں فتح القدیر سے .. **ولاالفجرالمستطيل** ،ص ۹۱ ہے من اول طلوع **الفجر الثانی** ..،ایضاً اول وقت الفجر اذاطلع **الفجرالثانی**.. ایضاً ص ۹۲،ص ۹۳ پر ہے لقوله عليه السلام لايغرنكم اذان بلال ول**االفجرلمستطيل** وانماالفجر المستطير ..، ص ۹۳ پر فتاویٰ عالمگیری سے .. اختلف المشائخ فی ان العبرة لاول طلوع **الفجر الثانی** ..، ص ۹۴ پر ہے ..واما **الفجر الكاذب** ..الخ، ص ۹۶ پر شرح وقایہ سے ..وهو **الصبح الكاذب** ،ص ۹۹ پر ہے.. وهٰذا فی

ابتداء **الصبح الكاذب** وامافی ابتداء **الصبح الصادق** .. ،ص ۱۰۲ پر امداد الاحکام ج ا کے ص ۳۲۲ سے سائل کے مشاہدہ کے ضمن میں یہ الفاظ ہیں۔۔۔**یہ** (**یعنی شفقِ ابیض مستطیل**/ ژوڈیکل ٹوائی لائٹ ۔ی م) **اگر شفقِ ابیض کا حصہ نہیں تو کیا ہے**؟ ۔۔(یہ پوری عبارت اس کتاب میں آگے ص ۱۶۷ پر بھی دیکھی جا سکتی ہے۔ی م)،ص ۱۲۲ پر پروفیسر لکھتے ہیں: **اس** (یعنی صبح کاذب/بروجی) **روشنی کے بارے میں یہ خیال کرنا کہ اس کا اصطلاحِ شریعت سے کوئی تعلق نہیں ہے سراسر مغالطہ ہے** ۔۔،ایضاً۔۔اس کے دھوکہ دیہی کی وجہ ہی سے **اس صبح کو صبحِ کاذب** قرار دیا جاتا ہے۔۔،

(۳) حکیم الامتؒ اور علامہ شامیؒ واہلِ فن کی بوادر النوادر سے شہادت:۔ اما التّفاوة بين **الفجرين** وكذا بين **الشّفقين** انما هو بثلٰثِ درج كما نقله **الشاّمی** عن **اهل الفن** فی وقت الفجر (بوادر النّوادر ص ۴۲۹) (۴) صبح وشفق کو مطلقاً بولا جائے تو اس سے مراد صبح کی وہ روشنی ہے جو رات کی تاریکی کے بعد اولاً مستطیلاً ظاہر ہوئی تھی (جو ختم ہو کر دوبارہ ظاہر ہو کر پھیلنے پر یا وہی پھیل کر صبحِ صادق کہلائی) نیز غروب آفتاب کے بعد شفقِ ابیض (مستطیر ومستطیل) بننے کے بعد ختم ہو کر رات کی تاریکی کا شروع ہونا ہوتا ہے! (۵) طوسی نے نہ صرف اپنی اس عبارت میں "صبح وشفق کے دونوں الفاظ کو مطلق رکھا ہے اس نے ان کی کوئی تفصیل بیان نہیں کی ہے

اسی طرح اس عبارت کو اپنی اس کتاب کے بابِ نہم میں جس عنوان کے ماتحت اسے بیان کیا ہے اس عنوان میں بھی اس نے ''صبح وشفق'' کو مطلق ہی بیان کیا ہے جو یقیناً اس کے نزدیک ایک خاص مقصد لئے ہوئے ہے

(۶) فقہاء کے اقوال اور تجربات سے یہ بات ثابت ہے کہ ''شفقِ ابیض منتشر'' سمٹ کر (یا ختم ہونے کے بعد) ''بیاضِ مستطیل'' رونما ہوتی ہے اور پروفیسر کہتے ہیں بیاضِ مستطیل شفق میں داخل نہیں تو پھر موصوف اسے کیا نام دیں گے؟! جبکہ یہ بات مخفی نہیں کہ صبح صادق سے پہلے والی ''بیاضِ مستطیل'' کو صبح کاذب سے موسوم کیا گیا ہے البتہ شام کو انتہائے شفقِ ابیض کی اس ''بیاضِ مستطیل'' کو حکماً تو کوئی نام نہیں دیا گیا ہے سوائے اس کے کہ ہم اسے صبحِ کاذب پر قیاس کرتے ہوئے ''شفقِ ابیض کاذب'' ہی کہیں! کیونکہ صبحِ کاذب والی ''مستطیل بیاض'' کو سحری نہ کھانے یا عشاء کے اداء نہ ہونے میں جیسے کوئی دخل نہیں ویسے ہی اس بیاضِ مستطیل کو بھی عشاء کی ابتداء ہو چکنے میں کوئی دخل نہیں کہ وہ تو اس سے پہلے ہی شروع ہو چکی!

(۷) موصوف کے مطابق اگر طوسی کی مراد یہی ہے تو پھر خود طوسی نے اپنی اسی عبارت میں اس کی وضاحت کیوں نہ کی؟! جبکہ مطلق لفظِ ''شفق یا صبح یا اولِ صبح'' سے مراد صبح کاذب ہی ہوتی ہے اور مطلق ''اختتامِ شفق یا آخرِ شفق'' سے شفقِ

ابیض بشمول بیاضِ مستطیل ہی مراد ہوتی ہے! لہٰذا پروفیسر صاحب کی سی سمجھ والوں کے لئے تو طوسی کو اپنی اس عبارت میں اور بھی کھل کر وضاحت کرنی ضروری تھی مگر نہ کی تو اس کی وجہ یہی ہے کہ وہ بھی یہی کہنا چاہتا ہے کہ صبحِ صادق کی ابتداء اور شفق ابیض کا مکمل خاتمہ (بشمول بیاضِ مستطیل) ۱۸ از یر افق پر ہوتا ہے!،

اور اس حقیقت کا کسی کو انکار نہیں کہ صبح کو آفتاب کے طلوع ہونے سے پہلے ''صبحِ کاذب'' کے نام سے اس کی جس روشنی کا افق پر ابتداءً ظہور ہوا تھا بعد غروب آفتاب اس کے خاتمہ کا آخری ظہور یہ ''بیاضِ مستطیل'' ہی ہے جس کا نہ صرف دوسروں کو اقرار ہے بلکہ خود پروفیسر صاحب کو بھی اسی نام سے اس کا قرار ہے!

(۸) طوسی نے اپنی اس عبارت میں اپنے الفاظ میں کسی طرح بھی شفقِ مستطیل یا منتشر کی تصریح نہیں کی ہے بلکہ اس نے تو مطلقاً ''شفق'' کا غروب ۱۸ از یر افق پر ہونے کو بتلایا اور بس!

اگر طوسی کی مراد بھی وہی ہوتی جو پروفیسر صاحب نے سمجھا ہے تب تو وہ یہ تفصیل بھی ضرور لکھتا کہ عشاء کی ابتداء کیلئے شفق کے غروب کا مطلب ''بیاضِ منتشر کا غروب'' ہے نہ کہ ''بیاضِ مستطیل'' کا غروب! جبکہ بیاضِ مستطیل کے حوالہ سے اس کے سامنے صبحِ کاذب کی مستطیل روشنی اور اس سے پہلے اندھیرا ہونا بھی تو تھا جس کی طرف خود موصوف نے بھی ''طوسی کے مذکورہ قول کے مطلق لفظِ

’شفق‘ کے ساتھ اپنی طرف سے بریکیٹ لگا کر اس میں اپنے مدلول کی تشریح ’شفق بمعنیٰ صبح صادق‘ لکھ کر اوجاگر کی ہے تاکہ صبحِ کاذب یعنی بیاضِ مستطیل کا انکار ہوجائے! (دیکھو پروفیسر سلمہ والی طوسی کی عبارت)،

(۹) احادیث میں عشاء کی ابتداء کے حوالہ سے غروبِ ’’شفق‘‘ کا مطلق لفظ آتا ہے جس میں اس کی اولین بیاضِ منتشر اور آخری بیاضِ مستطیل دونوں ہی شامل ہیں تو اس معنیٰ کر طوسی نے بھی اپنی عبارت میں لفظِ ’’شفق‘‘ کو حدیث کے الفاظ میں مطلق چھوڑ کر یہی تاثّر دیا ہے اس کا مطلب اپنی اس عبارت سے یہی ہے کہ ’’شفقِ مستطیل جو شفقِ ابیض ہی کا انتہائی جزء ہے اس کا غروب ۱۸ از یرِ افق پر ہوکر عشاء کا وقت شروع ہوگا اور صبحِ کاذب جو صبحِ صادق سے پہلے کی شفق کا اوّلین ’’مستطیل‘‘ جزء ہے اس کا ظہور بھی ۱۸ از یرِ افق پر ہے!

(۱۰) موصوف نے جس نکتہ کو اپنی حجّت بنایا اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ ’’۱۸ از یرِ افق کے بعد والی ’’بیاضِ مستطیل‘‘ شفق نہیں ہوتی بلکہ ’’شفق سے مراد ۱۸ سے پہلے والی ’’شفقِ منتشر‘‘ ہے اھ۔

خلاصہ ونتیجہ: مذکورہ تفصیل کے بعد یہ سمجھنا مشکل نہیں کہ طوسی کے قول میں ’’شفق کی ابتداء وانتہاء کے ۱۸ از یرِ افق ہونے کا مطلب شفق کی ابتدائی وانتہائی بیاضِ مستطیل (یعنی صبحِ کاذب وشفقِ مستطیل) کا بالترتیب شروع وختم

ہونا مقصود ہے اس لئے موصوف کا اس کے حوالہ سے اپنے مدلول کے ثبوت میں استدلال خود کا تسامح ہے!

(۱۱) پروفیسر صاحب کی اپنی کتاب ’’صبح صادق وصبح کاذب کے ص ۵۳ پر طوسی کے حوالہ سے جو اپنی اردو عبارت ہے اسے دوبارہ یہاں دیکھیں: **غروبِ شفق یا ابتدائے شفق** (یعنی صبحِ صادق، از پروفیسر۔ی م) **اس وقت ھوتی ھے جبکہ سورج افق سے ۱۸ درجہ نیچے ھوتاھے** (بست باب۔طوسی، باب نہم در معرفتِ ساعات صبح وشفق۔ص ۳۲) اھ،

اس ترجمہ میں موصوف نے طوسی کے مطلق لفظ ’’شفق‘‘ سے وہ جو سمجھے اسے الگ سے اپنی اس ’’بریکیٹ (یا ابتدائے شفق یعنی صبح صادق)‘‘ سے بھی واضح کیا!

اس طرح قارئین کے سامنے نہ صرف طوسی کے حوالہ سے پروفیسر صاحب نے خود جو عبارت لکھی وہ سامنے آئی بلکہ ساتھ ہی آپ نے اس کا کیا مطلب لیا وہ بھی اس بریکیٹ میں الگ سے واضح کردیا مگر موصوف کی کتاب سے سب سے زیادہ رہنمائی لینے کا اظہار کرنے والے ایک صاحب نے طوسی کی عبارت کا جو ترجمہ پیش کیا وہ موصوف سے الگ ہے اسے بھی دیکھیں:۔ یہ صاحب اپنے تیر و ترکش کے ص ۵۷ پر لکھتے ہیں: محقق طوسی کی کتاب بست باب نہم در معرفت ساعات ’’صبح وشفق‘‘ کے فارسی متن کا ترجمہ یہ ہے:۔ **غروب شفقِ ’ابیض‘ یا صبح ’صادق‘ اس وقت ھوتی ھے**

جبکہ سورج افق سے ۱۸درجہ نیچے ہوتاہے ''اھ،

دونوں حضرات کی طرف سے طوسی کی عبارت کے مذکورہ تراجم کو دیکھیں تو آپس میں فرق ہے،البتہ دونوں کا جواب پوری تفصیل سے پچھلے صفحات میں ذکر ہو چکے کہ طوسی کی عبارت ۱۸ازیرِافق پر بجائے صبح (صادق) پر دال ہونے کے (صبح کاذب) کی ابتداءاور شام کوشفقِ ابیض (بشمول بیاضِ مستطیل) کے ختم ہونے پر ہی دال ہے،اس حوالہ سے مزید ملاحظہ فرمائیں؛

((فتویٰ۔۱۶)) مفتی رشید احمد لُدھیانویؒ فرماتے ہیں؛۱۵ازیرِافق سے قبل شعاعِ شمش کا زمین پر قطعاً ظہور نہیں ہوتا اس لئے یہ صبحِ کاذب ہے۔۔اس کے ''صرف فلک پر ظہور'' کو شریعت نے دن ہونے کا حکم نہیں دیا ورنہ صبحِ کاذب بھی دن میں شمار ہوتی (بلکہ اس کا ''زمین پر ظہور'' ہی صبحِ صادق ہے)۔

((فتویٰ۔۱۷)) آپؒ نے فرمایا؛۔ژوڈیکل لائٹ کا اصطلاحِ شریعت (صبحِ کاذب) سے کوئی تعلق نہیں، بلکہ یہ قوس وقزح کی طرح ایک انعکاسی روشنی ہے جو سال بھر میں صرف دو ماہ وسطِ اگست تا وسطِ اکتوبر میں بعض مقامات پر نمودار ہوتی ہے۔اھ (احسن الفتاویٰ ج۲ص۱۸۰)۔

دراصل بیاضِ مستطیل سورج کے طلوع ہونے سے پہلے اسی کی روشنی ہے جو اس کے اُفق سے قریب ہونے پر منعکس ہو کر افق پر ستون یا ذنب السّرحان کی

شکل میں جلوہ گر ہوتی ہے یا غروبِ آفتاب کے بعد ''بیاضِ منتشر کی شفق کے سُکڑنے کے بعد ستون نما مستطیل ہو کر ختم ہو جاتی ہے'' ہاں یہ الگ بات ہے کہ قبل طلوع آفتاب اس کی ابتداء پر نہ تو نقلاً فجر کا حکم لگایا جاتا ہےاور بالقیاس نہ ہی بعد غروب آفتاب اس کے اختتام پر عشاء شروع نہ ہونے کا حکم لگایا جائے گا بلکہ صبح پر قیاس کرتے ہوئے یہ دونوں اوقات عشاء ہی میں داخل سمجھے جائیں گے!

یہ بھی یاد رہے کہ بعد غروبِ آفتاب بیاضِ منتشر (مستطیر) کی انتہاء میں ''بیاض مستطیل'' کو شفق سے خارج کرنے کے لئے کوئی نقل بھی تو نہیں! کیونکہ احادیث میں صرف لفظِ ''شفق'' ہے جس کے غائب ہونے پر وقتِ عشاء کے ہونے کو کہا گیا ہےاور حدیث جبرئیل میں بھی بعد غروب آفتاب عشاء کے لئے ''بیاضِ مستطیل'' کی الگ سے کوئی وضاحت نہیں جیسے کہ صبحِ کاذب کے لئے ہے!

نیز فقہاء نے بھی بعد غروب آفتاب شفق کی انتہاء سے مراد ''بعض نے شفق احمر وابیض دونوں کے غروب کا اور دیگر نے شفقِ احمر اور شفقِ ابیض کے انفرادی غروب کا کہا ہےاور یہی حال صبح کی شفق کی ابتداء کا ہے جسکی تفصیل بھی فقہاء کے زیرِ نظر رہی ہے، (یعنی غروب آفتاب کے بعد شفق کے ختم ہونے اور اس کے بعد صبح کو رات کی تاریکی کے اختتام پر شفق (صبحِ کاذب) کی ابتداء میں اوّلاً بیاضِ مستطیل کا ظاہر ہونا پھر (ختم ہو کر دوبارہ پھیل کر یا بجائے ختم ہونے کے بیاضِ مستطیر میں تبدیل ہو کر صبحِ صادق ہو کر شفقِ

احمر کا ظاہر ہونا اور بالآخر آفتاب کا طلوع ہو جانا!)

البتّہ بعد غروب آفتاب بیاضِ منتشر اور بیاضِ مستطیل کی تفریق مابعد والوں نے فلکیاتی حسابات کے تناظر میں صبح کی حالت پر قیاس کرتے ہوئے ہی کیا ہے (حکیم الاُمت نے اس قیاس کو واضح کیا ہے دیکھو ص ۱۶۰ اقرب الی القیاس)

بہر حال ۱۸ زیرِ افق پر جس روشنی کا ظہور ہوتا ہے اس پر صبحِ کاذب کی تعریف ہی صادق آتی ہے کیونکہ اس روشنی کے وقت افق پر اندھیراہ ہوتا ہے نہ کہ صبحِ صادق کی طرح اوجالا! مفتی رشید احمد لُدھیانویؒ نے احسن الفتاویٰ (ج ۲ ص ۱۷۰ تا ۱۷۳) میں اس کے ثبوت میں رصدگاہ والوں کے خطوط بھی تائیداً شائع فرمائے ہیں جس میں وہ بھی یہی کہتے ہیں کہ ۱۸ پر (صبح شام کو) اندھیرہ ہوتا ہے، ملاحظہ ہو؛۔

2/3. When the Sun is 18 Degrees below horizon all light from the Sun is cut off.

(T.H.Siddiqui for Director and N.A.Qureshi Deputy Director of Pakistan Meteorological Department)

۱۸ زیرِ افق پر صبحِ صادق وشفق کی ابتداء واختتام کے عدمِ اعتبار کی مزید دلیل؛۔

مفتی تقی عثمانی بن مفتی محمّد شفیعؒ زید مجدہٗ جو شریعت کورٹ آف پاکستان کے چیف جسٹس رہ چکے ہیں یہاں آپ کے درسِ ترمذی کی تقریر سے ذیل میں چند حوالے ملاحظہ فرمائیں؛

(۱) آپ نے حدیثِ جبرئیل کو مواقیت الصلوٰۃ میں اصل قرار دیا (۲) اور آگے متنِ حدیث ’’ وصلی العشاء حین غاب الشّفق ‘‘ پر تقریر کرتے ہوئے شفق کی تعیین میں شفقِ احمر والے قول کو حضرت عمرؓ حضرت علیؓ، ابنِ عباسؓ، عبادہ ابنِ الصامتؓ، موسیٰ اشعریؓ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم اجمعین کا قول بتلایا (۳) اور شفقِ ابیض والا قول حضرت ابوبکر صدّیقؓ، حضرت عائشہؓ، معاذ ابن جبل، اُبی ابن کعبؓ اور عبداللہ ابن الزبیر رضی اللہ عنہم اجمعین اور بعد کے فقہاء میں حضرت عمر ابن عبد العزیزؒ، عبد اللہ ابن مبارکؒ، ابو ثورؒ، اور امام اوزاعیؒ وامام مالکؒ کا قول بتلایا (۴) اور آگے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت کے حوالہ سے حدیث کی یہ عبارت ’’ان اول وقت العشاء الاخیرہ حین یغیب الافق نقل کرتے ہوئے فرمایا کہ ’’یہاں شفق کے بجائے افق کے غائب ہونے کا ذکر ہے اور یہ اُسی وقت ہو سکتا ہے جبکہ ’’بیاض‘‘ مکمل غائب ہو جائے! (۵) موصوف کی اس سے بھی واضح عبارت اس کے بعد متصلاً ہے جس میں شفق کی غیابت کی تشریح ’’حین یسودّ الافق‘‘ سے کی گئی ہے کہ مغرب کا آخرِی وقت افق کے کالا ہونے پر ہے، یعنی افق پر اندھیرہ چھا جاتا ہے (اور عشاء کا وقت شروع ہو جاتا ہے)، ساتھ آپ نے مغرب کے اختتامی وقت کیلئے ابوداؤد کی عبارت ’’حین یسودّ الافق ‘‘ پر تقریر کے بعد یہ بھی فرمایا ’’اور ظاہر ہے کہ بیاض کی موجودگی میں سوادِ افق متحقّق نہ ہوگا‘‘ اھ۔

خلاصہ ونتیجہ؛

اس کے علاوہ اَور بھی روایات اسی معانی کی آپ نے یہاں نقل فرمائی ہے مگر اِن تمام میں نہ تو آپ نے اور نہ ہی کبارِ اُمت نے بیاضِ مستطیل کو شفقِ احمر وابیض کے بعد الگ سے شفق کی تقسیم کرتے ہوئے شمار کیا کہ اِن کے بعد تیسری قسم بیاضِ مستطیل ہوتی ہے اور اس کے بعد اندھیرہ ہوتا ہے لہٰذا مذکورہ روایت اور متن حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ بیاضِ مستطیل (جسے صبح کاذب کی مستطیل روشنی پر قیاس کرتے ہوئے یہ نام دیا گیا ہے وہ) شفق ہی میں داخل ہے اور (اسی کے مدِّنظر) آگے علاّمہ خلیل کے حوالہ سے ایک اشکال کی تشریح کرتے ہوئے **مفتی تقی عثمانی** زید مجدہٗ مزید وضاحت فرماتے ہیں؛۔

((**فتویٰ**۔۱۸)) خلیل ابن احمدؒ کا جو قول ہے کہ شفقِ ابیض تہائی رات کو ختم ہوتی ہے وہ شفق کی روشنی نہیں (جو براہِ راست سورج سے منعکس ہو کر آتی ہو بلکہ) وہ کوئی خارجی روشنی ہے جو دوسرے عوامل کی وجہ سے آسمان پر روشن ہوتی ہے!، (جیسے کہ حضرت مفتی رشید احمد لُدھیانویؒ کی تحقیق بھی یہی ہے جس کا بیان آگے آجائے گا)، اس عبارت سے آگے اس سے بھی بڑھ کر مفتی تقی عثمانی زید مجدہٗ کی اپنی فیصلہ کن یہ عبارت ہے؛

اس پر اتفاق ہے کہ سورج کے پندرہ زیرِ افق جانے کے بعد اس کی کوئی

روشنی افق پر نہیں رہتی! (درسِ ترمذی ج۱ ص۳۹۸) اھ

معلوم ہوا کہ جب شفق کے اختتام پر افق پر سورج کی کوئی روشنی نہیں رہتی تو شفق بشمول بیاضِ منتشر و مستطیل یکے بعد دیگرے دونوں ساتھ ہی بالترتیب (صبح کو) ظاہر یا (رات کو) ختم ہوجاتے ہیں تو پروفیسر صاحب طوسی کے قول کو ۱۸ازیرِ افق پر شفق کے اختتام کو بجائے شفقِ مستطیل کے اختتام کے شفقِ منتشر پر کیسے محمول کرسکتے ہیں! (یاد رہے کہ حکیم الاُمتؒ کی طرف سے صبح صادق کے ۱۸ازیرِ افق پر ہونے کی مخالفت میں مزید اقوال عنقریب آگے قارئین کے سامنے آرہے ہیں)۔

بہر حال طوسی کی عبارت سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس کے نزدیک ۱۸ازیرِ افق پر صبحِ کاذب کی ابتداء اور شفقِ ابیض کا اختتام ہوتا ہیا وریہی وجہ ہے کہ مفتی رشید احمد لدھیانویؒ نے فرمایا کہ ''آج تک ۱۸ازیرِ افق پر صبحِ صادق کے ہونے کا کوئی ایک بھی قائل نہیں ہوا'' ورنہ آپ یقیناً طوسی کا اختلاف بھی نقل فرماتے! (ذہن نشین رہے کہ ؛ابوریحان البیرونی کی طرف ۱۸ازیرِ افق برائے صبحِ صادق وعشاء کا قول جو منسوب کیا جاتا ہے اس کی وکالت میں بھی کئی بنیادی خامیاں صاف نظر آرہی ہیں جس کا بیان چند سطروں کے بعد قارئین پڑھیں گے)،

اس بات میں شک نہیں کہ مستشرقین کو مسلم ماہرینِ فن خصوصاً بیرونی کے سائنسی نظریات ومفروضوں اور تھیوریوں سے اپنی تحقیقات میں بڑی مدد ملی ہے

ان کی زبانیں بیرونی کی تعریف میں رطب اللّسان ہیں مگر حضرت مفتی رشید احمد لُدھیانویؒ جیسے ماہرِ فقہ وفن اور حساب داں کو یہ کہتے ہوئے بھی ہم دیکھتے ہیں کہ صبح صادق کے لئے ماہرین میں سے کوئی بھی ۱۸ ڈگری کے قول کا قائل نہیں ہوا!۔

اسی طرح مفتی شفیع صاحبؒ کے مشاہدات اور فیصلہ وفتویٰ (جس کی تفصیل عنقریب آرہی ہے) سے بھی ثابت ہے کہ قبل طلوع آفتاب ۱۸ درجات زیرِ اُفق کا وقت صبحِ صادق کا وقت نہیں بلکہ کاذب کا وقت ہے جو ایک حقیقت ہے (جس کی تفصیل مفتی رشید احمد لدھیانویؒ نے احسن الفتاویٰ جلد اوّل میں صبح صادق کے مستقل عنوان کے ماتحت صفحہ ۱۵۹ سے ص ۱۹۲ تک بڑی عرق ریزی سے ۳۳ صفحات میں نقل فرمائی ہے گہری نظر اور دلچسپی رکھنے والے حضرات یکسوئی سے اسکا مطالعہ وہاں ضرور فرمائیں)۔

پروفیسر عبداللطیف صاحب نے اپنی کتاب صبح صادق وکاذب کے ص ۹۹ پر امداد الاحکام کی عبارت سے اس کے اردو ترجمہ میں تسامح کے باوجود صبح صادق کا ۱۸ زیرافق پر ہونے کو غلط طور پر دلیلاً پیش کیا ہے اس تسامح کو بھی ذیل میں ملاحظہ فرمائیں؛۔

حکیم الامتؒ! اوقاتِ نماز، کے مشاہدات، شفق کی ابتداء واختتام اور زیرافق کے درجات!

بعض حضرات اس حقیقت کے جاننے کے باوجود کہ امداد الاحکام ج اول کے ص ۴۰۱ پر جو فتویٰ ہے اس کی عربی عبارت کے اردو ترجمہ میں سہو ہو گیا ہے پھر بھی

یہ اپنے دعوے کے ثبوت میں اسے دلیلاً پیش کرتے ہوئے حکیم الامتؒ کا حوالہ دیتے ہیں کہ آپ بھی اسی کے قائل ہیں! حالانکہ اس سہو پر نہ صرف اس فتوے کی عربی عبارت بلکہ آپؒ ہی کا دوسرا فتویٰ بھی بیّن طور پر کئی طرح سے اس سہو پر واضح دلالت کرتا ہے!

مفتی رشید احمد لدھیانویؒ نے احسن الفتاویٰ جلد ۲ ص ۱۶۱ پر دونوں فتاویٰ کی عبارت کو پیش کرکے قارئین کو اس سہو پر متوجّہ کیا ہے، ذیل میں دونوں عبارات عبارات مکتبہ دار العلوم کراچی کی مطبوعہ امداد الاحکام ج ۱ کے ص ۴۰۱ سے سہو کے اظہار کے لئے اور ص ۴۱۵ سے اس سہو کے تردیدی ثبوت میں بالتّرتیب نقل کی جاتی ہیں، ملاحظہ فرمائیں؛۔

(۱) **اوّلاً ص ۴۰۱ کی عربی عبارت مع سہو والا ترجمہ:۔**

سوال؛ سائل نے صبح کاذب وصادق کب ظاہر ہوتی ہے اس کا سوال کیا تو فرمایا،

الجواب؛ قال فی شرح الچغمینی وقدعرف بالتّجربة ان اول الصبح وآخر الشفق انما یکون اذا کان انحطاط الشمس ثمانیه عشر جزئاً اه قال المحشیّ هاذا هو المشهور ووقع فی بعض کتب ابی ریحان انه سبعة عشر جزئاً وقیل انهٗ تسعة عشر جزئاً **وهذا فی ابتداء الصّبح الكاذب** واما فی ابتداء الصبح الصادق فقد قیل؛ ان اِنحطاطالشّمشِ حینئذ خمسة

عشـر جزئاً .اھ (ص ۱۲۷) وذکـر فـی رد الـمـحتار ان التفاوت بین الفجرین وکذابین الشفقین الاحمر والابیض انماھو بثلٰث درج .اھ

خلاصہ: اِن عبارات سے معلوم ہوا کہ صبح ''صادق'' طلوع آفتاب سے ۱۸ درجہ پہلے ہوتی ہے۔۔۔(امدادالاحکام ج اول کے ص ۱۴۰۱) اھ۔

اوپر عربی عبارت میں ''اول الصبح'' کا اردو ترجمہ ''صبح کاذب کے بجائے'' صادق سے'' سہواً لکھ دیا گیا ہے! جس پر نہ صرف اول الصبح کے الفاظ بلکہ اس کے بعد کی عبارات بھی دلالت کرتی ہیں (پوراترجمہ: شرحِ چغمینی میں ہے کہ تجربہ سے ثابت ہوا کہ صبح کی ابتداء اور شفق کا اختتام ۱۸ زیرِ افق پر ہوتا ہے۔ محشّی نے کہا کہ یہ مشہور قول ہے اور ابو ریحان البیرونی کی بعض کتب میں ۱۷ زیر افق کا قول ہے اور ۱۹ ڈگری زیر افق کا بھی کہا گیا ہے اور یہ صبح کاذب کی ابتداء کے بارے میں ہے البتہ صبحِ صادق کے متعلق کہا گیا ہے کہ وہ ۱۵ درجات زیرِ افق پر ہوتی ہے۔ ی م)

(۲) مذکورہ اردو ترجمہ میں تسامح ہونے پر دلالت کرنے والی امدادالاحکام ج ا کے صفحہ ۴۱۵ کے فتوے کی عبارت یہ ہے:۔

((**فتـــوٰی۔۱۹**)) الجواب (از مفتی عبدالکریمؒ): گذارش آنکہ آپ کی تحریر میں غور کیا نیز حضرت والا حکیم الاُمت سے اس بارے میں مراجعت کی ''**بالآخر یہ طے ہوا** کہ غروبِ آفتاب اور غروبِ شفقِ ابیض میں اُتنا ہی تفاوت ہوتا ہے

برطانیہ میں عشاء

جتنا صبحِ کاذب اور طلوع آفتاب میں ہوتا ہے **یعنی ''اٹھارہ درجہ''**!۔

(معلوم ہوا کہ حکیم الامت کی اس عبارت سے ۱۸ زیرِ افق پر صبحِ کاذب کا ثابت ہونا صاف ظاہر ہے اور امدادالاحکام ج ا ص ۱۴۰۱ والی پچھلی عبارت کے ترجمہ میں ''صبحِ صادق'' جو لکھا گیا وہ کتابت کی غلطی سے سہواً یا تسامح سے ہوگیا کیونکہ اس فتوے والی عبارت میں صاف لکھا ہے کہ ''صبح کاذب ۱۸ پر'' ہوتی ہے، اس حوالہ سے مزید تفصیل ذیل میں ہے:۔

امدادالاحکام ج اول کے ص ۴۱۴ کے سوال نمبر ۱۵ اور اس کے جوابی فتوے پر تفصیلی نظر!

سوال: (۱۵) سائل نے حکیم الاُمت کو لکھا:۔ قابلِ گذارش یہ ہے کہ مولوی عبدالکریم کا جواب ملا۔۔۔مشکل یہ پیش آئی کہ اہلِ ہندسہ نے ابیض واحمر کی تفریق نہیں کی صرف **۱۸ درجہ انعکاسِ سورج** رکھے ہیں۔۔ ببرکتِ آں قبلہ میں نے مولوی شمشیر علی، ممتاز علی، حافظ بشیر احمد صاحبان کو ساتھ لیکر روزانہ **غروب سے ۸ بجے تک** مشاہدہ کرنا شروع کیا اور نظر سے جو فرق پیدا ہوسکتا تھا اس کا حساب کیا! (اس کے بعد سائل نے مشاہدے کی روئداد تفصیلاً لکھی ہے جس کی یہاں گنجائش نہیں البتہ جو قاری بعینہ اسے پڑھنا چاہے تو مذکورہ حوالہ کتاب سے دیکھ لے، **ذیل میں مشاہدات کا نتیجہ اور اس پر مبنی سائل کا سوال ملاحظہ فرمائیں**:۔

'' پہلے سرخی غائب ہوگئی، پھر سفیدی بھی غائب ہوگئی اب صرف شفقِ ابیض کا محرابی ستون ہی باقی رہ گیا ہے جو ۲۵ منٹ اور موسمِ اعتدال میں تقریباً ۳۵ منٹ

بعد غائب ہوا، میرے خیال میں اہلِ ہندسہ نے اس محرابی سفیدی کو ’’شفق ابیض کی غیوبت کی حد‘‘ سے الگ اور مہمل اس لئے چھوڑ دیا ہے کہ اس ’’محرابی سفیدی‘‘ کا تمام آسمان پر اب کوئی اثر باقی نہیں رہتا!‘‘

(سائل نے حضرتؒ کو مذکورہ روئداد ’’تفصیلاً‘‘ لکھ کر پوچھا کہ) ’’کیا اس محرابی ستون کو بھی شفقِ ابیض کی غیوبت میں شمار کیا جائے؟ اگر شمار کیا جاتا ہے تب تو میری اب تک کی ساری جنتریوں کو بدلنا پڑے گا!،

(کیونکہ ’’شفقِ ابیض کی غیوبت مع محراب‘‘ ماننے سے جنتریوں میں شفقِ ابیض کی غیوبت کا وقت اس اعتبار سے ۲۵ سے ۳۵ منٹ تک کم ہے جسے اس میں بڑھانا پڑے گا)،

یا پھر اسے چھوڑ دیا جائے جیسے **جدید انگریزی اہلِ ہندسہ** نے نظرانداز کیا ہے؟ (سوال ختم ہوا)

الجواب: (مفتی عبد الکریم گمتھلویؒ فرماتے ہیں) گذارش آنکہ آپ کی تحریر میں غور کیا، نیز حضرت والا سے مراجعت کی، ’’**بالآخر یہ طے ہوا**۔

(۱) کہ غروبِ آفتاب اور غروبِ شفقِ ابیض میں اُتنا ہی تفاوت ہوتا ہے جتنا کہ صبحِ کاذب اور طلوعِ آفتاب میں ہوتا ہے یعنی ’’۱۸ درجے‘‘، اور (۲) جتنا تفاوت صبحِ صادق کاذب میں ہوتا ہے اتنا ہی تفاوت شفقِ احمر و ابیض کے غروب میں ہوتا ہے یعنی ’’۳ درجے‘‘، کتابوں میں بھی یہی ملا، چنانچہ جزءِ اول (یعنی صبح کاذب

۱۸ اپر ہونا) شرحِ چغمینی میں اور جزءِ دوم (یعنی فجرین وشفقین میں تین درجات کا فرق ہونا) رد المحتار میں مصرّح ہے،

(۳) اور مقتضائے قیاس بھی یہی ہے، پس اصل سوال کا جواب تو ہو چکا یعنی (شرعاً) بیاضِ مستطیر کے غروب پر شفق کا غروب مانا گیا ہے (۴) اور وہ سفیدی جو بشکلِ ستون ۱۸ درجہ کے بعد آپ نے مشاہد کی ہے، نظرانداز کے قابل ہے جیسا کہ سب جنتریوں میں کی گئی ہے،

(۵) باقی رہا یہ سوال کہ کہ باوجود بعد شمس عن الافق (سورج افق سے دور چلا گیا ہے پھر بھی) اس بیاضِ مستطیر (محرابی شفقِ ابیض) کے رہنے کی کیا وجہ ہے، **سو یہ علمِ ہیئت کی بحث سے خارج ہے**، (۶) ممکن ہے کہ علمِ طبعیات میں اس کی کوئی وجہ مل جاوے، تلاش کی ضرورت نہیں سمجھی، (۷) کہ اس (ستون نما محرابی سفید شفق) پر کوئی حکمِ شرعی مرتّب نہیں، فقط عبد الکریم عفی عنہ ۲ ذی الحجہ ۱۳۵۱ھ،

(اس جواب کے نیچے حکیم الامتؒ کی یہ تنبیہی عبارت ہے) ’’چونکہ یہ جواب میری مشارکت اور مشاورت سے لکھا گیا ہے اس لئے میں متفق ہوں (کہ اس کی شرعی حیثیت نہیں) اور (۸) اس کی (عدمِ شرعیت کی) مزید تائید اس امر سے ہوتی ہے کہ فجر سے قبل بیاضِ مستطیل بالیقین عشاء کا وقت ہے، **اقرب الی القیاس** یہ ہے کہ اسی طرح بیاضِ مستطیل بعد غروب بھی عشاء کا وقت ہو واللہ اعلم، البتہ اگر کوئی نقلِ صحیح اس قیاس

کے معارض ہوتی تو یہ قیاس مؤثر نہ ہولیکن مقنع ضرور ہے (کیونکہ کوئی نقل نہیں تو اس قیاس پر قناعت کافی ہے) کمالا یخفٰی، اشرف علی ۲ ذی الحجہ ۱۳۵۱ھ

اس جوابی فتوے کا مزید خلاصہ : اس جواب کا مطلب یہ ہے کہ ۱۸ زیرِ افق سے لے کر طلوع آفتاب تک کا جو فاصلہ وقت میں ہوگا وہی فاصلہ غروب آفتاب سے لے کر ۱۸ زیرِ افق تک کا دونوں جگہوں میں برابر ہوگا اور صبح کے وقت (صبحِ کاذب کی ابتداء کے) ۱۸ زیرِ افق سے (تین درجات کے فرق سے ۱۵ زیرِ افق پر) صبحِ صادق تک کے وقت کا حکماً کوئی اعتبار نہیں! یعنی یہ وقت عشاء میں داخل ہے اِسی طرح بعد غروب آفتاب اس کے برعکس ۱۵ زیرِ افق سے ۱۸ زیرِ افق تک کے وقت کا بھی حکماً کوئی اعتبار نہیں اور یہ وقت بھی عشاء میں داخل ہے اور اصلی شفقِ ابیض تو پندرہ زیرِ اُفق تک ختم ہوچکی ہے اور یہ جو ۱۵ کے بعد سے ۱۸ اور اُس سے بھی آگے ستون نما شفق ''مُستطیل روشنی'' کا انعکاس ہوا ہے اُسے نظر انداز کردیا جائے کیونکہ جیسے طلوع آفتاب سے قبل اٹھارہ زیرِ اُفق پر صبحِ کاذب شروع (ہوکر ۱۵ پر ختم) ہوتی ہے جسے حُکماً نظر انداز کرتے ہوئے عشاء کے وقت کے ابھی بھی باقی ہونے اور فجر کے شروع نہ ہونے کا کہا جاتا ہے، اسی طرح یہ مستطیل روشنی ۱۵ زیرِ اُفق کے بعد سے اٹھارہ درجہ اور اُس سے بھی آگے تک ختم نہ ہونے کے باوجود ''اصلی شفقِ ابیض'' میں دخیل ہونے سے نظر انداز کے قابل ہے اور اِس کی اس ستون نماء بیاض سے یہ دھوکہ نہ ہو کہ ابھی عشاء کا وقت شروع نہیں ہوا اور اس کے ختم کے بعد شروع ہوگا !نہیں، ایسا نہیں بلکہ عشاء کا وقت (پندرہ زیرِ اُفق پر) ''اصلی شفقِ ابیض مستطیر'' کے ختم

ہونے کے ساتھ شروع ہوگیا ہے۔ (یہ بات قارئین کے مدِ نظر رہے کہ سوال کرنے والے شاہد نے جو کہ خود بھی منجم ہے، اپنے سوال میں اہلِ ہندسہ کے کسرات چھوڑنے کے حوالہ سے ۱۸ زیرِ افق کے بعد کی ستون نما روشنی کو نظر انداز کرنے کا خیال بھی ظاہر کیا ہے)۔

نیز اس فتوے سے یہ بھی ثابت ہوا کہ ان بزرگوں نے طرفین میں شفق کی ابتداء وانتہاء میں نیز فجرین (صبح کاذب وصادق) وشفقین (احمر وابیض) میں ایک دوسرے کے درمیان فاصلوں کو مساوی تسلیم کیا ہے، نیز اس فتوے کے اخیر میں حکیم الامتؒ نے ''**چونکہ یہ جواب** میری مشارکت۔۔'' سے اپنے الفاظ میں ستون نما محرابی سفیدی کی عدمِ شرعیت پر مفتی عبدالکریمؒ سے اپنے اتفاق اور اس پر مزید تائید کے لئیے نکتہ پیش کیا کہ جیسے ''فجرِ صادق سے قبل بیاضِ مستطیل بالیقین عشاء کا وقت ہے **اقرب الی القیاس یہ ھے کہ** اسی طرح بیاضِ مستطیل بعد غروب بھی عشاء کا وقت ہو! اھ۔

حکیم الامتؒ کے فتاویٰ پر مزید روشنی

چنداھم فوائد ونکات : (۱) مذکورہ سوال پندرہ کے جواب میں آپؒ نے صبح کاذب کے ۱۸ زیرِ افق پر ہونے کے لئے ''شرحِ چغمینی'' کا حوالہ دیا ہے! وہ عبارت ملاحظہ ہو؛ قال فی شرح الچغمینی وقدعرف بالتّجربة ان **اول الصبح وآخر الشفق انما یکون اذا کان انحطاط الشمش ثمانیه عشر جزئاً** اھ

(امداد الاحکام ج ا ص ۴۰۱)

اس عبارت میں اول الصبح سے مراد ''صبح کاذب'' ہے جس سے آپ کے

نزدیک ۱۸ پر صبحِ کاذب ہونا واضح ہے او آخر الشفق سے مراد ''شفقِ ابیض'' ہے جو ۱۸ زیرِ افق پر غائب ہوتی ہے! اس سے امداد الاحکام کی عربی عبارت کے اردو ترجمہ میں سہو ہو جانے کو سمجھنا مشکل نہیں! جیسے کہ اس میں کہا گیا کہ ''یہ صبحِ کاذب کے متعلق ہے'' نیز وہیں صبحِ صادق کے لئے تو بعد میں صاف طور پر لکھا ہے کہ وہ ''پندرہ درجہ'' پر ہے، معلوم ہوا کہ پہلی عبارت کے ترجمہ میں سہواً ''کاذب'' کے بجائے '' صادق '' لکھدیا گیا ہے!

(۲) یہ بات ذہن نشین رہے کہ حضرت تھانویؒ اپنے جوابات میں ہمیشہ فلکیاتی حسابات و درجات کے بجائے ''مشاہدہ'' کرنے اور اسی پر عمل کے لئے سائلین کو متوجہ کرتے رہے ہیں مگر ''**یہاں اس فتویٰ میں** '' **فلکی حسابات کے درجہ وڈگری**'' سے وضاحت'' کی گئی ہے! تو یاد رہے کہ دراصل اس کی وجہ ''سائل جو کہ خود مُنجم ہے اور المناک کے حساب سے تقویم بنانے کا ماہر ہے اس نے جو سوال لکھا اس میں اس نے اپنے مشاہدہ کے احوال بھی لکھے اور یہ احوال لکھتے ہوئے اس نے فلکیاتی اصطلاحات، حسابی نکات وغیرہ کو اپنے مشاہدہ کے احوال سے منطبق کرتے ہوئے نقل کیا تو جواب میں بھی سوال کے مطابق ''اسی کے بیان کردہ مشاہداتی احوال وفلکی اصطلاحات کو دوہرایا گیا! یہی وجہ ہے کہ ہمارے سامنے اس جواب میں فلکی اصطلاح ۱۸ زیرِ افق کا ذکر بھی موجود ہے!

(۳) امدا الاحکام (ج ا ص ۱۰۴) کے مذکورہ فتوے کی عبارت میں یہ جملہ ''**بالآخِر یہ طے ہوا**'' جو ہے اس سے معلوم ہوا کہ اِب سے قبل آپؒ نے بالیقین ترجیحاً یہ طے نہیں کیا تھا کہ سورج سے منعکس ہونے والی شفقین کی ابتداء وانتہاء ۱۸ درجہ ہی پر ہے! ورنہ ''بالآخِر طے ہوا'' کہنے کی ضرورت ہی نہ تھی اگر کہا جائے کہ آپ کی طرف سے اِس سے قبل ۱۸ زیرِ اُفق کی ترجیحی تعیین ہو چکی تھی تب تو یہاں یہ عبارت ہی مہمل ہوگی!

(۴) **نیز اِسی تحریر** (**بالآخِر طے ہوا۔۔**) **سے معلوم ہوتا ہے کہ حکیم الاُمت**ؒ نے ''ریَن فیَر و اِسکاٹلینڈ'' کے لئے نمازوں کے اوقات کا جو نقشہ بھجوایا تھا اِس میں ۱۸ زیر افق پر صبحِ صادق کی ابتداء اور شفقِ ابیض کی انتہاء کے وقت کی تعیین آپ کی اپنی حتمی رائے کے مطابق نہ تھی! کیونکہ آپ نے اس فتوے میں منجم کے مشاہدہ کے جواب میں ۱۸ پر صبحِ کاذب کے ہونے کا بیان دیا ہے، جبکہ ریَنفیر و، اسکاٹلینڈ والے نقشہ میں گرینوِچ کی المناک کے مطابق ۱۸ پر صبح صادق ہونے کا وقت منجم نے لکھا ہے!

(۵) نیز اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ ۱۸ زیرِ افق پر صبح صادق والا نقشہ آپؒ نے سائل کو مشاہدہ کرنے سے مجبور پا کر آپ کی طرف سے منجم کو نقشہ بنانے کے لئے جب کہا گیا تو منجم نے اپنی مرضی سے اسے المناک سے ۱۸ زیرِ افق پر صبح صادق

ہونے کے مطابق بنا کر اسکاٹ لینڈ بھیجا گیا!

(۶) آپؒ کی اسی مذکورہ جوابی تحریر کی یہ عبارت ''**بالآخِر طے ہوا**''، واضح طور پر دلالت کرتی ہے کہ آپ نے اس فتوے وجواب سے پہلے صبح وشفق کے لئے کوئی معیّن ڈگری کا تعیّن نہیں کیا تھا (۷) نیز اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ ۱۷ اور ۱۹ ڈگری پر صبحِ کاذب کی ابتداء کے جو دیگر اقوال ہیں ان کے بر خلاف ۱۸ زیرِ اُفق پر صبحِ کاذب کی ابتداء کے قول کو ترجیح ہے (۸) نیز آپؒ نے اس فتویٰ میں بھی ''مشاہدہ'' ہی کو فلکیاتی حساب پر ترجیح دی اور رصد گاہوں کے مقولہ Astronomical Twilight آسٹرونومیکل ٹوائی لائٹ کے ۱۸ کے وقت کے بر خلاف ''مشاہدہ کرنے والے سائل'' کے پیش کردہ مشاہدہ پر ہی فیصلہ کیا اگرچہ سائل کی استعمال کردہ فلکی اصطلاحات کو سوال کے ضمن میں ہی تطابق دیا! واللہ اعلم بالصواب

(۹) نیز فلکیات کے مفروضہ حسابات کے مطابق ''جانبین کے مساوی فاصلوں'' اور مشاہدات میں مطابقت کے بجائے مخالفت پائی گئی کہ ۱۸ پر بیاضِ مستطیل غائب نہ ہوئی!

(۱۰) نیز فلکیاتی حساب کی مساوات ہی کے ضمن میں ماقبل طلوع آفتاب صبحِ کاذب (بیاضِ مستطیل) اور صبحِ صادق (بیاضِ منتشر) کے تین درجات کے مساوی

فاصلہ کے بالمقابل بعد غروب آفتاب، غروبِ شفق احمر وشفقِ ابیض کے درمیان تین درجات کے بجائے یہ فاصلہ زیادہ ہے کیونکہ مکمل بیاض کا اختتام ۱۸ زیرِ افق کے وقت سے بھی ۲۵ تا ۳۵ منٹ بعد ہوا (جیسے کہ منجم شاہد نے لکھا ہے)، نیز ماہرین کے اقوال کی تفصیل سے بھی زیرافق کے درجات کا غیر مساوی ہونا مخفی نہیں!

(۱۱) نیز منجم کے سوال کے احوال کے ضمن میں شام کو شفق کی قسموں میں یہ بات تسلیم کرنی پڑے گی کہ صبح کے بالمقابل بعد غروب آفتاب دو کے بجائے شفق کی چار قسمیں ہوں گی! ایک شفقِ احمر، دوم شفقِ بیاض مستطیر، سوم بیاضِ مستطیل اوّل (۱۵ تا ۱۸ زیرِ افق) اور چہارم بیاض مستطیل دوم! (۱۸ تا اوپر)،

اور اسی بنیاد پر صبح کو بھی ''صبحِ کاذب والی بیاضِ مستطیل'' سے پہلے ایک اور ''بیاضِ مستطیل اول'' کی موجودگی کو ماننا پڑے گا! جو نہ تو شفق کی شرعی اقسام کے مطابق ہے (کیونکہ شرعاً صبح کاذب سے پہلے اندھیرہ ہوتا ہے) اور نہ ہی فلکیات کے مفروضہ حسابات کے مطابق ہے (کیونکہ فلکیاتی حساب کے مطابق طرفین میں شفق کی ابتداء وانتہاء کی حدِّ فاصل آفتاب کا ۱۸ زیرِ افق پر ہونا ہے) اور نہ ہی یہ فقہی تشریح کے مطابق ہے!

(۱۲) نیز آپؒ کی اسی عبارت ''**بالآخِر طے ہوا**'' سے یہ بات بھی ثابت ہوئی کہ ۱۷ اور ۱۹ ڈگری پر صبحِ کاذب کی ابتداء کے جو دیگر اقوال ہیں ان کے بر خلاف ۱۸ زیرِ اُفق پر صبحِ کاذب کی ابتداء کے قول کو ترجیح ہے!

(۱۳) نیز آپ کے نقل کرنے کے مطابق ''صبح وشام کی شفق کے فاصلے یکساں'' ہوتے ہیں جبکہ آپؒ نے منجم سائل کے ''جس مشاہدہ'' پر یہ فتویٰ دیا ہے اس مشاہدہ میں شام کو شفقِ ابیض کے بعد بیاضِ مستطیل کی انتہاء صبح کی بیاضِ مستطیل یعنی صبح کاذب کی ابتداء کے فاصلہ کے مساوی نہیں ہوئی بلکہ اس میں ہے کہ شام کو بیاضِ مستطیر کے بعد بیاضِ مستطیل کا اختتامی فاصلہ ۱۸ سے آگے تک چلا گیا ہے!

حالانکہ ''فلکیاتی حساب کے مطابق'' مشہور ہے کہ صبح کاذب سے طلوع آفتاب تک کا جو فاصلہ ہوگا وہی غروب آفتاب سے شفق کے ختم تک کا ہوگا اور تین درجات کا جو فاصلہ صبحِ کاذب وصبح صادق میں ہوگا وہی فاصلہ شفقِ احمر وابیض کے درمیان بھی ہوگا! اور انہی اقوال پر قیاس کرتے ہوئے حکیم الامتؒ نے بھی جانبین میں مع فجرین وشفقین کے آپسی فاصلہ میں مساوات کا فرمایا ہے!۔

مگر یہاں یہ مطابقت نہیں بلکہ شفق کی صبح شام کی بیاض (بشمول ابیض مستطیل، مستطیر) کی ابتداء وانتہاء میں نقلاً، ہیئۃً اور مشاہدۃً مطابقت کے بجائے مخالفت ہورہی ہے کیونکہ ماقبل طلوع آفتاب بیاضِ مستطیل (صبح کاذب) جب (فلکیاً ۱۸ زیرِ اُفق سے) شروع ہوتی ہے تو اس سے پہلے اندھیرہ ہوتا ہے اسی طرح بعد غروب آفتاب ۱۸ زیرِ اُفق پر بیاضِ مستطیل ختم ہو کر اندھیرہ ہوجانا چاہیئے تھا مگر نہ ہوا، تو اب فجرین وشفقین میں تین درجات کا فاصلہ ہونے کے اقوال کے مطابق

بعد غروب آفتاب ۱۵ زیرِ اُفق تک تو شفقِ ابیض مُنتشر (اصلی شفقِ ابیض) سمیٹ گئی مگر بقیہ شفقِ بیاضِ مستطیل (کاذب شفق!) ۱۸ زیرِ افق پر ختم نہ ہوئی اور سائل کے لکھنے کے مطابق وہ ۱۸ زیرِ افق کے بعد بھی دیر تک باقی رہی!

(۱۴) اگر فاصلہ کو مساوی تصوّر کرلیا جائے تو (۱۵ زیرِ افق کے بعد سے نہ صرف ۱۸ درجہ زیرِ افق تک بلکہ) ۸۱ درجات زیرِ افق کے بعد بھی باقی رہنے والی منجم کے مشاہدہ والی یہ ''مستطیل روشنی'' سورج سے منعکس ہونے والی روشنی نہیں؟! جس کی طرف اسی فتوے میں اسے علمِ ہیئت کی بحث سے خارج بتلایا گیا ہے! یا پھر یہ کسی ستارہ یا گگن شیٔن کی روشنی ہے؟ جس کے متعلق مفتی رشید احمد لدھیانویؒ نے اپنے ذاتی مشاہدات میں بیان کیا ہے جو آگے آرہے ہیں!

(طرفین میں شفق کے مساوی فاصلوں کے متعلق ذیل میں مزید وضاحت ملاحظہ فرمائیں، نیز ہمارے مشاہدات کے مطابق بھی یہ بات صحیح نہیں کہ جانبین میں فاصلے مساوی ہوتے ہیں)

کیا ماقبل طلوع وبعد غروب آفتاب، صبح وشفق کے فاصلے مساوی ہوتے ہیں! حقیقت کیا ہے؟

صبح شام طرفین میں صبح وشفق کے فاصلوں کی طرح فجرین وشفقین کے فاصلوں کے مساوی ہونے کی بات حسابی مفروضہ کے طور پر نقل در نقل ہوتی چلی آرہی ہے اور مفروضہ حسابات کی وکالت کی طرح ایک صاحب کی طرف سے

علامہ ابنِ عابدین شامیؒ کو بھی حوالہ میں اس طرح پیش کردیا گویا یہ ان کا اپنا تجربہ وتحقیق ہو! چاہیئے تو یہ تھا کہ پوری وصحیح بات نقل کی جاتی تاکہ قاری سے حقیقت چھپی نہ رہے اور امانت میں خیانت نہ ہو!

اصل بات یہ ہے کہ یہ قول علاّمہ خلیل کاملیؒ کا ہے جنہوں نے علاّمہ آفندی داغستانی کے رسالہ ''اسطرلاب'' کے حاشیہ پر اسے ذکر کیا ہے اور علاّمہ شامیؒ نے فائدہ کے عنوان کے ماتحت کسی مزید تفصیل اور اس پر اپنی رائے ظاہر کئے بغیر ''رد المحتار ج ا کے ص ۲۶۴'' پر اسے نقل کیا ہے!

ہونا تو یہ چاہیئے تھا کہ اسے اسی طرح نقل کیا جاتا جیسے علاّمہ شامیؒ نے نقل کیا ہے یا جیسے امداد الاحکام ج اص ۴۰۱ اور ص ۴۱۵ کی عبارات گذریں یا پھر بوادر النوادر ص ۴۲۹ کی عبارات میں حوالہ کے حقوق اداء کرتے ہوئے ذکر کیا گیا ہے!

(۱) مثلاً امداد الاحکام ج اص ۴۰۱ پر فتوے میں آپ نے لکھا ہے وذکر فی **ردّ المحتار** ان التفاوت بین الفجرین وکذا بین الشفقین الاحمر والابیض انما ھو بثلٰث درج. اھ اس میں آپ نے ردالمحتار میں مذکور ہونے کو حوالہ کے طور پر لکھا ہے!

(۲) نیز امداد الاحکام ج اص ۴۱۵ کے فتوے کی عبارت میں آپؒ نے ''کتابوں میں یہی ملا'' کہہ کر شفق احمر وابیض اور فجرین میں تین درجات کے فاصلوں کے

لئے بالترتیب شرحِ چغمینی وردالمحتار کا اور بوادر النوادر میں شامی کا حوالہ دیا ہے البتہ اس حوالہ کی تائید میں یہ ضرور فرمایا کہ: ''مقتضائے قیاس بھی یہی ہے'' (یعنی یقینی وقطعی نہیں بلکہ عقلاً سمجھ میں آتا ہے کہ فجرین وشفقین میں دونوں فاصلے مساوی ہوں)!

(۳) نیز بوادر النوادر میں آپؒ نے فجرین وشفقین میں تین درجات کے تفاوت کو ''خود کے قطعی ویقینی قول ہونے کو'' لکھنے کے بجائے اسے ''کما نقلہ الشامی'' سے علاّمہ شامیؒ کی طرف منسوب فرمایا؛ اما التفاوۃ بین الفجرین وکذا بین الشّفقین انما ھو بثلٰثِ درج **کما نقلہ الشامی** عن اھل الفن فی وقت الفجر (بوادر النوادر ص ۴۲۹) ترجمہ: فجرین اور شفقین میں تین درجات کا فاصلہ ہے جیسے **شامیؒ نے ''اہلِ فن سے** نقل کیا ہے اھ ۔

نتیجہ:۔ دراصل ناقلین کی خامیوں میں سے یہی سب سے بڑی وہ خامی ہے جو حوالہ جات کو کسی مدلول کی دلیل میں نقل کرنے میں احتیاط نہ کرتے ہوئے سہواً یا جان بجھ کر تجاہلِ عارفانہ سیکی جاتی ہے اور پھر ایک دوسرے سے نقل در ہوتے ہوئے گویا وہ حقیقتِ قطعیہ بنالی جاتی ہے!

بہرحال تھیوری ومفروضہ کی بنیاد پر ماہرین کے اقوال نقل در نقل ہوتے چلے آرہے ہیں مگر افسوس بعض ناسمجھوں کی طرف سے انہیں قارئین کی کشش کے لئے ''مفروضہ وقیاس'' کے بجائے ''عین الیقین'' کے طرز پر بیان کرنے کی روش

اپنائی گئی ہے !اگر واقعی یہ فاصلے یقیناً مساوی ہوتے تو پھر تب سے اب تک ہرایک کے مشاہدات اور ماہرین میں اختلاف کا شائبہ تک بھی نہ رہتا اور ہونا بھی نہیں چاہئے تھا! مگر ماہرین میں زیرِ افق کے درجات میں اختلافات سے انکار کی گنجائش ہی نہیں اور یہ اب بھی مٹنے کا نام نہیں لیتے! **علامہ سبط** المارد نی تو اس فاصلہ کے غیر مساوی ہونیکا اپنا تجربہ تک بتلا رہے ہیں (دیکھو پیچھے ص ۱۲۲) نیز ہمارے برطانوی مشاہدین کا بھی بشمول بندہ یہی تجربہ ہے کہ یہ جانبین کے فاصلے مساوی نہیں!

مشاہدات کے لئے حکیم الامتؒ کی تاکید و تجربات

سایہ اصلی، مثل و مثلین

((**فتوی۔۲۰**)) فرماتے ہیں: (۱) البتہ صبحِ صادق کی معرفت بدوں تجربہ کے اور مثلین کی معرفت بدوں حساب کے نہیں ہوتی۔ اھ (بوادرالنوادر ص ۴۲۹)،

فائدہ؛ یہاں یہ سمجھایا گیا؛ (**الف**) کہ صبح صادق کی پہچان ''مشاہدہ کا تجربہ کرنے والے'' ہی کو ہوتی ہے نہ کہ ''بلا مشاہدہ محض حساب کی گردان کرنے والے کو''!

(**ب**) اور مثل و مثلین کی پہچان (شماریات کے سادہ) حساب کے علم کے بغیر نہیں ہوگی (یعنی اس میں فلکیات کے حساب کا کوئی عمل دخل نہیں) بلکہ سادہ عام گنتی والا حساب ہی کام

دے گا!، اسے مزید وضاحت سے مثالاً سمجھئے، **سایہ کی پیمائش**؛۔

(۱) یاد رہے کہ سورج کی ٹکیہ کے زمین سے مکمل طلوع ہونے سے پہلے پہلے تک ہر چیز کا سایہ طوالت میں آہستہ آہستہ ایک حد تک بڑھتا رہے گا مگر جیسے ہی سورج کی ٹکیہ مکمل طلوع ہو چکتی ہے تو اب یہ گھٹتے ہوئے سورج کے ٹھیک دوپہر کی گھڑی (نصف النہار) پر پہونچنے تک میں یہ کم سے کم آخری طوالت کی ایک حد تک آجاتا ہے! کم سے کم کی یہ آخری طوالت والا یہی سایہ، ہر چیز کا ''سایہ اصلی ہے''!

(۲) مثلاً ایک لکڑی زمین میں گاڑی گئی جس کی زمین سے باہر کی طوالت مثلاً بارہ انچ رہ گئی تو سادہ عام حساب پر اس بارہ انچ طویل لکڑی کا ''سایہ اصلی'' ٹھیک دوپہر کو (جو سایہ کے گھٹنے کی آخری حد ہے) ''تین انچ طویل'' باقی رہ گیا اب یہ (مزید نہیں گھٹے گا بلکہ) بڑھنا (**زوال**) شروع ہوگا تو یہی ظہر کی ابتداء کا وقت ہے!

(۳) اب یہ سایہ اصلی بڑھنا شروع ہوگا اور جب وہ لکڑی کی بارہ انچ کی طوالت اور اپنی تین انچ کی طوالت کو ملا کر کل پندرہ انچ کا ہو جائے گا تو یہ ''مثلِ اوّل'' (۱۲+۳=۱۵) ہے،

(۴) اس کے بعد یہ سایہ بڑھتے بڑھتے جب تین انچ کے سایہ اصلی اور لکڑی کی دوگنی طوالت ملا کر کل ستائیس انچ کا ہوگا (۳+۱۲+۱۲=۲۷) تو یہ دومثل ہوگا۔

بہر حال حکیم الأمت علیہ الرحمہ کے مذکورہ ''بوادر النوادر'' والے قول سے ثابت

ہوا کہ صبح صادق کی حقیقت مشاہدہ کے بغیر صرف فلکی ڈگریوں کی رٹ لگانے سے معلوم نہیں ہوسکتی اور عصر کے وقت کی پہچان کے لئے عام سادہ حساب جاننا ضروری ہے جس سے سایہ کا مشاہدہ کرتے ہوئے اس کی حسابی پیمائش (جیسے اوپر مثال سے سمجھایا گیا) دونوں سے مثل و مثلین کا وقت معلوم ہوگا جن کا تعلق ظہر کے آخری وقت اور عصر کی ابتداء سے ہے۔

مذکورہ فتوے سے بھی ثابت ہوا کہ آپؒ مشاہدہ کی اہمیّت کو ہمیشہ اوجاگر کرتے رہے اسی لئے اس فتوے کی عبارت میں صبحِ صادق کی پہچان کو ''فلکیاتی حساب کے بجائے ''مشاہدہ'' سے منسلک بتلایا اور مثل و مثلین کی پہچان کو مشاہدہ کے ساتھ ساتھ (بجائے ڈگریوں کے) ریاضی کے حساب سے منسلک بتلایا۔

نوٹ : یادرہے کہ مذکورہ نمبر (ب) میں آپؒ کی عبارت (مثل و مثلین کی پہچان۔۔۔) کسے قارئینِ کرام ''اس دھوکہ میں نہ آئیں کہ یہاں حساب سے آپ کی مراد'' فلکیات وہیئت کا حساب'' ہے!،ایسا نہیں، بلکہ آپؒ کی مراد جیسے کہ اوپر بیان ہوا ریاضی وشماریات کا سادہ حساب ہے جو قرآن واحادیث اور آپ ﷺ وصحابہؓ کی روز مرّہ معمولاتِ زندگی میں سینکڑوں جگہ ہمیں دکھائی دیتا ہے،

جب یہ بات عیاں ہوگئی کہ حکیم الامتؒ کے فتاویٰ بہت احتیاطی ہیں اور آپؒ خصوصاً مفروضہ حسابات ودرجات پر عمل کے بجائے مشاہدہ اور اس پر عمل کے لئے کوشاں رہے تھے

اور مشاہدات ہی کو ترجیح دیتے تھے ،تو مشاہدات اور صبح وشفق کے زیرِ افق کے درجات میں مساوات و اتفاق کے بجائے اختلاف کی مزید تفصیل ذیل میں ملاحظہ فرمائیں :۔

شفقین کی معرفت میں کتنے عرصے کے مسلسل مشاہدات ہونے چاہیئے اور مسلسل کی کیا حد ہے؟

غروبِ آفتاب کے بعد شفق کے غروب پر اور ڈگریوں ومشاہداتی اوقات میں مخالفت کی بحث چل رہی ہے یہاں یہ سوال بھی اُبھرتا ہے کہ نماز کے اوقات کی ''علامات کی معرفت'' کے لئے کتنا طویل اور مسلسل عرصہ درکار ہوتا ہے؟

کیا ذیل میں ذکر کئے جانے والے بزرگوں کے محض چند ایام کے تین مثالی مشاہدات کو کافی اور مسلسل نہیں؟ ، ملاحظہ فرمائیں :۔

(ا) پہلی مثال ،حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ اور علماء کے مشاہدات :۔

پاکستان میں عُلماء نے ''صرف تین دن'' کے مشاہدات کئے جس کے نتائج ۱۸ زیرِ افق پر صبح صادق ہونے کی مخالفت میں آئے !(اِن مشاہدات کی پوری حقیقت کو جب تک تفصیلاً دیکھا نہ جائے تب تک حقیقت واضح نہ ہوگی اس لئے اُنہیں تفصیل سے ذکر کیا جاتا ہے تاکہ پوری طرح بات سمجھ میں آجائے اس کے بعد دیگر مثالیں بھی پیش ہوں گی)،

(**الف**) یہ مشاہدات مفتی محمّد شفیع صاحبؒ کی سرکردگی میں ہوئے جن کی روئیداد آپؒ نے خود اپنے ہاتھ سے لکھی جس میں تین بار یہ تصریح ہے کہ اِن مشاہدات پر

سب شرکاء کا اِتفاق رہا اس پر سب مشاہدین نے اپنے دستخط بھی کیئے''، (اس بارے میں احسن الفتاویٰ ج۲ص۱۷۶ پر حضرت مفتی رشید احمد لُدھیانویؒ کی جو تحریر ہے اسے یہاں نقل کیا جارہا ہے، یاد رہے کہ آپؒ حضرت مفتی محمّد شفیع صاحب کے شاگرد بھی ہیں)، موصوف لکھتے ہیں:

(ب) مفتی محمد شفیع صاحبؒ کی سرکردگی میں تین دن مشاہدات کیئے گئے،

اسمائے شرکاء (۱) مفتی رشید احمد (۲) مفتی محی الدّین (۳) مفتی ولی حسن ٹونکی (۴) مولانا عاشق الٰہی (۵) مفتی محمّد رفیع (۶) مفتی محمّد تقی (۷) مولانا محمّد علی صاحب (۸) جناب کلیم (۹) احقر محمّد شفیع (۱۰) مولوی محمّد صدّیق (۱۱) مولوی عبدالواحد۔

(ج) مشاهدات پر فیصله کی توثیق، علماء کی مجلسِ تحقیق کا فیصلہ وفتویٰ:۔

مفتی شفیع صاحبؒ نے مشاہدات کے بعد **متفقه فیصله** میں لکھا:۔

مسئلہ کے زیرِ غور آنے کے بعد متفرق ایاّم میں جتنے مشاہدے کیئے گئے ان میں سے کسی میں بھی مروّجہ جنتریوں کے مطابق صبحِ صادق نہیں ہوئی بلکہ اس کے بعد ہوئی اِن سے ثابت ہوتا ہے کہ مروّجہ جنتریوں میں صبحِ صادق کے نام سے جو وقت (فجر کے لئے ۱۸ ڈگری کا) لکھا گیا ہے وہ درحقیقت صبحِ کاذب کا ہے'' (احسن الفتاویٰ ج۲ص۱۷۸)۔

(د) مفتی محمّد شفیع صاحبؒ نے ساتھ ہی یہ ''فتویٰ'' بھی لکھا:۔

اِتنی بات تو یقینی ہوگئی ہے کہ نقشوں اور جنتریوں میں جو وقت (۱۸ ڈِگری کے مطابق) صبحِ صادق کا لکھا ہے وہ صبح صادق کا اصلی وقت نہیں ہے بلکہ غالباً صبحِ کاذِب کا

وقت ہے جو اِنتہائے سحر کے لئے احتیاطاً لکھا گیا ہے اس کے بعد بھی کچھ وقت رہتا ہے جس کی مقدار ہر جگہ ۱۲ منٹ ہی نہیں بلکہ ہر موسم اور ہر علاقہ میں تفاوت کی نوعیت الگ ہے! لہٰذا (۱۸ ڈگری والے) نقشوں کے مطابق فوراً اذان دے کر مرد یا عورتوں کا نماز پڑھ لینا درست نہیں۔ ''لہٰذا ۱۸ ڈگری کے مطابق اِن نقشوں کے وقت سے ''بیس منٹ'' بعد فجر کی اذان دینے اور اس کے بعد نمازِ فجر پڑھنے سے ہر موسم میں بلاشبہ نماز صحیح ہوجائے گی'' (احسن الفتاویٰ ج۲ص۱۷۷)۔

(ہ) مفتی شفیع صاحبؒ کا اس فیصلہ سے بعد میں (۲۴ ذی الحجہ ۱۳۹۳ھ کو) رجوع:۔

مفتی شفیع صاحبؒ نے حاجی وجیہ الدین خان بہادور کی جنتری میں طلوع وغروب آفتاب کے اوقات کے قابلِ اعتماد حضرات کی جانچ وصحت کی گواہی دینے پر جنتری کے دوسرے اوقات پر بھی اعتماد کرلیا!، بعد میں جدید وقدیم اہلِ فن کے اقوال سے بعض اہلِ علم کی نئ تحقیق سے آپ نے سمجھا کہ اس جنتری میں صبح صادق کے اوقات دراصل صبح کاذب کے ہیں تو آپ کو بھی تردّد ہوگیا اور اب سے چند سال پہلے آپ نے فجر کی نماز کو اس جنتری کے اوقات کے پندرہ بیس منٹ کے بعد پڑھنے کا نوٹ رمضان کے نقشہ اوقات میں شائع کروانا شروع کیا، سالِ رواں (۱۳۹۳ھ) میں بعض اہلِ فن کے ساتھ بحث وجدید فلکیات کی بعض کتب کی مراجعت سے ثابت ہوا کہ ''اہلِ فن نے صبح کاذب کو صبح صادق سے الگ کرکے ذکر کیا ہے'' تو میرا تردد رفع ہوگیا،

نوٹ: عجیب اتفاقی بات ہے کہ رجوع کی اس تحریر میں ان مشترکہ مشاہدات کا بالکل ذکر نہیں جن کی بنیاد

پر فتویٰ و فیصلہ لکھا گیا تھا!

(و) جواباً مفتی رشید احمد لدھیانویؒ نے بڑی تفصیل سے ''**زوڈیکل ٹوائی لائٹ اور صبحِ کاذب کا فرق**'' مشاہدات وفلکی ماہرین کے اقوال سے ثابت کیا'' (دیکھو پیچھے فتویٰ ۷ اص ۱۶۰ پر مختصراً بیان کردہ تفصیل، جس کے مطابق زوڈیکل لائٹ صبحِ کاذب نہیں بلکہ وہ صبحِ کاذب سے کافی پہلے سے شروع ہونے والی کسی ستارہ کی روشنی ہے!)، مگر حیرانگی اس بات کی ہے کہ ''مشاہدات کی روئداد میں (جیسے کہ پیچھے ذکر ہوا) شرکائے مشاہدہ بشمول مفتی شفیع صاحبؒ سب علماء آپس میں متفق تھے'' جس کا کسی کو انکار نہیں اس کے باوجود ۱۱، ۱۲، ۱۳ جون ۱۹۷۰ء کے اپنے ہی تجربہ ومشاہدہ کے خلاف ''محض فلکی اصطلاح زوڈیکل ٹوالائٹ'' پر انہوں نے اعتماد کیسے کرلیا جو متنازع فیہ بھی ہے کہ اس سے صبحِ کاذب مراد نہیں'' جیسے Exploration کے مصنف نے بھی لکھا ہے!

(ز) استاذ کا رجوع اور شاگرد مفتی رشید احمد لدھیانویؒ کی طرف سے صفائی:۔

قلب میں اکابر کی محبت وعظمت اور ان کے علمی وعملی بلند مقام کی وقعت کے باوجود ''مسائل شرعیہ میں دلائل کے پیشِ نظر'' اُن سے ''اختلافِ رائے واجب'' ہے اس لئے دونوں بزرگوں کے رجوع سے متعلق چند امور پیش کرنے پر مجبور ہوں،

(۱) میری ہی تحریک پر مشاہدات اور مجلسِ تحقیق کے فیصلے ہوتے رہے تو اگر کوئی نیا انکشاف ہوا تھا تو مجھے بھی آگاہ کیا جاتا اور مجلس میں اجتماعی غور کے لئے شریک کیا

جاتا، جو نہ کیا گیا بلکہ میرے دریافت کرنے پر بھی وجہِ رجوع نہیں بتلائی گئی!

(۲) حقیقت یہ ہے کہ ایک فَتّینِ فَطین نے میری ہی تحریر میں ایک انگریزی کتاب کے حوالہ سے زوڈیکل لائٹ کا بیان دیکھا تو یہ کتاب ان اکابر کو دِکھا کر ''یہ باور کرانے میں کامیاب ہوگیا کہ یہی صبحِ کاذب ہے حالانکہ میں بہت سے دلائل سے ثابت کرچکا تھا کہ اس کا صبحِ کاذب سے کوئی تعلق نہیں'' جو شاید ان کی نظروں سے نہیں گذرا!،

(۳) دونوں حضرات کی تحریر بالکل مجمل بلکہ مبہم ہے ''اِن میں نہ تو میری کسی دلیل کے کسی جواب کی طرف اشارہ ہے اور نہ ہی اپنی ۱۰۰ تائید میں کوئی دلیل ہے'' دونوں بزرگوں کی تحریروں میں جس جدید انکشاف کا ذکر ہے وہی زوڈیکل لائٹ ہے جسکی حقیقت (کہ وہ صبحِ کاذب کی روشنی نہیں کے متعلق) میں بہت پہلے لکھ چکا تھا،

(۴) دلائل پر مبنی فیصلہ سے تو رجوع ممکن ہے مگر تین دن تک گیارہ علماء کے ''متفقہ عینی مشاہدات سے رجوع'' کے کیا معنیٰ ؟!

(۵) ان حضرات کے بلا دلیل اختلاف سے اس **متفقہ مسئلہ** کو مسائلِ اختلافیہ میں لانے کا کوئی جواز نہیں کہ **اٹھارہ زیر اُفق پر صبح صادق کا دنیا میں آج تک کوئی ایک فرد بھی قائل نہیں ہوا** ایسی متفق علیہ حقیقت

سے انکار کو اختلاف نہیں کہا جاتا بلکہ یہ **خلاف بلا دلیل** کہلاتا ہے۔اھ (احسن الفتاویٰ ج۲ص۱۹۰)

فائدہ :۔(الف) مفتی شفیع صاحبؒ کا رجوع میں بھی احتیاط ! آپؒ نے فرمایا، البتّہ **یہ حسابات خود یقینی نہیں ہوتے** نماز روزوں کے معاملہ میں ''**احتیاط**'' ہی کا پہلو اختیار کرنا چاہیئے (احسن الفتاویٰ ج۲ص۱۹۱، صبحِ صادق اور صبحِ کاذب ص۹)،

یہ بھی عجیب اتفاق ہے کہ حضرت مفتی شفیع صاحبؒ تین دن کے مشاہدات کے بعد جب پہلی مرتبہ اپنے فیصلہ میں جنتری کے ۱۸ زیرِ افق کے اوقات کو صبحِ کاذب کے اوقات قرار دیکر بیس منٹ پہلے سحری ختم کردینے کے احتیاط کا فرماتے ہیں، اس کے بعد جب مذکورہ دوسری مرتبہ یہ رجوع فرمایا تو اس کے فیصلہ میں اگرچہ جنتری کے اُن اوقات کو صبحِ صادق کے اوقات قرار دئے بجائے صبحِ کاذب کے! مگر اس کے باوجود اب بھی اپنی رجوع والی عبارت میں **حساب کی عدمِ قطعیت** کے مدِنظر ہی ان اوقات میں احتیاط کرنے پر یہ کہہ کر بھرپور زور دیرہے ہیں کہ ''نماز روزہ کے معاملہ میں احتیاطی پہلو اختیار کرنا چاہیئے''!،

اس میں یہ بات قابلِ غور ہے کہ آپؒ نے دونوں مرتبہ رجوع کی عبارت میں ''**احتیاط**'' کے پہلو کو اوجاگر کیا ہے (دیکھو رجوع کی تحریر کا عکس کتاب کے آخر میں)،

(ب) آپؒ کے علاوہ دیگر حضرات اور خود حضرت مفتی تقی عثمانی زید مجدہ اب بھی

اس قسم کی احتیاط کرنے کا کہتے اور لکھتے چلے آرہے ہیں!

(ج) فقہاء کے درمیان ''سحری کی انتہاء اور روزہ کی ابتداء کی حدِّ فاصل'' کے حوالہ سے جو بحث ہے اس میں ''صبح صادق کی ابتدائی روشنی سے سحری کی انتہاء کرنے کو **احوط** اور اس ابتدائی روشنی کے انتشار کے بعد تک سحری کھانے کو **اوسع** کہا گیا ہے!،

بہرحال مفتی شفیع صاحبؒ نے اپنے فیصلہ سے رجوع کیا تب بھی یہ احتیاطی تعلیم اسی طرف جاتی ہے کہ ڈگریوں والے اوقات غیر یقینی ہیں، ساتھ ہی اس احتیاط کا مطلب ۱۸ پر صبحِ صادق نہیں بلکہ صبحِ کاذب ہی کا ہونا ہے!

(۲) دوسری مثال پروفیسر عبداللطیف صاحب کے نَو (یا سات) مشاہدات:

فائدہ:۔ محترم پروفیسر عبداللّطیف صاحب سلمہ نے اپنی کتاب ''صبحِ صادق اور صبحِ کاذب'' میں نَو (۹) مشاہدات کئے جانے کا لکھا ہے، مثلاً:

(الف) پہلی مرتبہ کے آپ کے ۶ مشاہدے:۔ یہ مشاہدات مورخہ ۳، ۴، ۵، ۶، ۱۱، اور ۱۲، اپریل ۱۹۷۳ء کو اِسی ایک مہینہ میں کئے گئے،

(ب) دوسری مرتبہ کے ۲ مشاہدات:۔ مورخہ ۱۸ اور ۱۹/اگست ۱۹۷۴ء کو یہ دو مشاہدے کئے گئے۔ یہ دونوں مشاہدے پہلے مشاہدے کے تیرہ ماہ بعد کئے گئے یہ کل آٹھ مشاہدے پاکستان میں ہوئے!

(ج) تیسری مرتبہ کا آخری ایک مشاہدہ؛۔ مدینۃ النبی ﷺ سعودی عربیہ میں اِن دومشاہدات سے چھ ماہ بعد مورخہ ۱۸ مارچ ۱۹۷۵ء کو کیا گیا!

(د) پرفیسر موصوف والے مشاهدات پر تفصیلی تجزیه؛۔

(ا) تین مختلف برسوں کے یہ کل نو مشاہدات اپریل، اگست اور مارچ کے تین ہی مہینوں اور دو مختلف ممالک میں ایک دوسرے سے طویل ناغوں کے بعد کئے گئے! نیز اِن نوَ مشاہدات میں سے پہلے دو مشاہدات کا سفر تو حقیقت میں مناسب جگہ کی تلاش کی غرض سے تھا جن میں ''صبحِ صادق ہونے کا مشرقی اُفق پر پھیلی ہوئی روشنی کا مغربی اُفق پر پھیلی ہوئی تاریکی سے موازنہ کرتے ہوئے اندازہ کیا گیا تھا! (جیسے کہ موصوف نے ص ۷۵ پر لکھا ہے مطلب یہ کہ حقیقت میں اِن دو دنوں کی صبح کی ابتداء کے مشاہدات نہیں ہوئے ہیں تو گویا سات مشاہدے ہوئے ہیں)۔

(۲) پروفیسر موصوف کے ساتھ شریک درجِ ذیل مشاہدین، مفتی شفیع صاحبؒ کی سرکردگی والے مشاہدات میں بھی شریک تھے جن کی گواہی کے مطابق صبحِ صادق کا ۱۵ ازیرافق ہونا ثابت ہوا، ان مشاہدین نے اپنی بالاتفاق شہادتوں سے اس وقت تو یہ صحیح بتلایا! مگر دوبارہ یہاں پروفیسر سلمہٗ کی سرکردگی میں اپنی ہی پہلی والی شہادت کے خلاف گواہی دی!

(کوئی بات نہیں! آنکھوں کے اختلاف سے ماہرین بھی دوچار ہیں جو عین دینِ فطرت کا تقاضہ

ہے کہ ''ہر انسان کی آنکھ کی طاقت برابر سرابر نہیں ہوتی! نیز قدرتی روشنی اور افق کا نظارہ ہمارے حساب کے تابع ہونے کے بجائے قدرتی نظام کے خاص کر افقی حالات کے تابع ہوتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ دینِ فطرت میں بجائے حساب کے شرعی شہادت کو قطعیت کا درجہ حاصل ہے لہٰذا انہوں نے دونوں مرتبہ جس متضاد نتیجہ کی گواہی دی وہ ان کی نظروں کا ''واقعۃً'' بلاشبہ دیکھنا تھا)

(۳) **مذکورہ مشاهدین کے اسمائے گرامی یه هیں** (ا) جناب محمّد علی صاحب غالبًا یہ مفتی شفیع صاحبؒ کی سرکردگی والے تین دن کے مشاہدات میں بھی ''مولانا'' لقب سے شریک تھے (۲) حضرت مولانا عاشق اِلٰہی صاحبؒ (۳) مولانا محمد رفیع صاحب (۴) حضرت مفتی ولی حسن صاحب ٹونکیؒ،

بہر حال مشاہدین (سات یا نوَ مشاہدات سے) صبح کی پہچان سے مانوس ہو گئے!

یہ ایک حقیقت ہے کہ دینِ اسلام میں سادگی ہے اور یہ بھی حقیقت ہے کہ آپ ﷺ کو حضرت جبرئیل امین علیہ السّلام کی پانچ نمازوں کے اوقات کی تعلیم کے بعد ان کی پہچان آپ ﷺ وصحابہؓ کو اس کے فوری بعد ہی ہو گئی تھی جس کے لئے انہیں تعلیمِ جبرئیلؑ کے بعد لمبے عرصہ اور مسلسل مشاہدات کا انتظار بھی نہ کرنا پڑا تھا،

(۴) پروفیسر موصوف نے اپنے کالم نمبر ۳ میں ''فطرتی حقیقت'' کی نشان دہی کرتے ہوئے یہ بھی صاف لکھ دیا کہ ''قوتِ بصارت کے اختلاف'' کے باعث یا فِضاء کے مکدّر یا گرد آلود ہونے کے سبب مبصروں میں اوقات کے تعیّن میں چند منٹ کا اختلاف ضرور رہا (جیسے کہ اِنہی مشاہدین نے مفتی شفیع صاحبؒ کی سرکردگی میں اس

سے مُختلف گواہی دی) جو ''عین فطری اور یقینی'' بات ہے، اھ (ایضاً ص۸۴)۔

مسلسل کی حد اور اختلافِ درجات کے ثبوت کی مذکورہ ان دو مثالوں میں سے مفتی محمّد شفیع صاحبؒ کی سرکردگی والے تین مشاہدات میں شفقِ ابیض کی ابتداء وانتہاء کا پندرہ درجات زیرِ اُفق پر ہونا اور ''صرف تین ہی مشاہدات کا مسلسل وکافی ہونا'' ثابت ہوا جبکہ دوسری مثال میں جو مشاہدات پروفیسر موصوف کی سرکردگی میں کئے گئے ان سے صبح صادق کی ابتداء وشفق کی انتہاء کا اٹھارہ درجات زیرِ افق پر ہونا ثابت ہوا! ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہوا کہ ان کے یہ نو (یا سات) مشاہدات (بلاترتیب ماہ وسال) نہ صرف تین ہی ماہ (مارچ، اپریل اور اگست) میں کئے گئے بلکہ ماہ وایام کی ترتیب کے بجائے مختلف ایاّم میں، نیز لمبے ناغوں، مختلف برسوں اور (اوقات وعروض وطولِ بلد کے اختلاف کے) ممالک میں کئے گئے اس کے باوجود یہ کافی ومسلسل شمار کئے گئے!

(۳) تیسری مثال؛۔ مفتی رشید احمد لُدھیانویؒ کے ذاتی مشاہدات؛ آپؒ نے ایک شخص کی معیت میں چند مشاہدات کئے؛۔

فائدہ؛۔ (**الف**) پہلی مرتبہ ۱۹ دسمبر ۱۹۷۱ء کی شام مغرب کے بعد کیا، دوسرے روز ۲۰ تا ۲۲ دسمبر کو ''ابر کی وجہ سے'' مشاہدے نہ ہوسکے (**ب**) دوسری مرتبہ ۲۳ اور ۲۴ دسمبر کو بعد مغرب کئے! ان مشاہدات میں آپ نے بیاضِ مستطیل (یعنی بعد

غروب آفتاب ستون نما بیاض) کی روشنی سے مماثل سیاّرہ زہرہ (Venus) کی روشنی آفتاب کے غروب کی جگہ سے قدرے جنوب کی طرف دیکھی، اسی طرح ۲۳ کو **صبح ساڑھے چار بجے** جانبِ مشرق، بیاضِ مستطیل بھی موجود پائی،

(**ج**) تیسری مرتبہ ۲۴ دسمبر کو تین بجے رات کہکشاں (Galaxy,Milkyway) کے مانند روشنی ثریا (Sevenstars) کی طرف اُٹھ کر معروف کہکشاں سے ملتے ہوئے ساڑھے چار بجے کے بعد جانبِ مشرق اس روشنی میں اضافہ جبکہ اوپر کی جانب اس میں کمی ہوتی ہوئی صبحِ کاذب تک محسوس کی جس سے آپکو صبحِ کاذب کا احساس نہ ہوسکا!، اس درمیان جنوری (۱۹۷۲ء) میں صبح کو ایک غیر معمولی روشن ستارہ **افقِ شرقی کے نیچے** (شفقِ ابیض مستطیل کی سی روشنی کا حامل) افق پر اثر انداز ہوتا ہوا محسوس ہوا۔

مطلب یہ کہ معروف کہکشاں کے ساتھ ایک مدھم کہکشاں اور دیگر ستاروں کی روشنیوں کی وجہ سے صبحِ کاذب کا ۱۸ زیرِ افق سے پہلے اور شفقِ ابیض کا ۱۸ زیرِ افق کے بعد تک ہونے میں مغالطہ ہونا محسوس کیا جو حقیقت میں ژوڈیکل لائٹ تھی (جو سورج سے منعکس ہونے کے بجائے افقِ شرقی کے روشن ستارہ کی تھی) جس کا صبحِ کاذب سے کوئی تعلق نہیں (کیونکہ یہ سورج سے منعکس

ہونے والی روشنی ہوتی ہے)، **جیسے جورج اَیبل نے Exploration میں بھی لکھا ہے کہ اِسے بعض اوقات صبحِ کاذب بھی کہتے ہیں** (احسن الفتاویٰ ج۲ ص ۱۷۸)

نتیجہ :۔ (۱) **مفتی رشید احمدلدھیانوی ؒ** نے خود کے مذکورہ چند راتوں کے اور اپنے استاذ حضرت مفتی محمّد شفیع صاحبؒ کی سرکردگی والے تین ہی راتوں کے مشاہدات کو احسن الفتاویٰ میں تفصیلاً کئی صفحات میں ذکر کیا ہے جس کا نچوڑ یہ ہے کہ ان چند مشاہدات کو تحریراً ’’کافی و مسلسل‘‘ ہونے سے مستند کیا،

(۲) نیز یہ بھی فرمایا کہ؛ صبحِ صادق اور صبحِ کاذب کے درمیان کوئی فصل نہیں ہوتا! یعنی مستطیل روشنی ختم ہوکر اندھیرہ ہوجانے کے بجائے یہی روشنی آہستہ آہستہ افق پر شمالاً جنوباً پھیلتی ہے، کوئی بھی شخص پرانے (۱۸ڈگری والے) نقشوں کے وقت پر مشاہدہ کرکے فیصلہ کرسکتا ہے کہ اس وقت روشنی افق پر شمالاً جنوباً پھیلی ہوئی نہیں ہوتی بلکہ افق سے اوپر ’’مستطیل‘‘ ہوتی ہے،

(۳) نیز اس سے قبل متصل کسی قسم کی روشنی ہرگز نظر نہ آئیگی جس کو صبحِ کاذب کہاجاسکے (۴) نیز آپ کے اور حضرت استاذ مفتی محمد شفیع صاحبؒ کی سرکردگی والے مشاہدات (کہ جس میں آپ بھی شریک تھے اِن کے) نتیجہ (دیکھوج) کے ساتھ ساتھ ’ماہرینِ فلکیاتِ قدیمہ وجدیدہ کا بھی اس پر اِجماع‘ ہے کـــہ

صبح کاذب کی روشنی سے قبل ’’متصلاً‘‘ **کسی قسم کی کوئی روشنی نہیں ہوتی**‘‘۔اھ (احسن الفتاویٰ ج۲ ص۱۹۲)

(۴) چوتھی مثال، برطانیہ کے سال بھر کے مسلسل مشاہدات:۔

چوتھی مثال ہمارے سال بھر کے مسلسل مشاہدات ہیں جن سے صاف طور پر اٹھارہ زیرِ اُفق پر صبحِ صادق کے اوقات کی نفی ثابت ہوئی ہے!، (مشاہدات کے فاصلے آخرِ کتاب دیکھیں)

مثلاً:۔ شفقِ احمر ۱۲ ڈگری کے وقت سے کم از کم دس منٹ اور شفقِ ابیض ۱۸ ڈگری کے وقت سے ۳۰ منٹ پہلے غروب ہوگئی !،(یاد رہے کہ ہم مغرب کی نماز کے فوری بعد مذکورہ فاصلوں سے کافی پہلے اور کبھی مغرب سے بھی پہلے جائے مشاہدہ پر پہونچتے رہے تاکہ آفتاب کے غروب کی جگہ ہمیشہ مدّنظر رہے اور صحیح سمت مشاہدہ وغروبِ آفتاب کے وقت کا بھی پتہ چلتا رہے اسی طرح صبح کوطلوع آفتاب کی جگہ کو بھی مدِنظر رکھا گیا)۔

خلاصہ ونتیجہ؛۔۔۔۔ (۱) مذکورہ چاروں مثالی مشاہدات سے معلوم ہوا کہ ان نمازوں کے اوقات کے لئے سورج اس وقت فلکیاتی حسابات کی درجات وڈگریوں کی حدبندی میں کتنے درجات زیرِ افق پر ہوگا اس کے متعلق مشاہدین وماہرینِ فلکیات کے درمیان زبردست اختلاف ہے البتہ ۱۸ زیرِ افق پر صبحِ صادق ہونے اور شفق کی انتہاء کا قول اور اس کی درجہ بندی کا البیرونی کے اپنے شہرۂ آفاق نام سے خود کے مشاہدات وتحقیق کے بجائے دوسروں کی تحقیق ومشاہدہ کو بیان کرنے میں معروف ومشہور ہونا معلوم ہوا حالانکہ کوئی اس کا قائل

نہیں اور جن کا نام لیا جا رہا ہے انہوں نے ماہرین کی مطلق عبارات کو اپنی سمجھ کے مطابق ڈھالتے ہوئے نقل کیا ہے! نیز مشاہدات کی مذکورہ تینوں اور ہمارے سال بھر کے تاریخی مسلسل مشاہدات کی چوتھی مثال سے یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ اختلاف ختم ہونے کے بجائے اس کی جگہ اب بھی باقی ہے۔

(۲) یہ بھی عجبِ زمانہ ہے کہ بعض خاص کر ایک صاحب نے تو تحریراً ''اپنے طور مشاہدات کی حد بندی کر کے غلط پروپیگنڈہ پر اپنی عاقبت خراب کر رہے ہیں مثلاً یہ کہ مشاہدات مسلسل لگاتار ہونے چاہیئے! جبکہ ہمارے مشاہدات تو بجائے چند ہی ایام کے، ومختلف ممالک کے بجائے نہ صرف سال بھر کے مسلسل بلکہ ایک ہی ملک ایک ہی جگہ میں بالترتیب ہر ماہ کی ہر رات میں ''محرّم ۱۴۰۸ھ تا محرم ۱۴۰۹ھ بمطابق ستمبر ۱۹۸۷ء تا اگست ۱۹۸۸ء تک کئے گئے جو نہ صرف فجرین کے! بلکہ شفقین بعد غروب آفتاب کے بھی کئے گئے!

اس طرح مذکورہ خصوصیات کا حقیقت ونتائج کا زیادہ حامل ہونا یقینی امر ہے مگر افسوس مفید تنقید کے بجائے ہمارے سال بھر کے شاہدات کی تنقیص کرنا اسے ناقص کا نفسیاتی مرض نہ کہا جائے تو اور کیا نام دیا جائے کہاں تمام خصوصیات کے باوجود پھر بھی یہ اب زعمِ خویش ''مسلسل'' نہیں!!!

وہ ہمارے سال بھر کے ان مشاہدات کو مسلسل کہنے سے نہ صرف **عار** محسوس

کرتے ہیں بلکہ سال بھر مشاہدات کئے جانے کے باوجود مشاہدین معرفتِ روشنی سے مانوس ہی نہیں ہوئے کہ وہ شفق وصبح کو پہچان سکیں! حتیٰ کہ بقولہ نعوذ باﷲ یہ مشاہدات تو ہم مشاہدین کے کی نظر کے دھوکے اور ذہنی خاکے ہیں!!! یاللعجب

(۳) اس بیمار ذہنیت کی مثال تو ایسی ہی ہے جیسے چمگادڑ کی آنکھوں کو دن کی روشنی رات معلوم ہوتی ہے! یہ نہ تو خود مشاہدہ کریں گے اور نہ ہی کسی کو مشاہدہ کرتے ہوئے برداشت کی ہمت ہے اسی لئے عرصہ تک ان کی طرف سے یہ سفید جھوٹ بھی کہا جاتا رہا کہ ''برطانیہ میں مشاہدہ ہونا ناممکن ہے!''، کہاوٹ کے مثل؛ اس طرح ''نہ رہے گا بانس اور نہ بجے گی بنسری''!

(۴) نیز بیمار ذہنیت اور نفسیاتی خول میں بندھ باندھتے ہوئے ''معیار کی حدِ اعتدال'' سے تجاوز کرنے میں خود کے مدلول کی دلیل کی خصوصیات کو بھی ملحوظ نہ رکھا کہ ان کی خصوصیت مقابلۃً کس حیثیت کی حامل ہے؟ اور یکطرفہ ایسی بکواس کر گئے! اسے تجاہلِ عارفانہ کے سواء اور کیا کہا جائے بلکہ اس سے تو یہی ثابت ہوتا ہے کہ یہ اپنے مقصود و مدلول کے لئے انہیں صرف دلیلاً استعمال کرنے کے اور سروکار ہی نہیں جیسے کہ ان کی ساری بحث بھی بجائے مشاہدات کو ''دینی مبنیٰ'' بتلانے کے فلکیاتی حسابات کی گردان ہی کو موضوعِ بناء بنایا ہے!

واقعہ تو یہ ہے کہ یا تو برطانیہ کے ہمارے سال بھر کے یہ تاریخی و مسلسل

مشاہدات یقیناً ''مسلسل'' ہیں اوراس کے مشاہدین سال بھر کے'' لمبے عرصہ میں عین الیقین'' کے مدِّنظر تو یقیناً ''ان علامات سے قطعی مانوس اوراس کے عارف ہوئے''! البتہ اس قسم کی بیمار ذہنیت یہ نہ بھولیں کہ اسطرح ان کے اِن بندھوں کی کسوٹی پر نہ صرف ہمارے ہی سال بھر کے مسلسل مشاہدات ! بلکہ ''مفتی شفیع صاحبؒ کے تین، پروفیسر عبداللطیف صاحب والے نَو (یاسات) مشاہدات کے علاوہ مفتی رشید احمد لُدھیانویؒ کے دسمبر وجنوری کی (تین راتوں ہی کے) مشاہدات کے ساتھ ساتھ لفظِ ''مشاہدہ'' اس کی حقیقت ومعنیٰ کے اعتبار سے کُلّیۃً تا قیامت ''حکم'' کے لحاظ سے ایک غیر اصطلاحی ومہمل لفظ ہی ٹھہرے گا!۔

جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ در پردہ ان کی طرف سے یہ اس بات کی یاد دہانی ہے کہ ''مشاہدات کو بھول جاؤ کہ یہ گئی گذری کہانی ہے اب تو ڈگریوں کا زمانہ ہے اور مشاہدات کے الفاظ کو اسلام کے نام پر تحریر میں لانا صرف دِکھاوے اور ڈگریوں کے لئے اسلامی حوالہ کا استعمال صرف ان کی ڈھال کے طور پر ہی استعمال کیا جانا چاہیئے ! یہ ہے اس ذہنیت کا خلاصہ جس پر ان کا عملی شیوہ کا نتیجہ بھی کسی پر مخفی نہیں کہ آج تک ایک بھی مشاہدہ قرطاسِ ابیض کی نظر نہ ہوسکا!!! لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم

بعض کا تجاہلِ عارفانہ ! سال بھر کے ہمارے مسلسل مشاہدات کے قطعی نتیجہ خیز ہونے کی

خصوصیات کے حامل ہونے کے ضمن میں ذیل کے حوالہ جات ملاحظہ فرمائیں:۔

(الف) مجدّدِ زمانہ حضرت شاہ اشرف علی تھانویؒ ہر ماہ'' صرف ایک یا دومرتبہ ہی (مسلسل) مشاہدہ کر لینے کو معتمد قرار دیا ہے (امداد الفتاویٰ ج ا ص ۹۸) اوراسطرح کا بیان بوادر النوادر میں بھی موجود ہے جو پیچھے گذرا جس سے کوئی بھی سر پھرا نعوذ باللہ یہ نہیں کہتا کہ **حکیم الامّتؒ نے بھی دھوکہ کھایا اور مسلسل کے بجائے مہینہ میں صرف ایک یا دودن کے مشاہدہ کی نوٹ پر تقویم کو غلط طور پر مفید اور کار آمد جنتری قرار دیا!!!**

(ب) بتحفظات اگر نو، تین اور چند دنوں کے مشاہدات کو مسلسل مان لیا جائے تو پھر بقول حکیم الامتؒ مہینہ میں ایک دو دن کے اور ہمارے سال بھر کے مشاہدات مسلسل کیوں نہیں ؟ کیا ان صاحب کے حساب میں سال بھر کا عرصہ، تین دو اور ایک دن سے کم مقدار کا نام ہے؟ جو مسلسل کی پیمائش میں نہیں آتا!

(ج) یا پھر مشاہدین کیا غیر عالم تھے؟ ! حالانکہ ایسا بھی نہیں تھا! جبکہ مشاہدہ کے لئے کسی کا مولوی یا علاّمہ ہونا بھی ضروری نہیں بلکہ ایک دیہاتی، جاہل، گنوار، جنگلی کا مشاہدہ بھی قابلِ قبول اور یہ فطرتی مذہب دینِ اسلام کا فیصلہ اور صاحبِ شرع ﷺ کی قولی وعملی سند کا حامل ! ٹھیک ہے فقہاء نے کسی کے مشاہدہ کو دوسروں کے حق میں قبول کرنے میں احتیاطی پہلو اختیا کئے ہیں مگر صاحبِ مشاہدہ کے حق

میں یہ بالکل قطعی امر ہے

پروفیسر عبداللطیف سلمہ کہ جن کی کتاب کی بہت سی خاص باتوں کو اپنی تحریر میں قارئین سے مخفی رکھنے کے باوجود صاحبِ تنقیص نے اسے اپنی تحریر کا مبنیٰ قرار دیا ہے اان میں سے موصوف کا یہ مولویانہ مقولہ بھی شامل ہے جس میں آپ ماشاء اللہ مولویانہ زبان میں فرماتے ہیں:''مشاہدہ کے لئے کسی کا عالم فاضل ہونا بھی ضروری نہیں'' (صبح صادق وصبح کاذب ص۱۳۲) اھ۔

(د) پھر دین پر کسی کی اجارہ داری بھی تو نہیں کہ اس کے احکامات یہود ونصاریٰ کے پادریوں کے طریقہ کے مطابق شخصی اجارہ داری کے ماتحت ہو!

دین میں شخصیات کی تقدیس پر اجارہ پرستی کی گنجائش نہیں جس کی سب سے بڑی سند صاحبِ شرع ﷺ کی خود کی ذات ہیں جیسے کہ آپ ﷺ نے صحابہ وامت کو صرف **وحی متلو** کے احکام ہی میں اپنی تابعداری کا حکم فرمایا اور دنیوی امور میں اپنے قول پر پابندی ضروری قرار نہ دیکر اس سے منع فرمادیا! اگر شخصی اجارہ داری کا جواز ہوتا تو اشرف المخلوقات سید المرسلین ﷺ کی ذات اقدس اس کی حقدار تھی مگر آپ ﷺ نے امت کو اللہ اور اس کے دین کے سواء اپنی یا کسی کی بھی اجارہ داری کا انکار فرمادیا۔ (دیکھو ص۱۹ پر سائنس اور اسلام نامی عنوان)!

نیز جب صدیقِ اکبرؓ جب خلیفہ ہوتے ہیں تو آپ نے فرمادیا تھا کہ''دین

سے میں ہٹوں تو مجھے اس سے روک دو''یعنی شخصیتی تقدیس سے غیر شرعی باتوں میں میری اتباع نہ کرو بلکہ مجھے اس کرنے سے روک دو!

(ھ) برسوں تک اہلِ برطانیہ کو یہی ذہن نشین کیا گیا کہ'' برطانیہ میں مشاہدات ناممکن ہیں!'' اور اسی مفروضے پر فیصلے بھی کئے جاتے رہے اور مشاہدات جو نصوصِ قطعیہ سے ثابت ہیں بجائے اس کے اس کے لئے محنت وکوشش کی جاتی اسے کسی نہ کسی طرح سے سردخانہ میں ڈھکیلا جاتا رہا اور درجات وڈگریوں ہی کو دینی مبنیٰ ظاہر عملاً ظاہر کیا گیا!

تا آنکہ بالآخر ہمارے سال بھر کے مسلسل بالترتیب فجرین وشفقین کے مشاہدات ہوئے تو الزام تراشی کی گئی کہ یہ تو مشاہدین کے ذہنی تحفظات ہیں جنہیں مشاہدات کا نام دیدیا گیا ہے! اناللہ وانا الیہ راجعون

اس کے علاوہ صاحبِ تنقیص کی طرف سے اپنی تنقیصی تحریر کے ص ۲۰۸ میں یہ دعویٰ بھی کیا گیا کہ'' (حزب العلماء یوکے کے مشاہدات) سے پہلے بھی برطانیہ میں کئی افراد نے متعدد مرتبہ صبح وشفق کا مشاہدہ کیا''!

مگر افسوس کہ اس دعوے کے مطابق ہمارے مشاہدات کے شروع کئے جانے کی تاریخ محرم ۱۴۰۸ھ مطابق ستمبر ۱۹۸۷ء سے پہلے کے ایسے مشاہدات کو (جیسے کہ دعویٰ کیا گیا) اس تحریر کے کسی کونہ میں بھی دلیلاً پیش نہ کیا !!!

چونکہ دعویٰ کے لئے اولٹی سیدھی دلیل سے قارئین کی آنکھوں میں دھول جھونکنی تھی بس یکم اپریل ۱۹۸۸ء والی تاریخ کو اپنے اس دعوے کی دلیل میں مشاہدۃً پیش کیا حالانکہ دعویٰ تو حزب العلماء یوکے کے مشاہدات سے عرصہ پہلے کئے جانے والے مشاہدات کا کیا تھا جبکہ حزب العلماء یوکے کے مشاہدات ''ستمبر ۱۹۷۸ء میں شروع ہو کر سات ماہ کے مشاہدے بھی ہو چکے تھے اور اس یکم اپریل سے صرف ایک دن بعد'' ۲، اپریل ۱۹۸۸ء بروز ہفتہ برطانوی علماء کے اجلاسِ عام کا اعلان بھی ڈیڑھ ماہ قبل ہو چکا تھا!

اسی پر بس نہیں کیا گیا بلکہ یہ صاحب حزب العلماء یوکے کے ان تاریخی مشاہدات سے آگ بگولہ ہو گئے اور اپنی تنقیصی تحریر میں خود کے مضمونِ ۱۹۸۵ء کا حوالہ دیتے ہوئے وہ الفاظ لکھے جو ہرگز عالمِ دین ہونے کے ناطے کسی کے بھی شایانِ شان نہیں! کیونکہ یہ الفاظ نہ صرف شخصی اجارہ دارانہ سوچ کے حامل ہیں بلکہ جس وقت مشاہدات کا فیصلہ کیا گیا اس سے عرصہ پہلے سے یہ صاحب حزب العلماء یوکے سے خود ہی لاتعلق بھی ہو چکے تھے!

نوٹ:۔ اوپر جس مضمون کا حوالہ ہے وہ حزب العلماء یوکے کی مجلسِ عاملہ کا وہ ناکام فیصلہ ہے جو ۲ رجب ۱۴۰۵ھ (۲۴ مارچ ۱۹۸۵ء) بروز اتوار ڈیوزبری میں ہوا تھا جس میں کہا گیا تھا کہ اس مضمون کو شائع کرنے سے پہلے مفتیانِ کرام کو بھیج کر رائے معلوم کی جائے اس کے بعد ہی آگے کا فیصلہ کیا جائے گا!)

بہرحال مذکورہ وہ الفاظ بھی ملاحظہ فرمالیں، یہ لکھتے ہیں:۔ "اس وقت حزب العلماء نے نہ تو اوقات نماز کا مشاہدہ کیا تھا'' اور **نہ اس کے قیام کے مقاصد میں یہ بات داخل تھی** ''(ص ۲۷۷) اھ، نوٹ: اس عبارت میں ''اس وقت'' کا مطلب ''۱۹۸۵ء'' ہے جب حزب العلماء یوکے کی بنیاد رکھی گئی)۔

تعجب ہے کہ حزب العلماء یوکے کی آئین سازی کی ان کی اپنی شمولیت کے باوجود انہیں یاد نہ رہا یا تجاہلِ عارفانہ کا لاحقہ ہوا ہو جو بھی ہو! حقیقت یہ ہے کہ حزب العلماء یوکے کی بنیاد اور اس کے مقاصد کے حوالہ سے آئین میں یہ بات اس کے اول روز سے ہی موجود ہے کہ ''مسلمانوں میں صحیح دین رائج کیا جائے''، کیا ان کے نزدیک مشاہدات و اوقاتِ نماز کا تعلق دین سے نہیں؟! جس پر یہ لکھنے کی جرئت کی گئی کہ ''**حزب العلماء یوکے کے قیام کے مقاصد میں یہ بات داخل نہیں تھی**'' (یعنی اوقاتِ نماز کے مشاہدات کرنا اس کے قیام کے مقاصد میں شامل نہ تھا)!،

کسی بھی تنظیم کے اسلامی و دینی ہونے کے ناطے بالکل ہی ناقابل عمل ہوتی ہے کہ دینی مسائل کے حوالہ سے کوئی اقدام نہ اوٹھایا جائے اگر آئین میں ایسی شق نہ ہو! بلکہ اس کے برعکس اگر آئین میں مخالفانہ قسم کی کوئی شق شامل بھی ہو تب بھی وہ ناقابلِ عمل ہوگی! کیونکہ آخر کسی تنظیم کا ''مخصوص اسلامی مسائل کا حامل

ہونا'' ہی اسلامی احکامات اوران کی صحت کی ضمانت ہوتی ہے! یہی وجہ ہے کہ اس تناظر میں کسی عالمِ دین کے قلم سے ایسے کلمات اس لقب سے ہرگز مطابقت نہیں رکھتے! کیونکہ اس کا حامل اپنی ذات میں بظاہر دین کا ضامن ہوتا ہے مگر یہاں اس کی تردید وہ خود ہی کئے جارہے ہیں!!!

قارئین خود ہی ایسے دعووں وباتوں پر فیصلہ کریں کہ انہیں کیا سمجھا جائے؟ ان باتوں سے یہ اندازہ کرنا مشکل نہیں کہ ان کی دلچسپی کا محور صرف زیرِ افق کے درجات ہی ہیں جو''نہ تو مشاہدہ کی طرح نصاً قطعی ہے اور نہ ہی شرعاً معتمد! جیسے کہ یہ کتاب اسی حوالہ سے فتاویٰ ودیگر شرعی تفصیلات سے بھری ہے، انہیں اوقاتِ نماز ومشاہدات (جو نصاً قطعیات میں سے ہیں ان) سے کوئی دلچسپی نہیں!،

کیونکہ کوئی بھی دینی تنظیم ان کے زعم میں صحیح دین اور صحیح اوقات کے لئے اس وقت تک اپنا فریضہ اداء نہیں کرسکتی جب تک اس کے آئین میں یہ بات نہ ہو! پھر تو ایسی سوچ والا بلا آئین کنتم خیر امة کی ضمانت کیسے دے سکتا ہے جو اس ایمانی تقاضہ کو پورا کرنے کے لئے بھی بلا آئینی شرط ایک قدم بھی آگے نہ بڑھا سکے اگرچہ عوام کو وعظ میں باربار ہم اسے سناتے بھی ہیں؟!! فالی اللہ المشتکیٰ

بہرحال مذکورہ پچھلی الزام تراشیوں کے بعد''برطانیہ میں ناممکن'' کے مشاہدات ہونے کو بالآخر تسلیم کرلینے کے باوجود سال بھر تک کے مشاہدات

کرنیوالے اوقاتِ نماز کی روشنیوں کی معرفت سے پھر بھی نامانوس ہی رہے!!!

اس کے علاوہ جھوٹ کو صحیح ثابت کرنے کے لئے سلف وخلف کے اقوال میں خلطِ مبحث، الفاظ اور معانی کی ہیرا پھیری اور حوالہ جات کی عبارات کی غلط تشریحات کے فن میں کمالیت اس پر مزید! اللّٰھم اھد

بات طرفین میں (یعنی صبح وشام کی شفقین ابیضین میں) اختلافِ درجات وعدمِ مساوات اوران کے لئے ماہرین کے اختلافات خصوصاً البیرونی کے قول کو دلیل بنانے نہ بنانیکی بحث جاری ہے، دراصل تمام تر تجربات اور ماہرین میں اختلافات ہونے کے باوجود مستشرقین نے خصوصاً حکومتوں کی بالادستی وسرپرستی میں اپنے نظریہ وپسند اور اپنے طریقہ واردات کے مطابق کسی ایک فرد یا قول کو ماڈل نمونہ کے طور پر آگے لاکر''نام نہاد یقینی تھیوری'' کے نام پر اُسے تجربات کا محور بنالیا ہے ایسے ماڈلوں کے بالمقابل مظلوم علماء کی بے شمار مثالیں ہمارے سامنے ہیں، خصوصاً علمائے ربّانی جو دین کے علم کے حقیقی علمبردار ہیں اِن سے حکومتوں کو تاریخی عداوت ہے اب یہ کرپٹ میڈیا کے ذریعہ اُنہیں ہی آگے اور ماڈل بناکر لاتے ہیں جو ان کی راگنی گائے!

ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہیئے کہ تھیوریاں بدلتی رہی ہیں اور پہلے کی طرح آئندہ کبھی نہ بدلیں گی اس کی کوئی گارنٹی بھی نہیں ایسے مفروضہ پر (جسے فقہاء نے بھی''

تقریبی اوقات'' سے موسوم کیا ہے نہ کہ ''قطعی اوقات'' سے) بھلا ہماری نمازوں کے ہونے نہ ہونے سے کیا واسطہ؟!

دراصل تھیوریوں پر مبنی ڈگریاں حقیقی وقطعی ہونے کے بجائے اٹکل حساب ہیں جس کے کئی واضح دلائل ہیں مثلاً طرفین میں مساوات کے بجائے مفارقت واختلاف ہے نیز شفق کے لئے ۱۷ درجات وصبح کے لئے ۱۸ درجات یا مزید براں آفتاب کا زیرِ افق ہونے کے اقوال گذشتہ صفحات میں ماہرین کے احوال کے ضمن میں قارئین کے سامنے آ چکیں لہٰذا بدیہی طور پر ظاہر ہو چکا کہ اُن میں کتنا اتفاق ہے اور شرعاً ان کی شہادت وگواہی کی کیا حیثیت ہے؟

قارئین کے سامنے اب تک فلکیاتی مفروضہ حسابات کے مفروضہ وتھیوری ہونے اور مشاہدات کے قطعی ویقینی ہونے پر تفصیلاً بحث شفق کی ابتداء وانتہاء کے حوالہ سے آ چکی ،ان حسابات کے مفروضہ وتھیوری ہونے پر ذیل میں مزید عنوانات ملاحظہ فرمائیں:۔

دنیا کا نقشہ، ٹائم زون، مشرق ومغرب کے حدود ماہ وسال کی گنتی، نظامِ قدرت اور اسلام!

پھر یہ بھی دیکھیں کہ مخصوص تھیوری کے ماتحت دنیا کے اوقات کی تعیین اور اس

کا مفروضہ مرکز'' گرِین وِچ اور شمالی امریکہ کے انتہائی مغرب وروس کی انتہائی مشرقی حدود کے درمیان سے گزرنے والا عالمی تاریخ کا خطِ فاصل،عرض البلد کے مفروضہ صِفر درجہَ کے خطوط، خط اِستواء،عرض البلد،طول البلد،قطبین اور سورج کی مشرقی ومغربی انتہاؤں کا تعیّن وغیرہ یہ سب کیا آسمانی وحی ہیں؟!!!

دنیا کی کوئی جگہ ایسی نہیں جس کے ان گنت مشارق ومغارب جنوب وشمال نہ ہوں! قرآن بھی ہمیں یہ دعویٰ کرتے ہوئے اپنی قدرتِ کاملہ وربوبیت کی نشاندہی کرتا ہے رب المشارق والمغارب انالقٰدرون (س ۷۰، آیت ۴۰)

باوجود اس کے کیا یہ حقیقت نہیں کہ ہم نے اپنے مشرق ومغرب شمال جنوب کی حدیں معین کر کے اپنے تئیں سہولت اختیار نہیں کی؟ اسی طرح ہم نے اپنے اجلاس میں آسانی وجگہوں کی معلومات کے لئے ان کے ''عرض البلد اور طول البلد حساب'' ترتیب نہیں دئے؟ تاکہ وقت اور مخصوص جگہ کا تعیّن ہو اور اِتحادِ اقوام کے فلسفہ پر دنیا کا متفقہ کاروبار چل سکے؟!

یقیناً یہ سب ہمارے ہی معیّن کردہ مرضیاتی مفروضہ حسابات وتھیوریاں ہیں جس کی وجہ سے ان خطوط کی تبدیلی، عالمی وقت وتاریخ کے خطوط وغیرہ بدلنے اور دوسرا مرکز ماننے پر بھی اِن حسابات سے ان کے نتائج میں اللہ کے معیّن کردہ حسابات وقدرتی مناظر وحقائق اور ہر جگہ کے موسم وہاں چاند سورج کی گردش ذرّہ

بھر نہ بدلیں گے سوائے ہمارے مذکورہ مفروض کردہ عرض وطولِ بلد کے حسابی ہندسے ودیگر حدود ہی تو بدلیں گے! نتیجہ یہ ہے کہ ہمارا حساب، حساب کی حد تک تو ٹھیک مگر اُس سے مشاہدہ وعین الیقین کو تو ہرگز رد نہیں کیا جاسکتا؟!

ہاں یہ الگ بات ہے کہ حسابی صغریٰ کبریٰ جوڑ کر سورج کو مغرب سے طلوع کرنا تو ممکن ہے مگر حقیقت میں تو وہ اس طرح ہرگز طلوع نہیں ہوسکتا سوائے قُربِ قیامت، کہ سورج وکائنات کے مالک کے حکم ہی سے کہ اسی نے ان کی گردش ووقت معیّن کیا تھا کسی دن غروب آفتاب کے فوراً بعد وہیں (مغرب) سے طلوع ہوجائے گا! اسی لئے حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے فرعون پر حُجّت قائم فرمائی تھی کہ تو کسی کو قتل کردیتا ہے اور کسی کو قید سے آزاد کردیتا ہے تو تیری یہ اداء حقیقت میں اللہ کی صفت ''محی وممیت'' کی طرح نہیں اگر تجھے اپنی خدا ہونے کا دعویٰ ہے تو ''پھر اللہ جو مشرق سے سورج کو طلوع کرتا ہے تو بجائے اس کے مغرب سے طلوع کر دِکھا! تو یہ کافر مبہوت ہوکر لاجواب ہوگیا! اللہ کا فرمان ہے قال ابراھیم فان اللّٰہ یاتی بالشمش من المشرق فات بھا من المغرب فات بھا من المغرب فبھت الّذی کفر (البقرہ ۲۵۸)،

بہرحال اللہ تعالیٰ نے اپنے جن حسابات پر کائنات کو تخلیق کیا ہے اور جن کا ذکر قرآن میں بارہا خصوصاً سورہ یٰس میں الشمس والقمر بحسبان

،الشمس تجری لمستقر لھاذٰلک تقدیر العزیز العلیم والقمر قدرناہ منازل حتیٰ عاد کالعرجون القدیم لاالشمس ینبغی لھا ان تدرک القمر ولاالیل سابق النھار وکل فی فلک یسبحون میں بیان کئے گئے ہیں جنہیں انسان نہیں پاسکتا اگر وہ دینا ضروری ہوتا تو یقیناً اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے حبیب ﷺ کو ضرور بتلا دیتا اور زبانِ وحی سے وہ آپ ﷺ سے یہ نہ کہلواتا کہ نحن امۃ امیۃ، بہرحال حسابی تھیوریاں یہ سارے مفروضے ہیں جس کی بناء پر اس حساب کو دوسری جگہ چسپاں کیا جائے تو وہاں بھی وہی نتیجہ آئے گا جس کے لئے ہم نے یہ مفروضہ طے کیا ہے کیونکہ ہم نے ہی اس کے بنیادی حساب کو طے کیا ہے۔ **مفتی محمد شفیع** صاحبؒ فرماتے ہیں:۔

((**فتوٰی** ۔۲۱)) نماز کے اوقات کی پہچان، سمتِ قبلہ کا تعیّن کرنا، مہینوں اور سالوں اور تاریخوں کا ادراک کرنا ان سب چیزوں کا علم ریاضی کے حسابات کے ذریعہ بھی حاصل کیا جاسکتا ہے مگر شریعتِ اسلام نے ان میں سے کسی چیز کا مدار ریاضی کی فنی تحقیقات پر رکھنے کے بجائے عام مشاہدات پر رکھا ہے (معارف القرآن ج۷ ص۲۸۹/۲۹۰)۔

آپ نے اللہ کے وجود پر، چاند پر پہونچنے والے خلاء نورد جون گیلن کے بیان کو نقل کیا ہے جس میں اس نے خلاء کے حالات کے نظارہ میں اللہ کی قدرتِ

کاملہ سے متاثّر ہوکر بڑی قابلِ غور سچی ویقینی بات کہی کہ ''خلاء میں پہلے ہی سے جو عمل جاری ہے اس کو دیکھتے ہوئے (انسانی خلائی وسائنسی) جاری کوششیں انتہائی حقیر ہیں، **سائنسی اصطلاحات وپیمانوں میں خلائی پیمائش ناممکن ھے!** (معارف القرآن ج۶ ص ۴۸۷/۴۹۰) اھ،

کیا اس کے بعد بھی مفروضہ حسابات کو مشاہدات وگواہیوں پر قطعی ویقینی ہونے کا وہم وگمان برقرار رکھا جائے یا نبی کریم ﷺ کے فرامین ونصوص پر ایمانِ کامل کے تقاضہ پر عمل پَیرا ہوں؟!

((**فتویٰ۔۲۲**)) ایک اور جگہ مفتی شفیع صاحبؒ فرماتے ہیں:۔ **حساب بہ حیثیت حساب قطعی ہو کہ دو اور دو چار ہی ہو سکتے ھیں تین یا پانچ نہیں ہو سکتے۔** لیکن ان دو کا، دو ہونا یہ ہماری نظر اور اور اندازے کا تخمینہ ہی کا حکم ہوسکتا ہے کتنے ہی باریک سے باریک پیمانوں سے تولا اور پرکھا جائے یہ احتمال ختم کرنا ہماری قدرت میں نہیں کہ ہم نے جس کو دو سمجھا ہے وہ دو سے کسی قدر کم یا زیادہ ہو! خواہ یہ کمی زیادتی ایک بال کے ہزارویں حصّہ کے برابر ہو مگر جب زمین سے سیّاروں تک اسکے زاوئے ملائے جائیں گے تو میلوں کا فرق ہوجائیگا اھ۔

مذکورہ بحث اس بات کے غلط ہونے پر جاری ہوئی تھی کہ فلکی مفروضہ حساب

کے حوالہ سے ایک صاحب نے تحریری دعویٰ کیا کہ ''ہند و برطانیہ میں شفقِ احمر کے غروب کا وقفہ درجات وڈگریوں کے مفروضہ حساب کے مطابقسال بھر میں کبھی بھی ایک گھنٹہ پر نہ ہوگا بلکہ اِس سے زیادہ وقفہ پر ہی ہوگا''۔ ذیل میں اس مقولہ کے غلط ہونے پر ہمارے بزرگانِ دین وماہرینِ فن، فلکیات وفقہ کے چند مزید اقوال بھی ملاحظہ فرمائیں ؛

فلکیاتی حساب اور شفقِ احمر کے غروب کا وقفہ؛

((**فتویٰ۔۲۳**)) حضرت مفتی رشید احمد لُدھیانویؒ فرماتے ہیں؛ (۱) احکامِ شرعیہ کا مدار حسابات ریاضیہ پر نہیں بلکہ مشاہدہ پر ہے ۔اھ (احسن الفتاویٰ ج۲ ص ۱۳۸)، نیز آپؒ کے بقول برطانیہ میں سال بھر شفقِ احمر کا غروب واقع ہے جیسے آپؒ فرماتے ہیں ''شفقِ احمر نوٹیکل ٹوَیلائٹ ۱۲ درجات زیرِ اُفق غروب ہوتی ہے تو ان تینوں نمازوں (مغرب، عشاء اور فجر) کے اوقات بھی موجود ہیں ہر نماز اپنے وقت میں اداء کی جائے گی'' اھ (ایضاً ج۲ ص ۱۲۴)۔

قارئین اس بات سے واقف ہی ہیں کہ برطانیہ میں شفقِ احمر کا غروب سال بھر ہوتا ہے جو ہمارے سال بھر کے مسلسل مشاہدات سے بھی مجرّب وثابت ہے''

(۲) بقول آپؒ بعد غروبِ آفتاب شفقِ احمر ۱۲ درجہَ زیرِ افق پر غائب ہو جاتی ہے اور برطانیہ کے عروض البلاد میں سورج ہر جگہ بارہ زیر افق جاتا ہے (۳) حضرت مولانا موسیٰ بازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: شفقِ احمر غروبِ آفتاب سے ایک گھنٹہ

کے اندر غائب ہوجاتی ہے (فلکیاتِ جدیدہ ص ۳۲۷)

مذکرہ احوال سے معلوم ہوا کہ مشاہدہ سے ثابت ہونے کی طرح فلکیاتی حساب کے عام قاعدہ کے مطابق بھی شفقِ احمر کا غروب متیقّن ہے اور مذکورہ فلکیاتی حساب کی طرح ہندو برطانیہ کے مشاہدات سے بھی ثابت ہوا ہے کہ یہ ایک گھنٹہ سے کم وقت میں بھی غائب ہوتی ہے

بحث کا خلاصہ ونتیجہ:۔ حضرت مفتی محمّد شفیع صاحبؒ و مفتی رشید احمد لُدھیانویؒ اور پروفیسر صاحب کے علاوہ ہمارے مشاہدات کو جس تمثیل کے لئے ہم نے بیان کیا وہ اس بات کو ثابت کرنے کے لئے تھا تا کہ معلوم ہو کہ ''مشاہدہ کے مسلسل ہونے کی حد کیا ہے اور کتنے مشاہدے کافی ہیں؟'' نیز یہ بھی پتہ چلے کہ نہ صرف پچھلے ماہرینِ فلکیات میں بلکہ آج تک ''مشاہدات اور ڈگریوں کے اوقات میں مساوات کے بجائے مخالفت ہی پائی گئی ہے'' جیسے کہ پروفیسر صاحب کے اِن مشاہدات سے پندرہ درجات زیرِ اُفق کا خلاف ثابت ہوا جس پر مفتی شفیع صاحبؒ، مفتی رشید احمد لدھیانویؒ، مفتی ولی حسن ٹونکی مفتی رفیع عثمانی، مفتی تقی عثمانی وغیرہم کے مشاہدات دال تھے۔

فائدہ ونتیجہ: (۱) ماہرینِ فلکیات، نیز ہمارے اکابرین یا ان کے علاوہ آج تک مشاہدین کے مشاہدات کا ڈگریوں پر منطبق نہ ہونا واقعۃً ایک حقیقتِ

ثابتہ ہے اور پوری بحث سے ثابت ہوا کہ صحیح یہی ہے کہ مفتی ظفر احمد تھانویؒ کے فتوے میں (جس کا بیان بہت پہلے گذر چکا) جس میں غروبِ آفتاب سے ایک گھنٹہ کے وقفہ پر شفقِ احمر کے غروب ہونے کا ذکر ہے وہ برِّصغیرِ پاک و ہند کے مشاہدہ کے مطابق ہے نہ کہ رصدگاہ کے مفروضہ حساب کے مطابق ! لہٰذا آپؒ کا جواب حقیقت پر مبنی تھا،

جب یہ بات ہے تو جس نام نہاد غلطی کی نشاندہی فلکیاتی ڈگریوں کے حوالہ سے ایک صاحب کی طرف سے کی گئی اس کا کوئی اعتبار نہیں !'' جیسے کہ کہا گیا کہ فلکیات کے حساب سے نہ تو ہند میں اور نہ ہی برطانیہ میں سال بھر میں کسی بھی دن ایک گھنٹہ کے وقفہ پر شفقِ احمر کا غروب نہیں ہوتا''!

(۲) اب رہی یہ بات کہ پھر برسوں تک شفقِ احمر کے غروب کے مطابق اداء کی گئیں نمازوں کا کیا بنا! ان کی قضاء کے لئے بھی تو قلم چلنی چاہیئے تھی ! (اگر چہ یہ بات غیر ضروری ہی سہی کہ شرعاً ایسی کوئی ضرورت نہیں)

(۳) پھر ٹھیک ہے کہ فلکیات کے حساب کے مطابق ''ایک گھنٹہ اور کم وبیش وقت میں شفقِ احمر کا غروب نہ ثابت ہو! مگر یہ ہماری آنکھیں تو یقیناً اس کے ثبوت پر شاہد و دخیل ہیں جو دینِ اسلام ونصوصِ قطعیّہ کا مطمحِ نظر واصول ہے اور عینی مشاہدہ کی رو سے تو یہ ایک گھنٹہ کے وقفہ پر نہ صرف ہند میں بلکہ ہمارے سال بھر

کے مشاہدات کے مطابق یہاں برطانیہ میں تو نہ صرف ایک گھنٹہ بلکہ اس سے بھی کم وقفہ میں بارہا اس کا غائب ہونا مجرّب و مشہود ہے!

(۴) نیز یہ بھی ثابت ہوا کہ نہ صرف مفتی محمد فرید صاحب زید مجدہٗ بلکہ مذکورہ علمائے کبار اور ہمارے و پروفیسر سلمہ کے مشاہدات نیز مفتی ظفر احمد تھانویؒ کے اس جواب سے اور اس کے ساتھ ہی حکیم الاُمتؒ نے منجم سائل کے مشاہدہ پر شفق ابیض کے اختتام کے حوالہ سے ۱۸ ڈگری کے بجائے ۱۵ زیرِ افق پر اس کے غائب ہونے کا فرمایا ان تمام سے ہند کے مشاہدے اور رصدگاہی حساب میں عدمِ مطابقت کی طرف ہی رہنمائی ہے اس طرح آپؒ کا جواب غلط نہیں تھا کہ اس سے چھ دہائیوں کی نمازوں پر شک ہو! بلکہ یہ اپنی جگہ بالکل صحیح جواب تھا

(۵) ہمارے سال بھر کے مشاہدات ہونے تک برسوں پر محیط ایک گھنٹہ کے وقفہ کی تعیین پر اداء کی گئی عشاء کی نمازیں بالکل صحیح واداء ہوئیں جن کی قضاء کی ضرورت ہی نہیں البتہ اب جب برطانیہ میں سال بھر کے مشاہدات سے ثابت ہو چکا کہ شفقِ احمر پورا سال ایک ہی گھنٹہ پر غائب نہیں ہوتی بلکہ سال کے ہر دن میں وہ ایک گھنٹہ سے کم سے لیکر ایک گھنٹہ سے بھی زیادہ کی کمی بیشی کے ساتھ غائب ہوتی رہتی ہے اس لئے اب بھی مفتی ظفر احمد تھانویؒ کے مذکورہ فتوے کے مطابق غروب آفتاب کے بعد ایک گھنٹہ کا وقفہ معیّن کر کے سال بھر یا کسی بھی

موسم میں چند دنوں کے لئے بھی عشاء پڑھنا جائز نہیں اور یہ اداء نہ ہوں گی بلکہ ان کی قضاء واجب ہوں گی اور قضاء نہ کرنے پر سخت گناہ لازم ہوگا جیسے کہ مذکورہ فتوے کے اب مشاہدات کے بعد کارگر نہ ہونے اور بے وقت نماز کے نہ ہونے کے ضمن میں فتاویٰ اس کتاب میں موجود ہیں۔ اللّٰھم اھد

یاد رہے کہ مذکورہ بحثیں صفحہ ۱۱۳ سے یہاں تک حضرت مفتی محمد فرید صاحب حفظہ اللہ کے فتویٰ کے بعد سے ''شفق کا غروب ایک گھنٹہ پر ہند اور برطانیہ میں قطعی نہ ہونے کی دہائی کے حقیقت پر مبنی نہ ہونے'' کے ضمن میں شروع ہوئی تھیں جو یہاں آ کر پوری ہو چکیں۔

اب فتاویٰ کا سلسلہ دوبارہ شروع کیا جاتا ہے، بقیّہ فتاویٰ ملاحظہ فرمائیں؛

﴿ہمارے سوال کے جوابات کے بقیّہ فتاویٰ بشمول دیگر فتاویٰ﴾

﴿**فتوی۔۲۴**﴾ مفتی عبید اللہ صاحب زید مجدہٗ جامعہ عربیہ ہتھوڑا باندہ یوپی ہند، آپ نے فرمایا: جب کسی ملک میں یہ اوقات پائے جاتے ہوں اور ان کا اعتبار (مشاہدہ سے) ممکن ہو تو خود ان اوقات کا اعتبار اور انہی پر مدار ہوگا اور جب مشاہدہ ممکن ہے تو مشاہدہ ہی اصل ہوگا شریعت کے نظام و مزاج کی رعایت کی بناء پر مشاہدہ ہی کو ترجیح ہوگی، نیز جو مواد تیسیر و تسہیل کے متعلق ہے حق و مسلّم ہے مگر اس کا یہ

مطلب ہرگز نہیں کہ منصوصات وقطعیّات سے صرفِ نظر کرلیا جائے، جس انداز کا حرج (وقت کا دیر سے ہونا اور اس سے کام پر جانے میں حرج اور صحّت کا بگاڑ وغیرہ جو سوال میں) ذکر کیا گیا (اسکا حال یہ ہے کہ یہ) آجکل عام مشاہدہ ہے کہ لمبی رات والے علاقوں میں لوگ از خود اسباب اختیار کر کے اس کو پیدا کرتے ہیں اور دنیوی امور کے لئے رات کا ایک معقول حصّہ گذار کر سونا تو ہر خطّہ میں عام ہے۔

بدایۃ المجتہد، رحمۃ الامت، الفقہ علی المذاہب الاربعہ، میں مذاہبِ اربعہ کو جمع کیا گیا ہے اگرچہ قولِ مرجوح ہی کیوں نہ ہو! **کسی میں اس کی تشریح نہیں کہ ائمئہ اربعہ میں سے کوئی کسی ایک روایت وقول میں ''شفق کے غائب ہونے سے پہلے'' عشاء کے وقت کی ابتداء کا قائل ہو!** اگرچہ مغرب کے لئے بقدر چند رکعات قول ان کتابوں میں مذکور ہے، (مزید فرمایا) شامی، فتح القدیر، عینی شرحِ ہدایہ، اعلاء السُّنن،، اوجز المسالک، نیل الاوطار، وغیرہ کسی میں (بھی) مذاہب کی تفصیل میں یہ بات نہیں نقل کی گئی ہے (کہ وقت سے پہلے عشاء کی نماز اداء کی جاسکتی ہے!)۔

﴿**فتوی ۔۲۵**﴾ مفتی حبیب اللہ قاسمی زیدمجدہ مدرسہ ریاض العلوم گورینی چوکیہ جونپور یوپی ہندوستان، آپنے فرمایا: مشاہدات کو اوّلیت ہے اِسی کا اعتبار کیا جائے،'' **محکمئہ موسمیات کے اوقات مئوید** (تائید) **کے درجہ میں**

ہیں ''بنیاد واصول کے درجہ میں نہیں''، یہودیوں نے اپنی خُفیہ محنتوں کے ذریعہ آج پوری امّت کو شکار کرہی لیا ہے، رہی سہی عبادات پر بھی ہاتھ صاف کرنا چاہتے ہیں اس لئے اُمّت کے خَواص کو چوکنّا رہنے کی ضرورت ہے!

﴿**فتوی ۔۲۶**﴾ مفتی محمّد امین صاحب زیدمجدہٗ مظاہر العلوم سہارنپور یوپی، آپ نے فرمایا: یہ بات ذہن نشین رہے کہ محکمئہ موسمیات وماہر فلکیات اور ہیئت دانوں کی تحقیق وتدقیق کا شرعاً کچھ بھی اعتبار نہیں ہے، علمِ شریعت کی بنیاد کسی قواعدِ ہندسیہ وریاضیہ پر موقوف نہیں ہے نماز کے اوقات مشاہدہ سے معلّق ہیں، مشاہدہ کو اوّلیت وفوقیت دی جائے گی مشاہدہ اصل اساس ہے اور یہی جڑ اور بنیاد ہے، مشاہدہ ہی کو صحیح مانا جائے گا!

اللہ پاک کے ارشاد کلوا واشربوا حتیٰ یتبیّن لکم الخیط ابیض من الخیط الاسود الاسود من الفجر اور احادیثِ نبوی کی روشنی میں یہ بات قطعی واضح ہے کہ نماز روزوں کے اوقات کا تمام تر دارومدار رویت ومشاہدہ پر ہے اس سلسلہ میں نہ تو کہیں درجات زیرِ اُفق کا ذکر ہے نہ ہی کسی حسابی فارمولے کا بیان ہے شریعتِ اسلامیہ میں کسی بھی حکم کا مدار ماہر موسمیات یا ماہرِ فلکیات کی تحقیقات وتدقیقات وغیرہ پر ہرگز نہیں ہے بلکہ سیدھے سادے اصولِ فطرت پر ہے،

لٰہذا شفق وصبح کی تلاش وجستجو میں پہاڑ کی چوٹیوں پر چڑھنا یا ہوائی جہاز اور راکٹوں پر پرواز کرنا یا سمندروں کی سطح پر جا کر حقیقت معلوم کرنا مطلوبِ شرعی نہیں ہے اور نہ ہی اس پر مدارِ حکم ہے! بلکہ سطحِ آبادی پر جہاں کہیں کا بھی باشندہ ہو رہتے ہوئے سادے طریقہ پر، آلاتِ رصدیہ کا استعمال کئے بغیر صرف قرآن وحدیث اور فقہ کی روشنی میں اِمتیازِ شفق وتعیینِ اوقات کر لینا کافی ہے، (مزید فرمایا) شفق کا فاصلہ ہمیشہ یکساں نہیں رہتا ہے ماہ بماہ کچھ دِنوں میں گھٹتا بڑھتا رہتا ہے۔

((**فتویٰ۔۲۷**)) مفتی ولی حسن ٹونکیؒ اور مولانا یوسف بنوریؒ

آپ حضراتؒ برطانیہ سے پوچھے گئے ایک سوال کے جوابی فتویٰ (۱۳۸۹ھ) میں فرماتے ہیں:

شرعاً تو شفق کے صرف دو درجے ہیں ''شفقِ احمر، شفقِ ابیض''، بعض ائمّہ کے نزدیک مغرب کا آخری وقت شفقِ احمر کا غروب ہو جانا ہے اور اسی سے عشاء کا وقت شروع ہو جاتا ہے، برطانیہ اور وہ ممالک جو ۴۵عرض البلاد سے اوپر واقع ہیں اور جہاں شفق دیر سے غائب ہوتی ہے وہ صاحبین کے قول پر عمل کریں غروبِ شمش کے بعد مغرب کی نماز پڑھیں اسی طرح ان کو عشاء کی نماز کا زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑے گا اور عشاء اور صبح میں فاصلہ بڑھ جائے گا جن دِنوں میں شفقِ

احمر پر عمل کرنے کے باوجود غروبِ شفق اور طلوعِ صبحِ صادق میں فاصلہ بہت کم ہوتا ہے ان میں عشاء کی نماز ہرگز ترک نہ کریں۔اھ

مذکورہ فتوے سے دوباتیں واضح ہوئیں؛ (۱) فتویٰ کی تاریخ کے مدِّنظر غور کریں تو یہ وہ زمانہ ہے جب برطانیہ میں اس وقت آج کا سا ماحول بھی نہ تھا مگر اِن بزرگوں نے اس کے باوجود ''حکمت وسہولت کے لئے'' شرعی نصوص کے ماوراء نہ سوچا اور رات کے چھوٹے فاصلہ کو حرج نہ سمجھا بلکہ فرمایا کہ ''عشاء کو ترک نہ کرو چاہے شفقِ احمر کے دیر سے غروب ہونے پر رات چھوٹی ہی کیوں نہ ہو''! (۲) نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ حضرات برطانیہ میں اِن دِنوں میں شفقِ احمر کے غروب کے بھی قائل تھے! سبحان اللہ

((**فتویٰ۔۲۸**)) مفتی محمود صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ، دیوبند

(یاد رہے کہ یہ اس وقت کی بات ہے جب برطانیہ میں مشاہدات نہیں ہوئے تھے) آپؒ نے ۲۹ مئی ۱۹۸۳ء بروز اتوار بریڈفورڈ میں جمعیۃ العلماء برطانیہ کے اجلاس میں اس وقت کے فجر کے تقدیری اوقات کے متعلق فتویٰ پڑھ کر سنایا جس میں آپ نے تقدیر کے چار ''جائز'' طریقوں کے حوالہ سے یہ بھی لکھا کہ ''**محض ''خواهشِ نفس'' کے مطابق کسی (ایک) قول کو اختیار کرنا** اِتّباعِ ''تشہّی'' **ہے جو بالکل نا جائز ہے**''اھ

نتیجہ ؛ حضرتؒ نے اس وقت تو محض رصد گاہی مفروضہ کی بنیاد پر ہی عشاء کا وقت ''مفقود'' جانا تھا اور اس بناء پر ہی تقدیری اقوال میں سے کسی ایک پر عمل کے لئے جواز کا فتویٰ دیا مگر ان میں سے کسی ایک پر عمل جائز ہونے کے باوجود ساتھ ہی ''محض خواہشِ نفس'' کے حوالہ سے مذکورہ خرابی ''اتباعِ تشہی کے کے ناجائز ہونے کی قید'' بھی لگائی تھی مگر اب تو عشاء کا وقت ''موجود'' ہونا عین الیقین ہوگیا ہے (جو نہ صرف سال بھر کے مشاہدات سے ثابت ہوا بلکہ اس کا اقرار بھی ہے کہ دیر سے شفق احمر غائب ہو رہی ہے) پھر بھی جان بُجھ کر ''خواہشِ نفسانی پر سہولتی وقفہ'' اپنی مرضی سے غروب آفتاب کے بعد طے کر کے عشاء پڑھنے کی تلقین و تحریک چلانا، اسے پڑھنا، پڑھانا ''یقیناً ناجائز اور دینی احکام سے انحراف ہی ہے''۔

﴿فتوی۔۲۹﴾ مفتی احمد خانپوری صاحب زید مجدہٗ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل، آپ نے فرمایا؛ علاقہ میں شفقِ احمر کا غروب ہوتا ہے تب تو اس کے بعد ہی عشاء اداء کی جائے، پہلے اداء کی جائے گی تو درست نہیں! نیند کے غلبہ کے خوف سے عشاء فوت ہوجانے کے احتمال پر **سہولت کے خاطر غروبِ شفق سے پہلے عشاء پڑھ لینا جائز نہیں** اور ''**ایسا کرنے سے عشاء کی نماز سے ذمّہ بری نہ ہوگا**'' (یعنی قضاء کرنی ضروری ہوگی) اور حضرت مولانا مفتی ظفر احمد تھانویؒ کا امداد الاحکام ج ۱ ص ۳۱۴ کا فتویٰ شفقِ احمر کے ایک گھنٹہ پر غائب ہونے پر عشاء پڑھنے پر ہے (تو اس کے متعلق معلوم ہونا چاہیئے کہ۔۔۔)

اگر برطانیہ کا تجربہ اور مشاہدہ اس کے خلاف ہو تو یہ فتویٰ وہاں کے لئے حجّت نہیں ہوگا، اور یہ بات مسلّم ہے کہ ''اگر شفق کا غروب یقینی ہو تو اس سے پہلے عشاء کی نماز اداء کرنا درست نہیں''۔

﴿فتوی۔۳۰﴾ مفتی شَیخ عبداللہ بن عبدالعزیز بن باز رحمہ اللہ

(مفتی اعظم سعودی عربیہ، دارالافتاء والارشاد ریاض)

ہمیں جواباً جو فتاویٰ بھیجے گئے ان کا اختصاراً نہی کی عبارات سے ملاحظہ ہو؛۔التّقویم من الامور الاجتهادية فالّذين يضعونه بشر يخطئون ويصيبون ولا ينبغی ان تناط بهٖ اوقات الصّلوٰةِ والصّيام من جهة الابتداء والانتهاء لان ابتداء هٰذه الاوقات وانتهائهاجاء فی القرآن والسُّنة فينبغی الاعتماد علی ما دلّت عليه الادلّة الشّرعية ولٰكن هٰذه التّقاويم الفلكية قد يستفيد منها المُئوذنون والائمّة فی اوقات الصّلوٰه علیٰ سبيل التّقريب امّا فی الصّوم رسول اللهﷺ علّق الحكم بروئية الاهلّة واكمال العِدّة،

(**مزيد**) لم يشرع لهم الاعتماد فی تحديداوقات العبادات علی الحساب الفلكی وليس للتقسيم (الشفق الفلكی،والبحری،والمدنی)اصل شرعی وكذاتسمية كل قسم بما سمی به ،بل ذٰلك اصطلاح حادث اصطلح عليه بعض الناس لا اعتبار لهٗ فی تحديد اوقات العبادات ،(**مزيد**)حدد الشرع وقت كل صلوٰة من الصلوات الخمس،قال اللهتعالیٰ ''ان الصلوٰة كانت علی المئومنين كتاباً موقوتاً'' وبين النبیﷺ ان وقت الصبح من ظهور البياض الذی

یعترض الافق شرقا الی طلوع الشمش وجعل وقت العشاء من مغیب الشفق الی منتصف اللیل فاذا دخل وقت الصبح وجب علی المکلّف ان یصلّیه فی وقته واذاغاب الشفق دخل وقت العشاء فوجب علیه ادائها فی وقتها..ولایجوز له ان یصلی العشاء قبل مغیب الشفق ولو طالت مدة مکثه بعدغروب الشمش اه

عربی عبارات کاخلاصہ:۔ جنتریاں اجتہادی امورمیں سے ہیں جولوگ اسے بناتے ہیں وہ انسان ہیں غلط بھی کرتے ہیں اور صحیح بھی! اورنماز وروزوں کی ابتداء وانتہاء کےاوقات کیلئےتقویم پرانحصارکرنا مناسب نہیں کیونکہ ان کی ابتداء وانتہاء کا وقت قرآن اورسنت میں بتلایا گیا ہے پس شرعی دلائل پراعتماد کیا جائیگا۔فلکی تقویمات سےمؤذّنین اورائمہ نمازوں کےاوقات کا''تقریبی طور پر'' اِستفادہ کرتے ہیں!

شرعاً رمضان کی ابتداء اورانتہاء حسابِ فلکی پر کسی طرح جائزنہیں اوران عبادات کےاوقات کی تعیین شرعاً کُلی طور پرمعتمدنہیں ہےاورنہ ہی شرعاً شفق کی تین قسمیں ہیں،رصدگاہ والےجس نام سےان کی تقسیم کرتے ہیں شرعاً ان کی کوئی اصل نہیں ہے بلکہ یہ عبث اصطلاح ہے جسے بعض استعمال کرتے ہیں،ان عبادات کےاوقات کی تعیین کے لئے اس کا کوئی اعتبار نہیں! شریعت نے پانچ نمازوں میں سے ہرایک کے وقت کومعیّن کردیا ہے،قرآن میں اللہ کا فرمان ہے:اِنّ الصّلوٰة کانت علی المؤمنین کتاباًموقوتاً (النّساء،۱۰۳) میں ہےاورنبی علیہ السلام نےاحادیث میں بیان فرمایا ہے۔اھ

((**فتویٰ۔۳۱**))رابطہ عالمِ اسلامی،فقہ اکیڈمی جدّہ سعودی عربیہ

''جہاں بھی چوبیس گھنٹوں میں دن رات وقوع پذیرہوں اورنمازوں کےاوقات کی علاماتِ ظاہرہ پائی جاتی ہوں تو ان علاقے والوں پر لازم ہے کہ وہ ان علامات کے مطابق سب نمازیں اداء کریں چاہے دن رات کتنے ہی لمبے یا چھوٹے ہی کیوں نہ ہوں!

۔:فتاویٰ اور بحث کا خلاصہ:۔

(۱)مشاہدات کےمقابلہ میں رصدگاہی مفروضہ درجات پرعمل جائزنہیں

(۲)ڈگریوں کے مقابلہ میں مشاہدات کوآپ ﷺ وصحابہؓ کےقول وعمل واجماعِ سلف کےمطابق اوّلیت ہے

(۳)رصدگاہی ڈگریوں کوصرف تقدیراً''تقریبی اوقات'' کادرجہ حاصل ہے جب مشاہدات سےوہ غلط ثابت ہوں تواس پرعمل نہیں کیا جاسکتا ہے

(۴)وقت سے پہلےکوئی بھی نمازاداءنہ ہوگی اورجیسے کہ مشاہدات سے ثابت ہوا کہ برطانیہ میں شفقِ احمرسال بھراورگرمیوں کےمخصوص ایّام میں بھی غائب ہوتی ہےلہٰذااس کےغروب ہونے کے بعدہی''عشاء'' پڑھی جائے گی،چاہےغروب آفتاب کے بعداس کا وقفہ کتنا ہی لمبا کیوں نہ ہو!

(۵)شفقِ احمرکا دیرسےغائب ہونااورعشاءکا وقت دیرسےآنا یہ شرعاً عذرنہیں

ہے جس سے کہ عشاء کو وقت سے پہلے پڑھنا جائز ہو اِس سے پہلے پڑھی گئی عشاء کی نماز ادا نہیں ہوگی ،

(۶) مفتی ظفر احمد تھانویؒ اور مفتی یحیٰ صاحبؒ یا کسی کے بھی فتویٰ پر برطانیہ میں ہر روز یا گرمیوں کے مخصوص ایّام میں عشاء کو شفقِ احمر کے غروب سے پہلے ایک گھنٹہ یا سہولتی وقفہ پر پڑھنا جائز نہیں اور عشاء ادا نہ ہوگی اور قضاء واجب ہوگی

(۷) مشرق ومغرب کے مشاہدات وفلکیاتی اقوال سے ثابت ہوا کہ یہ سمجھنا غلط ہے کہ برطانیہ و ہند میں شفقِ احمر ایک گھنٹہ کے وقفہ پر غائب نہیں ہوتی! بلکہ نہ صرف ایک گھنٹہ بلکہ اِس سے بھی کم وقفہ میں اس کا غروب محقّق اور مشاہد ہے

معلوماتِ عامّہ بسلسلہ فتاویٰ

برطانیہ میں مخصوص ایّام جن میں رات چھوٹی اور دن بڑا ہوتا ہے اور غروبِ آفتاب کے بعد شفقِ احمر بھی مشاہدہ کے اعتبار سے ان دنوں میں ایک گھنٹہ سے لیکر ایک گھنٹہ چوبیس منٹ کے وقفہ پر غروب ہوتی ہے جسکا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی دن غروب آفتاب دس بجے ہو تو عشاء کا اول وقت گیارہ بجکر چوبیس منٹ پر ہوگا جو یقیناً نیند کے غلبہ و مشکلی کا حامل ہے، اس حالت کے مدِّ نظر مذکورہ مشکل کے حل کے لئے ہماری کوتاہ نظروں میں بظاہر اس کی تسہیل کی حامل قرآنی آیات

، احادیث اور فقہی اصطلاحات مع سات مخصوص روایات وغیرہ ہم نے مفتیانِ کرام کو یاد دہانی کے لئے اِستفتاء میں لکھیں تا کہ اگر شرعاً گنجائش ہو تو میسّر ہو!

چنانچہ نصوص قطعیّہ، قرآن واحادیث جو دین کی بنیادیں ہیں ان پر مُفتیانِ کرام کی دور بیں نظروں نے انسانی کمزوریوں کا اِدراک کرتے ہوئے روانہ کردہ حوالجات کے باوجود سلفِ صالحین کے نقشِ قدم پر چل کر ''مذکورہ عذر کے'' غیر شرعی وغیر منصوص ہونے کے سبب ''وقت سے پہلے عشاء پڑھنے کو فرما دیا۔

اب وہ کونسی دلیل رہ گئی جس پر قرآن وسنت کے نصوص کے خلاف ہر روز یا مخصوص ایّام میں ایک گھنٹہ یا کوئی خاص وآسان وقفہ بعد غروب آفتاب طے کر کے عشاء کو وقت سے پہلے پڑھ لیجائے؟! اَللّٰھم اھد

حضرت مولانا ابوالحسن علی میاں ندویؒ:۔ آپ نے ارکانِ اربعہ میں پانچ نمازوں کو ان کے اوقات ہی میں مع انہی رکعات کے ساتھ اداء کرنے کو ''روحانی غذا اور صحّت کے انجیکشن'' سے تعبیر کیا ہے اور ان کو انہی اوقات ومقدار کے ساتھ پڑھنے کو خالق وصانع کی حکمتوں کے سامنے بلا چوں چرا سرِ تسلیم خم کرنے کا ''اقرار عامّہ'' بتلایا اور ان اوقاتِ مخصوصہ منصوصہ ہی میں اللہ کی تجلیات واسرار، انہی میں رحمتوں کی بارش نورانیت اور روحانی ترقّیات کے علم کو اللہ ورسول ﷺ کے ساتھ منحصر فرما دیا! مطلب یہ کہ پانچ نمازوں کو ان کے

اوقات سے پہلے یا بعد میں شرعی حدود کیخلاف پڑھنے کیلئے کوئی گنجائش نہیں (چاہے بظاہر مشکلات ہی کیوں نہ ہو!) کیونکہ اِن اوقات میں مذکورہ اسرار کے خزانے پوشیدہ ہیں جو اِن اوقاتِ مخصوصہ کے بعد یا ان سے پہلے بے وقت اداء کرنے میں میسّر نہیں! ذیل کے دلائل سے اندازہ کریں کہ ان کے باوجود فتاویٰ کے مطابق وقت سے پہلے عشاء پڑھنے سے وہ اداء نہیں ہوتی!!!

﴿حرج اور اس کی تسہیل کے لئے پیش کردہ دلائل﴾

ہم نے مفتیانِ کرام کو مع دلائلِ حرج (جو سامنے ہیں) لکھا کہ عشاء دیر سے پڑھنے میں اور رات چھوٹی ہونے پر وقت کی تنگی کے سبب نہ تو پوری نیند ملتی ہے اور نہ آرام ملتا ہے جس کی وجہ سے صحّت پر بھی اثر پڑتا ہے اور عبادات میں کوتاہی اور کاہلی پیدا ہوتی ہے نیز عشاء اور فجر کی قضاء کا بھی احتمال ہے! اس کے علاوہ عشاء کی جماعت میں لوگ کم آتے ہیں اسی طرح دنیوی معاملات میں بھی بڑی دِقّت پیش آتی ہے مثلاً کام پر جانے میں حرج اور بھی دیگر باتیں، یا تو رزقِ حلال حاصل کرے یا نمازیں قضاء کرے!

رہی یہ بات کہ نیند فجر کی نماز کے بعد نکالے، تو یہ ان لوگوں کے لئے تو آسان ہوگا جو بے روزگار ہیں ورنہ اکثریت جو کام کرتی ہے ان کے لئے مسئلہ کا حل اس طرح نہیں ہوسکتا، لوگ نیند و سستی کی وجہ سے بغیر نماز پڑھے ہی سو جائیں گے نماز کے لئے اُٹھ نہ سکیں گے

بلکہ جان بُجھ کر نماز چھوڑ کر سو جانے کا اندیشہ ہے اور نئی نسل کیلئے یہ بات بڑی بھاری ہے۔ مذکورہ حرج کی صورتوں اور خدشات کے ساتھ بظاہر سہولت پر دال ذیل کے اَدِلّہ بھی مُفتیانِ کرام کو لکھے، ملاحظہ ہوں؛۔

اَدِلّہ جن کی مفتیانِ کرام کو یاد دھانی کرائی گئی ؛۔

(۱)۔ القرآن؛(ا) یرید اللّٰہ ان یخفّف عنکم و خلق الانسان ضعیفاً (النساء) (۲) یرید اللّٰہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر (البقرہ) (۳) وماجعل علیکم فی الدین من حرج (الحج) (۴) وجعلنانومکم سباتا (النساء) (۵) لایکلف اللّٰہ نفساً اِلّا وسعھا (البقرہ) **(۲)۔ احادیث**؛(ا) عن ابی ہریرۃ رضی اللّٰہ عنہ عن النبی ﷺ قال ان الدین یسر الخ (بخاری) (۲) احب الدین الی اللّٰہ الحنفیۃ المعسار (بخاری) (۳) یسروا ولا تعسروا بشروا ولا تنفروا (بخاری) (۴) یباح الجمع من خاف علیٰ نفسہ او مالہ اوعرفہ ومن خافک ضرر یَلحقہ بترکھفیمعیشت (الفقہ علی المذاھب الاربعہ ج ۱ ص ۴۸۷) **(۳)۔ مسلّماتِ فقھاء** (ا) الحرج مرفوع (۲) اذاضاقالامراتسع (۳) الضرورۃتبیحالمحظورات (۴) المشقۃ تجلبالتیسیر (۵) الضرریزال مھما امکن (۴)۔۷ **مخصوص روایات**؛ مصنّف عبدالرّزّاق کی دوناظورۃالحق ج۲ص۸۲وص۱۹۶سے، شرحِ نقایہ ج۱ص۵۲سے؛ سُننِ کُبریٰ بیھقی کتاب الصّلوٰۃ ص۳۷۳سے، اور ایک مثال کفایۃ الاخبارفی حل غایۃ الاختصار ج۱ص۱۶۰سے۔ (قارئین کے سامنے پیچھے فتاویٰ گزر چکے ہیں جن میں مفتیانِ کرام نے اِن تمام دلائل کو حرج کی شرعی حجت تسلیم نہ کیا)

آخری گذارش اور مرحومین علماء وعوام

آخر میں ہم حضرات علمائے کرام ومسلمانوں کا شکریہ اداء کرتے ہیں جنھوں نے اُمّت مسلمہ کی بھلائی کے لئے شرعی حدود میں رہ کر اتحاد کیلئے ہم سے ہر موقعہ پر بھرپور تعاون کیا خصوصاً مساجد کمیٹیاں، علماء ومفتیانِ کرام جنھوں نے ہم سب کی ہر طرح رہبری فرمائی اور سال بھر کے لئے صبح وشفق کے مشاہدات کرنے پر کمر باندھنے کی ہمّت افزائی کی اور اس پر اللہ کی توفیق شاملِ حال رہی جس سے ہم مشاہدات کرتے رہنے پر جمے رہے، ان میں سے بہت سے حضرات اور علماء میں سے اللہ کی رحمت میں جاپہونچے۔

اے اللہ تو محض اپنے فضل وکرم سے اپنے حبیب ﷺ کے وسیلہ سے اُمّتِ مسلمہ کے تمام مرحومین، علماء وعوام اور زندوں کو معاف فرما اور تمام کا خاتمہ ایمان پر فرما خصوصاً اِس موقعہ پر ہم حزب العلماء یو کے کے مرحوم صدر مولانا اسمٰعیل مکوریا کنتھاروی صاحب اور سرگرم رکنِ عاملہ مولانا قاری محمّد سلیمان صاحب رحمھما اللہ تعالیٰ کو کیسے بھُلا سکتے ہیں جنھوں نے اوقاتِ نماز ورُویتِ ہلال اور مسلمانوں کی بھلائی واتحاد کے لئے کسی کام میں سستی نہیں دِکھائی خصوصاً قاری محمد سلیمان صاحبؒ جو اُمّت کی بھلائی کے کاموں کے ساتھ ساتھ سال بھر مشاہدات کرنے پر بھی محرِّک رہ کر تعاون کیا!

اسی طرح مولانا فتح محمّد لہر صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو موت تک جمعیۃ العلماء برطانیہ کی عاملہ کے سرگرم رکن رہے آپ نے امّت کو جوڑنے پر آگے قدم اُٹھانے سے پس وپیش نہیں کیا اللہ ملّتِ اسلامیہ کے اِن خیر خواہ سپوتوں کی قبروں کو نور سے بھر

دے اور ان کے درجات بلند فرمائے آمین۔

اِن حضرات کے علاوہ اور بھی بہت سے مُخلصین مرحومین وزندہ علماء وعوام ہیں جو رات دن امّت کے درد کے دور کرنے کی جدّ وجہد میں لگے رہے اور اب بھی اجتماعی یا ذاتی طور پر منہمک ہیں خصوصاً مشاہدات کرنے والے بلیکبرن کے دیگر ساتھی مشاہدین ومسجد انیس الاسلام ٹروئی اسٹریٹ بلیکبرن کی انتظامیہ وممبران وخواتین جنھوں نے بار بار خصوصاً برطانوی علماء کے اوقاتِ نماز فیصلہ کے دو اجلاسوں کی مہمان نوازی کا فریضہ انجام دیا! اللہ اِن سبکو دارین میں بہترین جزاء عطاء فرمائے ہر ایک کی اور ہماری خطائیں اور گناہ معاف فرمائے اور دنیا آخرت کی بھلائی نصیب ہو! آمین

-: ہدایت برائے مساجد اِنتظامیہ :-

مسلمانانِ برطانیہ خصوصاً وہ حضرات جو لوگوں کے لئے عشاء وفجر کی نمازوں کے اوقات معیّن کر کے ٹائم ٹیبل بناتے ہیں اور ثواب کماتے ہیں! معلوم ہونا چاہئے کہ وہ بذاتِ خود اور لوگوں کی طرف سے اپنے کندھوں پر عوام اور خود کی نمازوں کا بہت بڑا بوجھ اُٹھا رہے ہیں خصوصاً مساجد کمیٹیوں کے ذمّہ دار حضرات جو اپنا قیمتی وقت قوم اور مساجد کے لئے وقف کئے ہوئے ہیں انہیں چاہئے کہ وہ صحیح فیصلہ فرما کر نمازوں کے ٹائم ٹیبل بنائیں تا کہ اپنے کندھوں پر خود کے علاوہ دوسرے نمازیوں کا غلط بوجھ اٹھانا نہ پڑ جائے!

برطانیہ میں شفقِ احمر وابیض اور صبح کے سال بھر کے مشاہداتی فاصلوں کا نقشہ

BLACKBURN .LANCASHIRE .ENGLAND U.K.

طول البلد مغربی W02.29 / عرض البلد شمالی N 53 .45

بکس نمبر۱	بکس نمبر۲	بکس نمبر۳	بکس نمبر۴	بکس نمبر۵ برائے نوٹ:
مشاہدات کے مہینوں کی تعداد و	شفقِ احمر کا فاصلہ	شفقِ ابیض کا فاصلہ	صبح کی مشرقی اول روشنی کی ابتداء سے لیکر سورج کے طلوع تک کا فاصلہ	
(۱) محرّم صفر ۱۴۰۸ھ ستمبر ۱۹۸۷ء	کم سے کم ۵۵ منٹ زیادہ سے زیادہ ایک گھنٹہ	کم سے کم ایک گھنٹہ ۲۰ منٹ زیادہ سے زیادہ ایک گھنٹہ ۲۲ منٹ	کم سے کم ایک گھنٹہ ۲۲ منٹ زیادہ سے زیادہ ایک گھنٹہ ۲۶ منٹ	
(۲) ربیع الاوّل ۱۴۰۸ھ اکتوبر ۱۹۸۷ء	کم سے کم ۵۸ منٹ زیادہ ایک گھنٹہ آٹھ منٹ	کم سے کم ایک گھنٹہ ۱۵ منٹ زیادہ ایک گھنٹہ ۲۵ منٹ	کم سے کم ایک گھنٹہ ۲۵ منٹ زیادہ ایک گھنٹہ ۳۱ منٹ	---
(۳) ربیع الثانی ۱۴۰۸ھ نومبر ۱۹۸۷ء	ایک گھنٹہ ۸ منٹ	کم سے کم ایک گھنٹہ ۱۲ منٹ زیادہ ایک گھنٹہ ۲۸ منٹ	کم سے کم ایک گھنٹہ ۳۲ منٹ زیادہ ایک گھنٹہ ۴۵ منٹ	---
(۴) جمادی الاوّل ۱۴۰۸ھ دسمبر ۱۹۸۷ء	کم سے کم ۵۳ منٹ زیادہ ایک گھنٹہ ۲۰ منٹ	کم سے کم ایک گھنٹہ ۱۷ منٹ زیادہ ایک گھنٹہ ۴۰ منٹ	ایک گھنٹہ ۳۹ منٹ	---
(۵) جمادی الثانی ۱۴۰۸ھ جنوری ۱۹۸۸ء	کم سے کم ۵۰ منٹ زیادہ ایک گھنٹہ ۶ منٹ	کم سے کم ایک گھنٹہ ۳۱ منٹ زیادہ ایک گھنٹہ ۳۸ منٹ	مشاہدہ ممکن نہ ہوسکا	---
(۶) رجب ۱۴۰۸ھ فروری ۱۹۸۸ء	شفق احمر کا مشاہدہ نہیں ہوا ----------	ایک گھنٹہ ۱۹ منٹ ---------	کم سے کم ایک گھنٹہ ۳۷ منٹ زیادہ ایک گھنٹہ ۳۹ منٹ	---
(۷) شعبان ۱۴۰۸ھ	چھپّن (۵۶) منٹ ----	ایک گھنٹہ ۲۵ منٹہ ----	ایک گھنٹہ ۳۷ منٹ ----	---
(۸) رمضان ۱۴۰۸ھ اپریل ۱۹۸۸ء	شفقِ احمر کا مشاہدہ نہیں ہوا ---------	کم سے کم ایک گھنٹہ ۲۴ منٹ زیادہ ایک گھنٹہ ۲۷ منٹ	ایک گھنٹہ ۳۵ منٹ ---------	**نوٹ**:(1) برائے جون --6 جون سے 11 جون تک احمر وابیض --
(۹) شوّال ۱۴۰۸ھ مئی ۱۹۸۸ء	کم سے کم فاصلہ ۵۷ منٹ زیادہ ایک گھنٹہ ۱۵ منٹ	کم سے کم ایک گھنٹہ ۵۵ منٹ زیادہ تین گھنٹہ ۱۶ منٹ	کم سے کم ایک گھنٹہ ۳۳ منٹ زیادہ ایک گھنٹہ ۴۴ منٹ	--کے مشاہدے ممکن نہ ہو سکے اور 12 و 13 جون کو شام و صبح--
(۱۰) ذوالقعدہ ۱۴۰۸ھ جون ۱۹۸۸ء	کم سے کم ایک گھنٹہ ۲۱ منٹ زیادہا یک گھنٹہ ۲۴ منٹ	پانچ جون کے مشاہدہ میں تین گھنٹہ ۷ منٹ کا فاصلہ	کم سے کم ایک گھنٹہ ۴۳ منٹ زیادہ ایک گھنٹہ ۵۴ منٹ	--شفقین کے اِتّصال کے مشاہدے ہوئے
(۱۱) ذوالحجہ ۱۴۰۸ھ جولائی ۱۹۸۸ء	بارش کی وجہ سے مشاہدہ ممکن نہ ہوسکا	بارش کی وجہ سے شفقِ ابیض کا مشاہدہ نہ ہوسکا	بارش کی وجہ سے مشاہدہ ممکن نہ ہوسکا	**نوٹ**:(2) برائے مئی، جون کی صبح کے لئے--اور وہ یہ ہے کہ--

(۱۲) محرم الحرام ۱۴۰۹ھ اگست ۱۹۸۸ء	کم سے کم ایک گھنٹہ ۷ منٹ زیادہ ایک گھنٹہ ۸ منٹ	کم سے کم دو گھنٹہ ۱۱ منٹ زیادہ دو گھنٹہ ۱۲ منٹ	کم سے کم ایک گھنٹہ ۲۳ منٹ زیادہ ایک گھنٹہ ۲۴ منٹ	--ان میں صبح کے فاصلہ کے اوقات تبیینِ فجر کے ہیں

Table 4: Chart showing Summary Observation Record of time lengths of Shafaqe Ahmar, Abyadh and Subha Sadiq from the Mushahadah carried out in Blackburn UK

Longitude W 02.29 Latitude N53.45

MONTH/YEAR	SHAFAQE AHMAR ^^	SHAFAQE ABYAD ^^	SUBHA SADIQ ^
Muharram/Safar 1408 (September 1987)	55m to 1hr	1hr 20m to 1hr 22m	1hr 22m to 1hr 26m
Safar/RabiAlAwwal 1408 (October 1987)	58m to 1hr 8m	1hr 15m to 1hr 25m	1hr 25m to 1hr 31m
RabiAW/RabiAlThani 1408 (November 1987)	1hr 8m	1hr 12m to 1hr 28m	1hr 32m to 1hr 45m
RabiAT/JamadilAwwal 1408 (December 1987)	53m to 1hr 20m	1hr 17m to 1hr 40m	1hr 39m
JamA/JamadilThani 1408 (January 1988)	50m to 1hr 06m	1hr 31m to 1hr 38m	Unable to observe successfully
JamT/Rajab 1408 (February 1988)	Unable to observe successfully	1hr 19 m	1hr 37m to 1hr 39m
Rajab/Shaban 1408 (March/April 1988)	56m	1hr 25m	1hr 37m
Shaban/Ramadan 1408 (April 1988)	Unable to observe successfully	1hr 24m to 1hr 27m	1hr 35m
Ramadan/Shawal 1408 (May 1988)	57m to 1hr 15m	1hr 55m to 3hrs 16m	1hr 33m to 1hr 44m **
Shawal/ZulQaida 1408 June 1988 #	1hr 21m to 1hr 24m *	3hr 7m on 5 June *	1hr 43m to 1hr 54m **
ZulQ/ZulHajja 1408 (July 1988) ***	Unable to observe successfully	Unable to observe successfully	Unable to observe successfully
ZulH/Muharram 1409 (August 1988)	1hr 07m to 1hr 08m	2hr 11m to 2hrs 12m	1hr 23m to 1hr 24m

مشاہدات کے حوالہ سے ایک تحریر

درج ذیل تحریر برطانیہ کے علمائے کرام کے اجلاس میں مورخہ ۱۵ شعبان ۱۴۰۸ھ مطابق دوم اپریل ۱۹۸۸ء بروز ہفتہ تقسیم کی گئی اور جسے تجویز کے طور پر اجلاس کے کنوینر حضرت مولانا موسیٰ کرماڈی صاحب مدظلّہ نے اپنے افتتاحی کلمات میں پیش کیا اور جمعیۃ العلماء برطانیہ ومرکزی جمعیۃ العلماء برطانیہ اور حزب العلماء یوکے کی مجالسِ عاملہ، علماء اور شریکِ اجلاس مساجد کمیٹی کے نمائندوں نے متفقہ طور پر اس کی تائید وتوثیق فرمائی:

نحمدہ ونصلیّ علیٰ رسولہ الکریم اما بعد

برطانیہ کے اہلِ ایمان جیسا کہ معلوم ہے ایک طویل مدت سے فجر سحری وعشاء کے اوقات کے سلسلہ میں الجھے ہوئے تھے وجہ اسکی ظاہر ہے کہ یہاں کا موسم دھندھلا اور دھواں آلود اکثر وبیشتر رہتا ہے نیز یہاں کی مصروفیات اور روزمرّہ کے پیش آمدہ مسائل ومشاغل ساتھ ہی ان اوقات کا سنتِ نبویﷺ کے مطابق مشاہدہ کرنے کی طرف عدمِ توجّہ وغیرہ ، ایسے نا مساعد حالات میں دینی ضرورتوں اور پیچیدہ مسائل حل کرنے کے لئے اوقات کو فارغ کرنا ایک نہایت ہی اہم چیز ہے،

الحمدللہ ثم الحمدللہ:۔

حزب العلماء یوکے کے ذمّہ دار حضرات مولانا اسماعیل عبداللہ منوبری صاحب

سرپرست حزب العلماء یوکے ،مولانا قاری محمد سلیمان صاحب رکنِ عاملہ اور مولوی یعقوب احمد مفتاحی ناظم حزب العلماء یوکے نے شب وروز جدّ وجہد کرکے ان مسائل کو حل کرنے کیلئے ان نمازوں کے اوقات کی علامتوں کا سنتِ نبویﷺ کے مطابق مشاہدہ کیا، کئی دِنوں تک راتوں کو شفق احمر وابیض کی غیبوبت اور صبح کو طلوعِ فجر کا مشاہدہ کیا اور ان کو باضابطہ ڈائری میں تحریر فرمایا، بسا اوقات ایسا بھی ہوا کہ جائے مشاہدہ پر گئے مگر موسم کی خرابی کی وجہ سے واپس ہوئے ، بہر حال جس ذِمّہ داری کو اداء کرنیکی ابتداء فرمائی تھی پیہم اِسی عمل میں لگے رہے اور تاریخِ برطانیہ میں ایک مثال قائم فرمادی یعنی آج تک ان اوقات کے مشاہدات جو مسلسل نہیں کئے گئے تھے اِن حضرات نے کئے!

نیز جو بات برطانیہ کے لئے مشہور ہوگئی تھی کہ یہاں پر اوقاتِ نماز کا مشاہدہ کرنا ناممکن ہے اور اِن اوقاتِ نماز کے لئے ڈگریوں کے مطابق چلنے کے سِواء کوئی چارہ کار نہیں ہے جو غلط ثابت ہوا! واقعی قرآن شریف اور رسول اللہﷺ کی زبان مبارک سے نکلی ہوئی باتیں ہر زمانہ اور ہر جگہ میں یکساں سود مند ہیں آلاتِ رصدیہ ہوں یا نہ ہوں عالم وجاہل سب کے لئے یکساں مفید ہے جس کی تشریح نحن اُمة اُمية لانكتب و لا نحسب الحديث میں موجود ہے!

انوارِ ہدایت

صاحبو! تعجب ہے کہ دنیا کے تو کسی معمولی کام کی بناء بھی احتمال میں نہیں کرتے اور دین کے بڑے بڑے کاموں میں جُرئت کرتے ہیں اور تغیّر کرڈالتے ہیں! دنیا میں تو یہ حالت ہے کہ احتمال کے موقعہ پر ہمیشہ احتیاط کا پہلو اختیار کیا جاتا ہے، مثلاً کسی دوا میں شک ہوجائے کہ یہ دوا فلانی ہے یا کوئی تیزاب ہے تو اس کو کوئی بھی نہیں لے گا بلکہ اسی کو پسند کریں گے کہ اس کو تلف کردیا جائے! گو کتنی ہی لاگت اس میں ضائع ہوتی ہو! اور اس کو مکان میں رکھنا گوارا نہ کریں گے اسی احتمال کی وجہ سے کہ کوئی پی نہ جائے اور نقصان ہو!

یا اللہ! دین ہی کیا اتنی سستی اور بیکار چیز ہے کہ اسے بالکل سر پر سے اڑادینے کے لئے صرف احتمال کافی ہے! تمام ارکانِ دین بدل ڈالا صرف اس احتمال پر کہ شاید مقصود ان سب سے تہذیبِ اخلاق ہو اور لطف یہ ہے کہ یہ احتمال بھی مرجوح بلکہ غلط اور اپنا تراشہ ہوا زبردستی کا احتمال ہے، کیونکہ احتمال تو وہاں ہوسکتا ہے جہاں متکلم کی طرف سے کوئی بیان نہ ہو! یہاں ''صاحبِ شرع'' کی طرف سے صاف صاف بیان موجود ہے، ہر عبادت کی کیفیت اور اس کے کرنے کی ضرورت اور اس پر ثواب اور ترک پر وعید بیان فرمائی ہیں، پھر یہ احتمال بھی کہاں

رہا کہ شاید کہ مقصود تہذیبِ اخلاق ہی ہو یہ تو کھلی ہوئی'' توجیہ القول بما لا یرضیٰ به قائله'' ہے!

یہ تو بالکل ایسا ہے جیسے ایک نوکر سے کہیں کہ انگور لے آؤ اور وہ آٹا لے آئے اور کہے کہ مقصود تو کھانے سے تغذیہ بدن ہوتا ہے اور وہ انگور میں اتنا نہیں ہے جتنا آٹے میں ہے، کیا یہ حرکت اس کی نافرمانی نہیں ہے! حالانکہ وہ ایک معقول وجہ بیان کرتا ہے مگر جواب میں اس کے یہی کہا جائے گا کہ تو اپنی طرف سے غرض اور مقصود کو تراشنے والا کون ہے! کیا دلیل ہے اس بات کی کہ اسوقت ہم کو مقصود تغذیہ بدن ہے ممکن ہے کہ تفکّہ مقصود ہو! جس کے لئے انگور موزوں ہے، نہ کہ آٹا! خصوصاً جب یہ صورت ہو کہ تغذیہ مقصود نہیں، مثلاً کھانے کا وقت نہ ہو یا ابھی کھانا کھا چکے ہوں یا گھر میں کوئی بیمار موجود ہو جس کو طبیب نے انگور کھانے کے لئے کہا تو اُسکا آٹا لے آنا اور زیادہ سخت بیوقوفی اور بدتمیزی بلکہ گستاخی اور تعنت سمجھا جائے گا حالانکہ قرینہ کے ہوتے ہوئے وہ احتمال باقی ضرور رہتا ہے لیکن ایسے نوکر کا کان پکڑ کر نکال دیا جائے گا! (فرموداتِ حکیم الُامّت شاہ اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ)

وما علینا الا البلاغ والسلاّم علیکم ورحمۃاللّٰہ وبرکاته وصلیّ اللّٰہ علی رسوله الکریم وعلیٰ آله و صحبه اجمعین ومن تبعه الیٰ یوم الدّین اللّٰھمّ وفِّقنا لما تُحِبّ وترضی عدد ماتحب وترضیٰ

مولوی یعقوب احمد مفتاحی

مورخہ یکم رمضان المبارک ۱۴۲۳ھ مطابق ۶ نومبر ۲۰۰۲ء بروز سہ شنبہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ہماری ویب سائٹ پر کتاب ”فلکیات وشرعی ثبوتِ ہلال“ (بریلوی دیوبندی فتاویٰ) کے ص ۶۵ اور ۹۱ کی ایک جھلک:۔

دیوبندی، بریلوی سرخیل بزرگوں کی حرمین شریفین کے ثبوتِ ہلال ونماز اوقات پر عمل کی سند

ص ۶۵ پر **ثبوتِ ہلال فتاوی** (۱) :۔ فتویٰ (۱۳) فاضل بریلی اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب

مسئلہ ۲۳۰ :از بہرائچ ۔۔سوال؛ کا جواب؛ عمرو کا قول (کہ ہند سے دور دراز ملک مکہّ معظّمہ میں ۲۹ کا چاند ہوگیا تو بہرائچ والوں کو ان کے ساتھ روزہ نہ رکھنے کی بناء پر ایک روزہ کی قضاء کرنا لازم ہے) صحیح ہے، ہمارے ائمہ کرام کا مذہب صحیح ومعتمد یہی ہے کہ دربارۂ ہلالِ رمضان وعید اختلافِ مطالع کا کچھ اعتبار نہیں، اگر ”مشرق میں رویئت ہو مغرب پر حجت ہے، اور مغرب میں ہو تو مشرق پر“ مگر ثبوت بروجہِ شرعی چاہیئے ۔اھ

(فتاویٰ رضویہ ج ۱۸)

(۲) فتویٰ۔فاضل دیوبندی اعلیٰ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی صاحب

مسئلہ: آپ فرماتے ہیں ”اگر کلکتہ میں چاند جمعہ کی رات کو نظر آیا اور مکہ میں خمیس (جمعرات) کی رات کو اور کلکتہ والوں کو پتہ نہ چل سکا کہ مکہ میں رمضان خمیس سے شروع ہو چکا ہے تو جب بھی ان کو اس بات کا پتہ چلے گا ان کیلئے ضروری ہوگا کہ وہ عید مکہ والوں کے ساتھ منائیں اور پہلا روزہ قضاء کریں“

(کوکب الدرّی شرح ترمذی ص ۳۳۶)

(بریلی ودیوبندی اعلیٰ حضرات کے یہ فتاویٰ اِس بات کے غمّاز ہیں کہ دونوں کے نزدیک حرمین کی شرعی خبر ہندوستان والوں کو یا دنیا میں کہیں پر بھی پہونچے تو انہیں اس پر عمل کرنا ضروری ہے اور چھوٹے ہوئے روزہ کی قضا بھی لازم)

ص ۹۱ پر **اوقاتِ نمازفتاوی**!۔ فتویٰ (۲۸) فاضل بریلی اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب

۔۔۔صبحِ کاذب کے وقت انحطاطِ شمس میں (اہلِ فن) مختلف ہوئے، کسی نے ۱۷ کسی نے ۱۸ کسی نے ۱۹، اور مشہور ۱۸ ہے۔۔اسی نے علامہ خلیل کاملی کو دھوکہ دیا کہ دونوں صبحوں میں صرف تین درجہ کا فاصلہ بتایا جسے رد المحتار میں نقل کیا اور معتمد رکھا،۔۔۔شرع مطہر نے اس باب میں کچھ ارشاد فرمایا ہی نہیں اس نے تو صبح کی صورتیں تعلیم فرمائی ہیں کہ صبح کاذب شرقاً غرباً مستطیل ہوتی ہے اور صبح صادق جنوباً شمالاً مستطیر، اور ہم اوپر کہہ آئے کہ ”مقدارِ انحطاط جاننے کی طرف کسی برہانِ عقلی کو راہ نہیں، ”صرف مدار رویت“ پر ہے اور ”رویت شاہد عدل“ ہے کہ صبحِ کاذب کے وقت ۱۷ یا ۱۸ یا ۱۹ درجے اور صادق کے وقت ۱۵ درجے انحطاط ہونا اور ”صادق وکاذب میں صرف تین درجے کا تفاوت ہونا“ سب محض باطل ہے۔ (اس کے بعد) آپ نے ۱۸ درجے پر انحطاط کو اپنے تجربہ میں محصور فرمایا

(فتاویٰ رضویہ ج ۱۰)

امام غزالیؒ کی احیاء العلوم ج اول ص ۱۳ تا ۵۲، کل چالیس صفحات کے نیچوڑ کا نقشہ؛ ازی م

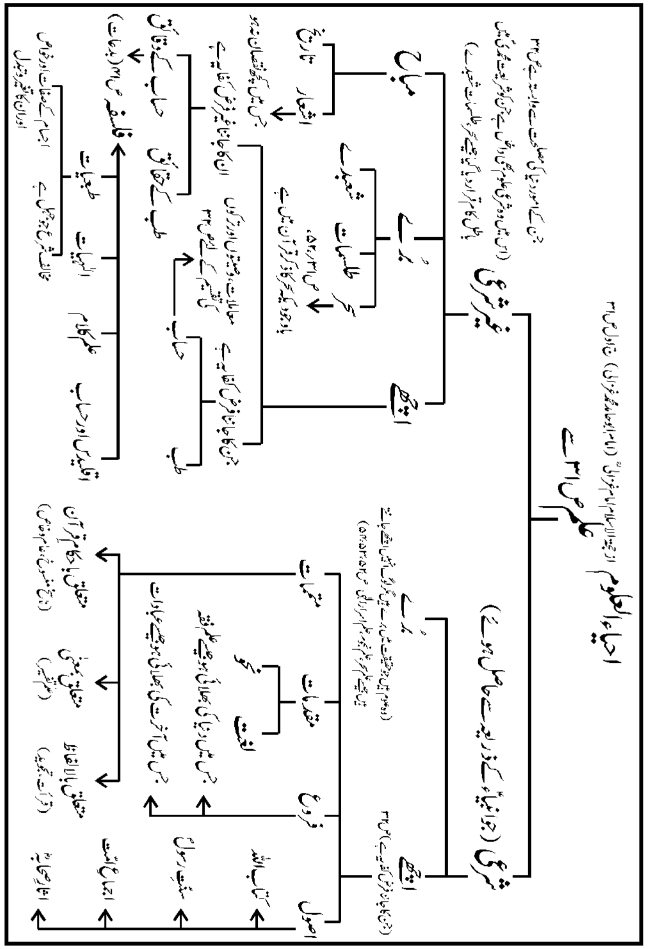

صلوا علی النبی الامی وآخردعوانا ان الحمدللہ رب العٰلمین والصلوٰہ والسلام علی رسولہ وصحابتہ اجمعین ومن تبعہ الیٰ یوم الدّین اللّٰھمّ وفِّقنا لما تُحِبّ وترضی عدد ماتحب وترضیٰ

مولوی یعقوب احمد مفتاحی

مورخہ ۱۷ ذی الحجہ ۱۴۳۰ھ، ۴ دسمبر ۲۰۰۹ء بروز جمعہ

تَمَّت بِالخیر